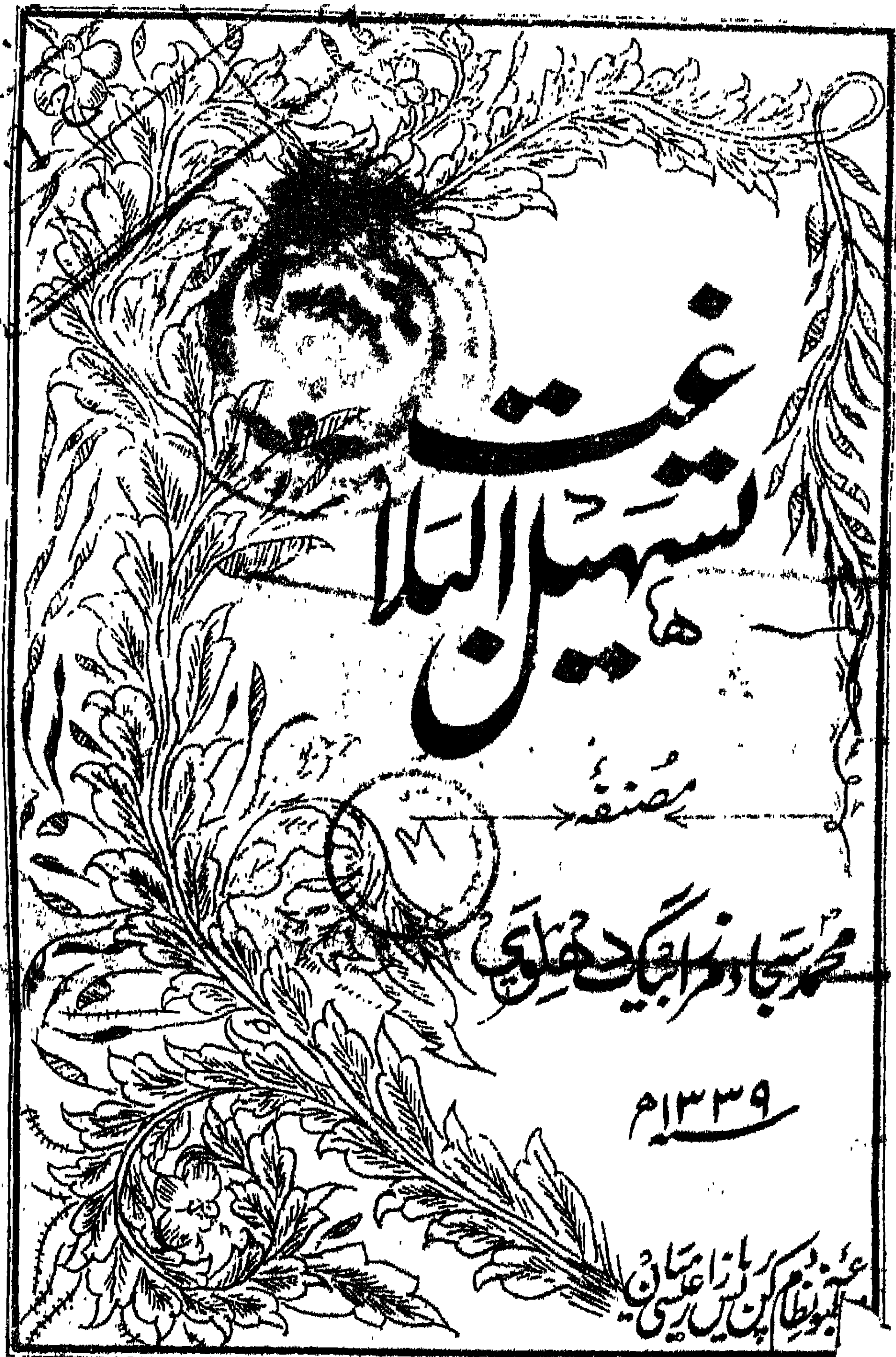

تسہیل البلاغت
مصنفہ
محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی
١٣٣٩ھ
مطبوعہ نظامی پریس باہتمام مرزا علی میاں

حکمتِ عملی

فلسفہ عملی پر یہ ایک مبسوط اور جامع کتاب ہے اردو میں اس فن پر کوئی کتاب
ایسی جامعیت سے نہیں لکھی گئی مصنف نے اس کتاب کو اس زمانہ اور اس ملک کی
ضرورتوں کے قابل بنانے کی کوشش کی ہے اور افرادِ انسانی کی روحانی ارتقا کی
تدابیر کے ساتھ ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کئے ہیں
اور مشرقی و مغربی علما کی کتابوں سے وہ مضامین اخذ کرکے درج کئے ہیں۔ جو
انسان کی ذات میں جوہر شرافت پیدا کرنے والے اور اسکو زندگی کے مختلف طبقوں
مختلف زمانوں اور مختلف حالتوں میں اصول حکمت پر کاربند رکھنے والے ہیں تاکہ نفس
انسانی میں حکمت کی ماہیت کے بعد اسپر عمل کرنے کی قوت پیدا ہو۔
معاشرت اور تمدن کی اصلاح کیلئے عورتوں کی حالت کی اصلاح اور حقوق کی نگہداشت
ضروری ہے لہذا موقعہ بہ موقعہ اس کا ذکر بھی کیا ہے اسلئے اس کتاب کا مطالعہ مردوں
اور عورتوں دونوں کو ضرور اور مفید ہے اس کتاب کی عبارت نہایت صاف شستہ اور
رواں ہے اور چونکہ مغربی و شرقی خیالات کا مجموعہ ہے۔ مضامین میں متانت و دلچسپی
پیدا ہوگئی ہے۔ اگرچہ نہایت دقیق مسائل پر بحث کیگئی ہے لیکن طرز بیان ایسا
شگفتہ اور دلنشین ہے کہ سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوتی۔ بڑی خصوصیت یہ ہے کہ
انسان کو آزاد و دلیر غیر تمند با حوصلہ پرجوش ہونے اور مہمات امور پر نظر رکھنے جائز
آرام اور لذائذ کا خط اٹھانے کی تعلیم دی ہے کیونکہ قوت فاعلہ کی ترقی سے طبیعت
میں بلند حوصلگی پیدا ہوتی ہے اور اگرچہ قوت منفعلہ کی خوبیاں بھی جابجا بیان ہوئی ہیں
لیکن اس انداز سے کہ انکا میلان پست ہمتی کی طرف نہ ہو اس خصوصیت میں یہ کتاب دوسری اخلاقی کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے
قیمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اشیا میں مرز و بوم کے اثر سے اور اشخاص میں تعلیم و تربیت سے خاص خاص صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہی زبان بھی بادشاہ وقت کے مزاج اور رجحان طبع سے ایک خصوصیت حاصل کر لیتی ہے۔ لفٹننٹ جنرل ہز اگزالٹڈ ہائینس رستم دوران ارسطوی زمان سپہ سالار آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ محی الملۃ والدین نواب میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی سی ایس آئی جی سی بی ای والی مملکت دکن خلد اللہ ملکہ کا عہد ہمایوں علوم کی اشاعت میں خاص امتیاز رکھتا ہے جس طرح عطر کی لپٹیں ہوا میں اڑتی ہیں اسی طرح حضرت ظل سبحانی کی بے نظیر فیاضیوں سے علوم کی اشاعت ہوتی ہے یہ کتاب بھی اعلیٰحضرت کے روائح روح فزا کی ایک شمیم ہے اور تمام تر انہی سے منسوب ہے۔

یک گونہ نسبتے بتو کافی بود مرا — بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

اردو زبان میں علوم کی اشاعت کی غرض سے حضرت ظل سبحانی نے سنہ ۱۹۱۹ء میں عثمانیہ یونیورسٹی قایم کی جس میں تمام علوم کی تعلیم اردو زبان میں دیجاتی ہے اور کالج کے واسطے کتابیں فراہم کرنے کیلئے محکمہ ترجمہ قایم فرمایا جو اعلیٰ اعلیٰ انگریزی علمی کتابوں کا جو کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں اردو میں ترجمہ کرتا ہے اسکے علاوہ مصنفوں کو مشق قرار دیا ہوا ہے اور وظیفے عطا فرمائے جو اپنے طور پر اردو زبان کی توسیع و ترقی میں مصروف ہیں سنہ ۱۹۲۱ء میں راقم کو بھی علمی خدمات کے صلہ میں وظیفہ عطا ہوا تاکہ فراغت و اطمینان سے علمی مشاغل میں مصروف رہ سکے پس میری تصانیف سے ملک کو جس قدر فائدہ پہونچے دراصل حضرت ظل سبحانی کا فیض ہے۔ مہتاب کو چھوڑ دو محفل روشن ہو جاتی ہے انار کو ذرا آگ دکھاؤ پھولوں کا مینہ برسنے لگتا ہے یہ نور کس نے پھیلایا اور یہ مینہ کس نے برسایا آتش باز کی کاریگری ہے کہ آگ کو گلزار بناتی اور دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتی ہے آقائے نعمت کی حوصلہ افزا قدر دانیاں دل میں جودت اور قلم میں زور پیدا کرتی ہیں اور علمی قومی خدمت گزاری کے حوصلے بڑھاتی ہیں۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ جب تک ملک کی زبان علمی زبان نہ ہو قوم ترقی نہیں کرسکتی۔

ہندوستان میں آکر انگریزی نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دئے اور نئی تعلیم کے لئے جا بجا یونیورسٹیاں
مدارس اور کالج قایم کرکے علوم وفنون کی گنگا بہا دی لیکن ملک کو کچھ نہ دیا اور جہالت کی
گھٹا عام طور پر چھائی ہوئی ہے عام لوگوں کی علمی معلومات بہت ہی کم ہیں اور تعلیم یافتہ گروہ میں بھی علوم جدیدہ
کا کوئی ایسا جید ماہر نہیں پیدا ہوا جو اپنے ملک کی زبان میں علوم وحکمت کی معلومات جمع کرتا اور عام لوگوں تک
پہونچاتا سبب یہی کہ جو کچھ تعلیم ہوتی ہے وہ زبان انگریزی میں ہوتی ہے اور ملک کی زبان کی طرف سے اس قدر
بے اعتنائی برتی جاتی ہے کہ مدارس اور کالجوں کے تعلیم یافتہ لیاقت صحیح اردو زبان لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے۔

مدراس یونیورسٹی نے اس نقص کو رفع کرنے کی طرف کچھ توجہ کی ہے اور وہ کالج کی جماعتوں میں بھی اردو کی
تعلیم دیتی ہے تعلیم اگرچہ وہاں کی بھی ناقص اور بہت کچھ محتاج اصلاح ہے لیکن جو کچھ ہے غنیمت ہے حیدرآباد دکن
کے **نظام کالج** میں کچھ تو اس وجہ سے کہ مدراس یونیورسٹی سے ملحق ہے، اور کچھ اس سبب سے کہ یہاں کی
درباری اور دفتری زبان اردو ہے اس زبان کی تعلیم کی طرف بہت توجہ کی جاتی ہے۔ ممالک محروسہ سرکار عالی
میں یہ بہت بڑا تعلیم گاہ ہے اور یہ التزام کیا گیا ہے کہ ہر زبان کی تعلیم کیلئے اہل زبان مقرر کئے جاتے ہیں
اسی وجہ سے ۱۹۱۵ء میں جب اردو کی جگہ خالی ہوئی تو راقم کا انتخاب کیا گیا۔ طلباء کالج کو علم بلاغت کی
تحصیل میں مدد دینے کیلئے میں نے یہ مجموعہ بطور لیکچر تیار کیا تھا جو عام فائدے کی غرض سے اہل ملک کے
سامنے پیش ہے۔ مسایل وہی ہیں جو بلاغت کی کتابوں میں مذکور ہیں طرز بیان البتہ میرا ہے اور یہ لحاظ
رکھا گیا ہے کہ اس قدر قریب الفہم ہو کہ مبتدیوں کو سمجھنے میں ذرا دقت نہ ہو۔

میری سابقہ تصانیف کو ارباب دانش نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اہل بینش نے عظمت کی آنکھوں
میں جگہ دی امید ہے کہ اس ناچیز تالیف کو بھی زبان کے جوہری پسند کرینگے اور طلباء اس سے فائدہ اٹھائینگے

۹ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ
حیدرآباد دکن

سجاد مرزا بیگ دہلوی
بازار علی میاں حیدرآباد دکن


علم معانی



لکچر ۱

دلالت اور اُس کے اقسام

اظہار مافی الضمیر

انسان کے خصائص مشخصہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو دوسرے اشخاص پر ظاہر کرنا اور اون کا مفہوم سمجھانا چاہتا ہے اس مقصد کیلئے اس نے موجودات خارجی اور کیفیات باطنی میں سے ہر ایک شئے اُس کے نتیجے اون کے انواع و اقسام اُنکی ماہیت و خاصیت کے نام رکھ لئے ہیں اسی طرح اپنے تاثرات اور کیفیات باطن کا بھی ایک ایک نام مقرر کیا ہے اپنے افعال و حرکات کو بھی خاص خاص ناموں سے ظاہر کرتا ہے مثلاً درخت درخت کے پھل پھول رنگ و بو پھل اور پھلوں کے ذائقے سب کے نام معین ہیں درخت کو دیکھنے سونگھنے اوس کے پھل کھانے سے جو کیفیات و تاثرات پیدا ہوتے ہیں اون کے بھی خاص خاص نام ہیں درخت کا سایہ ٹھنڈا اور صحت بخش ہے پھل میٹھے اور خوش ذائقہ ہیں پھولوں کی بو بھینی بھینی ہے اسی طرح انسان کے حرکات و سکنات کو لو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا نام چلنا۔ قوا، دماغ کا آرام لینے کیلئے کچھ عرصہ کے واسطے معطل رہنے کا نام سونا۔ چیزوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا نام توڑنا ہے۔ غرض مادی و غیر مادی اشیاء تاثرات حرکات و سکنات سب کا کچھ نہ کچھ نام رکھ لیا ہے ان ناموں کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ اپنی زبان او حلق کی مدد سے ہر خاص شئے ہر خاص تاثر ہر خاص حرکت کیلئے ایک آواز نکالتا ہے اور اُس آواز کو ہمیشہ اُن ہی اشیاء تاثرات و حرکات کے واسطے استعمال کرتا ہے مثلاً اُس عورت کو جس کے بطن سے وُہ پیدا ہوا ہے اماں کہتا ہے اور یہ آواز ہمیشہ اسی عورت کے اظہار کے لئے نکالی جاتی ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ وہ ان درختوں کو جو اوس کے گھر کے صحن میں اُگے ہوئے ہیں اماں کہے اس پابندی سے ہر ایک سامع لفظ اماں سے وہی عورت مراد لیگا جس کے بطن سے وہ شخص پیدا ہوا ہے مکان سے

وہی مقام مراد لیا جائیگا جو انسانوں کی سکونت اور اون کے مال و اسباب کی حفاظت کیلئے بنایا گیا ہو۔ پل سے ہمیشہ ہی عمارت مراد لیجائیگی جو کسی دریا یا ندی وغیرہ پر عبور و مرور کے لئے بنائی گئی ہو اگر اشیاء کے ساتھ آوازوں کی تعبیر کی بالالتزام تخصیص نہ کیجائے بلکہ کبھی مکان سکونت کو پل اور عمارت عبور و مرور کو مکان کہدیں تو مکان اور پل کی آوازوں کے سننے سے سامع کا ذہن ان اشیاء کی طرف منتقل نہ ہوگا اور وہ نہ سمجھ سکیگا کہ قایل کی مراد ان آوازوں کے نکالنے سے کیا ہے

دلالت — وہ خاص خاص آوازیں جو خاص خاص مافی الضمیر کے ظاہر کرنے کے واسطے نکالی جاتی ہیں الفاظ (جمع لفظ) کہلاتی ہیں اور ان الفاظ کا ہمیشہ ان ہی چیزوں کو ظاہر کرنا جن کیلئے یہ مخصوص ہیں ان اشیا پر دلالت کرنا کہلاتا ہے اس مطلب کو یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ یہ لفظ فلاں معنی کیلئے وضع کیا گیا ہے مثلاً لفظ درخت کا مفہوم ایسی مخلوق نباتی ہے جو بڑے قد کی ہو یا یوں کہو کہ لفظ درخت بڑے قد کی مخلوق نباتی پر دلالت کرتا ہے یا لفظ درخت بڑے قد کی مخلوق نباتی کے لئے وضع کیا گیا ہے پودہ ایسے مخلوق نباتی پر دلالت کرتا ہے جو چھوٹے قد کی ہو۔ ہوا عالم موجودات کی اس شئے پر دلالت کرتی ہے جو آکسیجن اور نٹروجن سے مرکب ہے اور جس کے خواص مرکبہ میں سے حیوانات و نباتات کا تنفس ہے۔ غرض انسانوں کے ہر ایک گروہ نے اپنے ادائے مطالب کے لئے خاص خاص الفاظ مقرر کر لئے ہیں اور وہ ہمیشہ اون سے وہی معنی مراد لیتے ہیں جنکے واسطے وہ ایکدفعہ مقرر ہو چکے ہیں ایسے بامعنی الفاظ کے مجموعہ کو زبان کہتے ہیں۔ — زبان

چونکہ انسان مختلف گروہوں میں منقسم ہیں جو اقوام کہلاتے ہیں اور ہر قوم ایک مختلف مقام پر رہتی ہے مرز و بوم کے اثر زمین کی پیداوار اور اس مقام کے خصایص طبعی کے لحاظ سے ہر قوم کے لب و لہجہ میں فرق ہوتا ہے اس سبب سے بعض آوازیں جو ایک قوم نکال سکتی ہے دوسری نہیں نکال سکتی۔ اس خاصیت کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں قوم فلاں حرف کا تلفظ نہیں کر سکتی مثلاً

یہی حال تحریر کا ہے کہ آوازوں کے لئے خاص خاص علامات مقرر کر لی گئی ہیں جو حروف کہلاتی ہیں اور ان حرفوں کو خاص خاص طریقوں سے ترتیب دیکر الفاظ بنا لیتے ہیں اور عبارتیں کی عبارتیں لکھتے چلے جاتے ہیں ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اہلِ عرب چ کا اور اہلِ فارس ڑ ڈ کا اہلِ ہند ض کا اہلِ انگلستان ق غ خ کا تلفظ نہیں کر سکتے
علاوہ ازیں مناسبت کی وجہ سے بھی ایک قوم دوسری قوم کے الفاظ سے واقف نہیں ہوتی اور وہ اپنے
مافی الضمیر کے اظہار کے لئے دوسرے الفاظ وضع کر لیتی ہے مثلاً وقت کا وہ حصہ جبکہ آفتاب کرہ
زمین کے اس حصہ کے مقابل ہوتا اور اس کو روشن کرتا ہے اردو میں دن فارسی میں روز عربی میں
نہار انگریزی میں ڈے کہلاتا ہے۔

علم معانی اور علم بیان

کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ ایک لفظ مختلف زبانوں میں مختلف معنی رکھتا ہے مثلاً روز فارسی
میں دن اور انگریزی میں گلاب کے پھول پر دلالت کرتا ہے اس طرح جو لوگ چند زبانیں جانتے ہیں
وہ ایک مفہوم کو مختلف زبانوں میں ظاہر کر سکتے ہیں الفاظ کا اپنے حقیقی اور وضعی معنوں پر دلالت
کرنے کا طریقہ علم معانی سے تعلق رکھتا ہے لیکن بعض لوگ ایسی قدرت بھی رکھتے ہیں کہ ایک
مفہوم کو ایک ہی زبان میں مختلف عبارتوں میں ظاہر کریں یہ قدرت اول تو زبان میں ہونی چاہئے
یعنی زبان ایسی وسیع ہو کہ نہ صرف ہر قسم کے مطلب کے اظہار پر قادر ہو بلکہ اس میں ایسے طریقے
بھی مقرر ہوں کہ ایک مطلب کو عبارتہائے مختلفہ میں ظاہر کر سکیں دوسرے اس کا انحصار متکلم کے
قوائے ذہنی اور تخیلہ اور واہمہ پر ہے کہ وہ ادائے مطلب کے مختلف پہلو نکال لیتا ہے اور الفاظ کے
الٹ پھیر سے معنی کو زیادہ روشن اور واضح یا باریک و دقیق کر دیتا ہے ان اصول و قواعد کو
جن کے ذریعہ سے ایک معنی مختلف عبارتوں میں اس طرح ادا کر سکیں کہ ایک معنی بہ نسبت دوسرے
کے زیادہ یا کم واضح ہوں علم بیان کہتے ہیں۔

دلالت کے اقسام

یاد رکھنا چاہیئے کہ جو لفظ جس معنی کیلئے وضع کیا گیا ہے اسکو اسی معنی میں استعمال
کرتے ہیں مثلاً مدرسہ اس مکان کو کہتے ہیں جہاں طالبعلموں کو درس دیا جائے۔ اکھاڑہ وہ مقام
جہاں پہلوان کشتی لڑیں الفاظ کا اس طرح استعمال کہ جس معنی کے لئے کوئی لفظ وضع کیا گیا ہے اسی

حقیقت

معنی میں استعمال ہو حقیقت کہلاتا ہے یعنے الفاظ کا اپنے معنی موضوع لہ کے لئے استعمال کیا
جانا۔ لکھنے والے کو کاتب۔ پڑھنے والے کو قاری۔ بات کرنے والے کو متکلم کہنا حقیقت ہے

جب الفاظ اپنے حقیقی اور وضعی معنوں میں اس طرح استعمال ہوں کہ بذاتہ وہ ان اشیاء پر دلالت[1] کریں جن کے واسطے وہ وضع کئے گئے ہیں تو اس کو **حقیقت لغوی** اور اس دلالت کو **وضعی** اور مطابقی کہتے ہیں بعض معانی کے اظہار کے لئے ایک سے زیادہ الفاظ بھی زبانوں میں ہوتے ہیں جنکو **مترادف** کہتے ہیں جیسے دن اور روز بعض الفاظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں یہ لفظ **مشترک** کہلاتے ہیں مثلاً خط مکتوب۔ خط ڈاڑھی۔ خط لکھے ہوئے حروف۔ خط لکیر۔ خط وہ چیز جس کا صرف طول ہو عرض عمیق نہ ہو۔ یہ سب حقیقت ہیں اور دلالت مطابقی میں داخل ہیں خط صرف طول کے معنوں میں اصطلاح علم ہندسہ اور وضع ثانوی ہے۔

مترادف و مشترک الفاظ

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ علوم کی اصطلاح میں ان کی معنی بدل جاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ہر علم میں اس لفظ کے معنی الگ ہوتے ہیں مثلاً فکر اردو زبان میں تشویش اور غور کے معنوں میں بولا جاتا ہے اصطلاح علم النفس میں اس لفظ کے معنی ہیں انسان کے نفس کا وہ عمل جس کے ذریعہ سے نفس محسوسات خارجی یا صور ذہنی کی مشابہت یا مباینت معلوم کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے مقدمات معلومہ کو ترتیب دیکر نتایج استنباط کرتا اور تمام کیفیات و حالات کی خواہ وہ اشیاء مادی کے متعلق ہوں یا صور عقلی کے نسبت معلوم کرتا ہے اصطلاح تصوف میں فکر کہتے ہیں انسان کی قوت متخیلہ کا ذات باری تعالیٰ کی طرف ایسا متوجہ ہو جانا کہ غیر اللہ سے مطلق خالی اور ہر وقت خدا کے خیال میں مستغرق رہے اگرچہ ایک ہی لفظ کے معنی ہر موقعہ پر بدل گئے لیکن یہ بھی حقیقت سے خالی نہیں کیونکہ اوس فن میں وہ لفظ ہمیشہ اوسی معنی میں استعمال ہوگا جس کو اس علم کی اصطلاح کہتے ہیں اور اصطلاح[2] علم بیان میں اوس کا نام **حقیقت عرفی خاص** ہے۔

---

[1] دلالت کے معنی ہیں ایک چیز کے ذریعہ سے دوسری چیز کا پتہ چلنا مثلاً الفاظ زید و عمر کے سننے سے اون اشخاص کا جنکے نام میں تصور پیدا ہوتا ہے کون آیا؟ زید اس لفظ کے سننے سے زید کی صورت دیکھنے کی حاجت باقی نہ رہی یہ **دلالت لفظی** ہے لیکن سوائے الفاظ کے دلالت کے اور طریقے بھی ہیں مکان میں کواڑ لگی دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ اسمیں چوری ہوئی ہے خوشبو سے معلوم ہو جاتا ہے کہ درخت میں پھول کھلے ہیں یہ **دلالت غیر لفظی** ہے۔ انسان کی زبان سے بعض آوازیں ایسی نکل جاتی ہیں جو اسکی طبیعت کی کیفیت ظاہر کرتی ہیں۔ بیمار آدمی اوہ اوہ کرتا ہے منہ میں مرچیں لگ جائیں تو سی سی کرتا ہے یہ **دلالت طبعیہ** کہلاتی ہے۔ بعض کیفیتیں قراین سے معلوم ہو جاتی ہیں جیسے اطبا نبض دیکھکر مریض کا حال معلوم کرلیتے ہیں یہ **دلالت عقلیہ** ہے۔

[2] بعض علماء علم بیان نے حقیقت شرعی اور حقیقت عرفی عام بھی حقیقت کے اقسام لکھے ہیں لیکن راقم کے نزدیک حقیقت شرعی حقیقت عرفی خاص کا ایک جزو ہے کیونکہ شرع بھی ایک علم ہے حقیقت عرفی عام کی تعریف وہی ہے جو دلالت وضعی کی ہے اس لئے اسکو حقیقت لغوی میں داخل سمجھنا چاہئے اس طرح مزید تفراق کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

حقیقت کے علاوہ الفاظ کا اپنے معنی غیر موضوع لہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کو مجاز کہتے ہیں یہ استعمال کئی طرح پر ہوتا ہے مثلاً کسی لفظ سے کل معنی وضعی مراد نہ لیں بلکہ جزو معنی۔ مثلاً آپ نے دوستوں کو باغ میں دعوت دی اور رقعہ میں لکھا کہ یہاں تشریف لا کر میوہ کھائیے۔ باغ میں اس زمانہ میں آم انجیر اور کیلے ہی تھے اور دوستوں نے یہی میوے کھائے لفظ میوہ کا اطلاق صرف آم انجیر اور کیلوں پر نہیں بلکہ پھلوں کے تمام اقسام پر ہوتا ہے جو ہر ملک اور ہر موسم میں پیدا ہوتے ہیں مگر اس موقعہ پر میوے سے مراد صرف تین ہی قسم کا میوہ تھی جو گارڈن پارٹی کے موقعہ پر احباب نے کھایا۔ یہ **دلالت تضمنی** ہے یعنے کسی لفظ کا اپنے کل وضعی معنوں پر دلالت نہ کرنا بلکہ جزو معنی پر دلالت کرنا۔

ہر ایک شئے میں بعض صفات ایسے ہوتے ہیں جو اوس کے لئے مخصوص ہیں اور جب اس شئے کا نام لیں تو اس کے صفات ذاتیہ کا تصور ذہن میں ضرور آجاتا ہے۔ شیر میں شجاعت شکر میں شیرینی آفتاب میں نور و حرارت پھول میں رنگ و بو اس کے صفات ذاتیہ ہیں۔ جب ان اشیاء میں سے کسی کا ذکر آئے تو ان صفات کا تصور ذہن میں ضرور آئیگا جو اون اشیاء کو لازم ہیں۔ کلام میں بعض وقت لازم کا نام لیکر ملزوم مراد لیتے ہیں اور کبھی ملزوم کا ذکر کرکے لازم مراد لے لیتے ہیں اور اس کو **دلالت التزامی** کہتے ہیں۔ کمرے میں برقی لیمپ روشن کیا اور کہنے لگے واہ وا یہاں تو دن نکل آیا ظاہر ہے کہ آدھی رات کو کمرے میں دن کہاں سے نکلیگا لیکن چونکہ دن کو نور اور روشنی لازم ہیں مراد یہ ہے کہ کمرہ خوب روشن اور منور ہو گیا۔ ماں بچے کو کہتی ہے میرا چاند ہے دراصل چاند تو کرہ ہے لیکن خوش نمائی اور نور اس کو لازم ہیں اور اسی لحاظ سے ماں نے بچہ کو چاند کہدیا یعنے خوبصورت اور صبیح ہے یہ تو ملزوم سے لازم مراد لی گئی ہے لازم سے ملزوم کبھی مراد لے لیتے ہیں مثلاً عالم حیوانات میں صرف انسان ہی ہنس سکتا ہے اسلئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حیوان ضاحک دیکھا تو اس سے انسان مراد ہو گی اگر کوئی شخص یہ بیان کرے کہ کل میں نے قاریوں اور حافظوں کو کھانا کھلایا تو کوئی سامع یہ نہیں سمجھیگا کہ اس نے

بیل و بکری چرائے ہونگے بلکہ قراءت اور حفظ قرآن کی استعداد چونکہ انسان ہی میں ہے جب انبیاء نے سمجھ میں آئیگا کہ اس شخص نے آدمیوں کی دعوت کی ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے یا شیخی بگھارے کہ میں نے شجاعان کوہ و دشت کو زیر کیا ہے تو اس سے دونوں معنی لئے جاسکتے ہیں کہ اس شخص نے پہاڑی وحشی آدمیوں کو زیر کیا ہے یا جنگل کے درندے جو پہاڑوں کی کھووں میں بستے ہیں مارے ہیں کیونکہ شجاعت کی صفت صرف انسان ہی کو لازم نہیں ہے بلکہ حیوان بھی اس میں شریک ہیں۔

جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہو تو اس کی دلالت خفی تر یا واضح تر نہیں ہو سکتی اسی واسطے دلالت وضعی یا مطابقی سے علم بیان کو سروکار نہیں اور وہ علم معانی کا حصہ ہے لیکن دلالت تضمنی اور التزامی میں ممکن ہے کہ ایک عبارت بہ نسبت دوسری کے خفی تر یا واضح تر ہو علم بیان ان دلالتوں سے بحث کرتا ہے۔



لکچر ۲

ٹکسالی زبان

انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ صرف عطایاء قدرت ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ خود بھی اون میں کم و بیش دخل دیتا اور اپنے مذاق کے موافق چیزوں کی ترتیب بدلتا اور اونمیں تصرف کرتا ہے۔ قدرت نے پھلوں اور پھولوں کے درخت پیدا کئے۔ انسان نے چن چن کر خاص ترتیب سے لگا چمن سجائے اور باغ نام رکھا۔ پھلوں کی ڈالیاں لگائیں پھولوں کے ہار اور گلدستے بنائے اور قدرتی لطف میں اضافہ کیا۔ حیوانات سے سواری کا کام لیا اور ساز و یراق سے اون کو بھی آراستہ کیا۔ پتھر اور مٹی مکان بنانے کو کافی تھے مگر اس کام میں وہ وہ دستکاریاں دکھائیں کہ خود ہی دیکھتا اور نقش حیرت بنجاتا ہے یہی حالت لباس کی ہے کہ گزی گاڑھے سے گزر کر حریر و دیبا اور اس سے بھی بڑھکر سر پیچ مرصع اور مالائے مروارید تک نوبت پہونچ گئی مطلب یہی کہ وہ قدرتی حسن جو پیکر انسانی کو عطا ہوا ہے دوبالا ہو جائے۔

زبان اداے مطلب اور اظہار مافی الضمیر کا آلہ تھی ممکن نہ تھا کہ انسان اسکی آراستگی اور [illegible] سے غافل رہتا۔ لباس اور مکان وغیرہ تو خارجی چیزیں ہیں ان سے صرف لذت نظر اور راحت جسم حاصل ہوتی ہے۔ زبان کی ترقی اور اوس کا حسن انسان کے جوہر ذاتی کو بڑھاتا ہے اس لئے اس کی طرف فطرتًا زیادہ توجہ ہوئی اور کوشش یہ ہوئی کہ ایک طرف تو الفاظ میں شستگی روانی سلاست و لطافت و فصاحت و بلاغت پیدا کیجائے دوسری طرف معانی میں یہ اثر ہو کہ سننے والوں کے دل اپنی مٹھی میں لیلے۔

ہر چیز میں آرائش و حسن کی کوشش ابتدا سے ہوتی چلی آئی ہے اور اب تو اوس میں اس قدر

ترقی ہوگئی ہے کہ ہر فن بجائے خود ایک علم بن گیا ہے اور باقاعدہ تعلیم اور عمر بھر کی محنت سے ایک شخص اوسمیں کمال حاصل کرسکتا ہے۔ فن باغبانی۔ فن عمارت۔ مصوری و نقاشی وغیرہ اسی فن کے کرشمے ہیں۔ زبان کو لیجیئے۔ **لغت** الفاظ کا خزانہ بہم پہونچاتا ہے **صرف و نحو** سے الفاظ کا اشتقاق اور اون کا جملوں میں صحیح طور پر ترتیب دینا آتا ہے۔ **علم معانی** الفاظ کا دلالت مطابقی کے موافق برمحل استعمال کرنا سکھاتا ہے۔

زبان کی [illegible] میں تحسین میں مدد دیتی ہے

علم بیان دلالت غیر وضعی کے بموجب ادائے مطلب کرنا بتاتا ہے۔

علم بدیع تحسین و تزئین کلام کے طریقے ظاہر کرتا ہے۔

علم منطق سے صحیح صحیح دلیل کرنی آتی ہے۔

علم عروض کلام کو موزوں کرنا سکھاتا ہے تاکہ کلام کا اثر بڑھ جائے۔

علم موسیقی۔ زبان و حلق کی مدد سے موزوں کلام کو ایسے لہجے سے ادا کرنا سکھاتا ہے کہ نہ صرف کانوں کو خوشگوار معلوم ہو بلکہ دلوں پہ تیر و نشتر کا اثر کرے اسمیں اس قدر مبالغہ کیا گیا کہ زبان و حلق کی تسلیم سے گزر کر مزامیر ایجاد کئے تاکہ موسیقی کا اثر اور بڑھ جائے۔

تاریخ زبان سے اس کی عہد بعہد کی ترقیوں کی کیفیت کھلتی ہے۔

علم اللسان سے زبانوں کے پیدا ہونے ترقی و تبدل اور اونکے باہمی تعلق اور رشتے اور مرنے کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اہل زبان کے **محاورے** اور **روزمرہ** کا جاننا بھی ضرور ہے۔

کسی ملک میں جاؤ اگرچہ سارے قطعہ ارض کا نام ایک ہی ہے لیکن کسی شہر میں کوئی میوہ اچھا پیدا ہوتا ہے کسی میں کوئی۔ کہیں ایک صنعت زیادہ ترقی پر ہے کہیں دوسری کہیں کے لوگ کسی خلق میں مشہور ہیں کہیں کے کسی میں۔ اگرچہ یہ میوے یہ صنعتیں یہ اخلاق دوسرے حصص ملک میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس خاص قریہ کی اشیا یا اوس کے باشندے اپنے اپنے وصف میں خاص امتیاز رکھتے ہیں یہی حال زبان کا ہے کہ سارا ملک یا ملک کا ایک بڑا حصہ

ایک زبان بولتا ہے لیکن کسی شہر کی زبان ایک ایسا خاص امتیاز رکھتی ہے جو اوسکو دوسرے شہروں کی زبان سے ممیز و ممتاز بناتا ہے وہ شہر اوس زبان کا مرکز اور وہاں کے باشندے اہل زبان کہلاتے ہیں یہ امتیاز کئی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱) وہ زبان اوس خاص قریہ میں پیدا ہوتی اور وہاں سے تمام ملک میں پھیلتی ہے۔

(۲) شہر کے خاص و عام وہی زبان بولتے ہیں یہ نہیں کہ خواص کی زبان کچھ اور ہو اور عوام کی کچھ اور جیسے لاہور میں خواص کی زبان اردو اور عوام کی پنجابی ہے۔ پورب کے عام لوگ پوربی بولتے ہیں اور خواص اردو۔

(۳) اوس شہر میں ایسے بہت سے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو زبان کو تراش و خراش کر خوش نما اصلاح دیتے۔ موثر اور دلنشین انداز بیان نکالتے۔ نئے نئے اسالیب بیان پیدا کرتے اور زبان کو ایسی وسعت دیتے ہیں کہ وہ ہر طرح کے ادائے مطلب پر قادر ہوجائے۔

(۴) ان لوگوں کے کلام دوسرے لوگوں کے لئے زبان دانی کے سبق آموز ہوتے ہیں۔ دوسرے شہروں کے لوگ جو اپنی طبعی مناسبت اور اہل زبان کی صحبت یا شاگردی یا اون کے کلام کے مطالعہ سے زبان سیکھتے ہیں زبان دان کہلاتے ہیں ان میں سے بعض کی معلومات ایسی وسیع ہوجاتی ہے کہ وہ اپنی تقریر و تحریر میں ایک لفظ بھی اہل زبان کے محاورے کے خلاف نہیں آنے دیتے لیکن پھر بھی اون کا دائرہ زبان دانی ان کی اکتساب کی حد تک محدود ہوتا ہے۔ اوراوائے مطلب کے بہت سے خاص طریقوں اور محاوروں سے وہ ناواقف ہوتے ہیں اور اگر بے احتیاطی سے ان محاوروں کو استعمال کریں تو اون میں غلطی کرجاتے ہیں دوسرے شہروں کے جو مرکز زبان نہیں ہیں باشندے بھی ایسے مطالب کو ادا کرنے کے لئے اپنے الفاظ اور محاورے رکھتے ہیں لیکن وہ زبان ٹکسالی نہیں کہلاتی اور فصیح زبان کے معیار سے گری ہوئی ہوتی ہے۔

ایک مدراسی مؤلف نے انوار سہیلی کو مدراسی اردو میں ترجمہ کیا ہے ذرا وہاں کی زبان کا دلی و لکھنؤ کی زبان سے مقابلہ کرو۔

کارشناس بولا کہہ گئے ہیں ایک زاہد شرع والا قربانی کی خاطر ایک مست اِیڑ کا مول لیا ہور اوس کے گلے میں رسی بند کر اپنی جھونپڑی کدھن کھینچ لاتا تھا راستہ میں ٹھگاں اوپو ٹلا دیکھے اوان کے دلوں میں اس کی کا کلوٹ پیدا ہوئی۔ ٹھگاں نے پرکر باندھے اور اس زاہد کے رستے میں اٹوار ہوے، ماردھاڑ کر چھنا لیجانا سو اون سوں نیں ہوسکتا تھا اوس کدھن سوں دھندلا پنا اچھیا گئے اور اوس زاہد کی انکھیاں میں ماٹی ڈالکر لیجانے کھڑے رہے۔ سب ملکر ایک مصلحت کر لئے کہ اوسے ٹھگ لاکر بکرا چھنا لینا ایک زاہد کے سامنے آیا ہور بولا اجی بزرگان یہ کتا کہاں لیجاتے ہیں ہو تیچ لگت دوجا اکر بولیا یہ کتا کا ہے کو۔ تیسرا اگاڑی اکر بولیا اجی پرائم صاجان شکار کھیلنے جاتے ہیں کی ہور ایک پیچھے سوں آکر بولیا اجی اللہ والے یہ کتا کتنے کو لئے سب یو کدھن سوں ایک بات بولتے تھے۔

ایسے بھتا دباتاں سوں زاہد کا دل انمانے لگیا ہور بولیا خدا نہ کرے اس کا بیچنے والا نظر بندی کیا۔ جنون اس کتے کو چھوڑ دینا اچھا ہے ہور مال والے کنے جانا ہور اوس کا مول منگ لینا۔ زاہد سادگی سوں بکرے کی چھوڑ دیا۔ اتون ٹھگاں اوبکرا اپنے گھر کو لے گئے چھیچ گلا کاٹ کر تکا بوٹی کر ڈالے۔

جو لوگ اچھے زبان داں نہیں ہیں وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کسی خاص شہر کو مرکز زبان قرار دیکر وہاں کی زبان کو صحت کا معیار قرار دینا اور دوسرے شہر کی زبان کو بے اعتبار ٹھیرانا ہٹ دھرمی ہے ایک شہر ایک مطلب کو ایک خاص طرز سے ادا کرتا ہے دوسرا دوسرے طریقے سے تو پہلے کو یہ کیا حق ہے کہ دوسرے کو غلط بتائے یہ معترض یا تو زبان کا صحیح مذاق نہیں رکھتے اور زبان کی چاشنی اور لذت سے نا آشنا ہیں یا اون کو یہ بھی معلوم نہیں کہ زبان کے اس طرح کے اختلاف سے عملی دقتیں کیا کیا پیدا ہوتی ہیں ظاہر ہے کہ اگر ہر شہر کے الفاظ اور محاورے اور روزمرہ میں اختلاف ہو تو ایک شہر کا باشندہ دوسرے شہر کی زبان اچھی طرح نہ سمجھ سکیگا۔ ایک سیاح ایک زبان جانکر سارے ملک کی سیر نہیں کرسکتا۔ ادہر

شہر کی زبان سمجھنے کے لئے جدا جدا لغات اور صرف و نحو تیار کرنی پڑیگی۔ باہمی میل جول خط و کتابت اور معاملات تجارت وغیرہ ہر قسم کے معاشرتی اور تمدنی کاموں میں اس اختلاف زبان سے نہایت وقت واقع ہوگی اس لیئے ہر ملک کے حکما و روز گار نے بالاتفاق یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کسی ایسے شہر کی زبان کو جہاں اوس زبان نے نشو و نما پایا ہو اور جو زبان کی دوسری خصوصیات کے لحاظ سے بھی برتری رکھتا ہو مرکز زبان قرار دیا جائے اور سب اوسکی تقلید کریں۔ اس طرح ایک تو لوگوں کے معاشرتی اور تمدنی تعلقات قوی ہو جائینگے دوسرے علوم کی اشاعت میں سہولت ہوگی تیسرے خود زبان سب کی متفقہ کوشش سے روز بروز ترقی کرتی جائیگی۔

دہلی کی زبان اردوئے معلیٰ ہے [illegible]

زبان کی اون چاروں مقامی خصوصیات کو جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں پیش نظر رکھکر آپ یہ دیکھو کہ زبان اردو کا مرکز کون شہر ہے جہاں کی زبان ٹکسالی زبان ہے اور جسکی تقلید دوسرے شہر کے لوگوں کو اس لیئے واجب ہے کہ اون کی زبان فصیح و بلیغ سمجھی جائے۔ اس امر سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے کہ دِلّی اردو زبان کا جنم بھوم ہے اور یہاں کی زبان اردوے معلےٰ ہے میر شیر علی افسوس لکھنوی کتاب آرائش محفل میں دلی کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

ہے دروازہ اوس کا گلستاں کا باب ۔۔۔ بیاضِ جہاں کا ہے وہ انتخاب
فضا اوسکی دیکھے اگر اک نظر ۔۔۔ تو دل تنگ ہووے نہ پھر عمر بھر
بھلاتی ہے اک لخت غم اوس کی سیر ۔۔۔ خوش آتی ہے بس دمبدم اوس کی سیر
سماں واں کا دیکھے اگر اک ذرا ۔۔۔ تو مانی نہ لے نام ارژنگ کا
بہت میں نے یوں اوس کی تعریف کی ۔۔۔ ہے اردو کی بولی کا ماخذ وہی

محمد حسین آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں "میرے دوستو تم جانتے ہو کہ ہر شے کی اصلیت اور حسن و قبح کے واسطے ایک مقام ایسا ہوتا ہے جیسے سکہ کیلئے ٹکسال۔ کیا سبب ہے کہ ابتدا میں زبان کیلئے دلی ٹکسال تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ دارالخلافہ تھی دربار ہی میں خاندانی امرا اور امیرزادے خود صاحب علم ہوتے تھے اون کی مجلسیں اہل علم اور اہل کمال کا مجمع ہوتی

تھیں جنکی برکت سے طبیعتیں گویا ہر شئے کے سلیقے اور شائستگی اور لطافت و ظرافت کا قالب ہوتی تھیں۔ اسی واسطے گفتگو۔ لباس۔ ادب۔ آداب نشست برخاست الغرض بات بات ایسی سنجیدہ اور پسندیدہ ہوتی تھی کہ خواہ مخواہ سب کے دل قبول کرتے تھے ہر شئے کے لئے ہمیشہ نئی نئی تراش اور نئی نئی اصلاحیں اور ایجاد و اختراع وہاں سے ہوتے تھے اور چونکہ دارالخلافہ میں شہر شہر کا آدمی موجود تھا اس لئے وہ دلپذیر ایجاد اور اصلاحیں ہر شہر میں جلد عام ہو جاتی تھیں۔

خسرو کے عہد سے لیکر دلی اور شاہ مبارک وغیرہ کے زمانہ تک یہ بچہ اپنی قوت نامیہ سے بڑھتا رہا۔ میر و سودا سے لیکر ذوق و غالب تک جتنے شاعر ہوئے انھوں نے اس کی حسن کی آرائش میں مشاطگی کا کام کیا۔ سعادت یار خاں رنگین اور سید انشا نے ریختی ایجاد کی اور مشاعرہ کی محفل مینا بازار بنا دیا۔ سید احمد خاں۔ محمد حسین آزاد۔ حالی۔ نذیر احمد وغیرہ اہل قلم نے علمی زبان کے اسٹیج پر لاکر بٹھایا۔

میں ذیل میں دہلی کے چند ایسے باکمال بزرگوں کے نام لکھتا ہوں جو ۱۸۵۷ء کے بعد گزرے ہیں۔ شاعروں کے نام تو کہاں تک گناؤں۔ کتابوں کے اوراق ان کی گل افشانیوں [illegible] سے تختہ گلزار بنے ہیں ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد شاعری کے چمن میں خزاں آنے لگی تھی لیکن بلبلیں اسی طرح چہک رہی تھیں نواب مصطفٰے خاں شیفتہ۔ غلام رسول ویران۔ میر مہدی مجروح امام بخش صہبائی۔ کرم اللہ خاں شیدا۔ محمد علی خاں تشنہ۔ زین العابدین خاں عارف۔ نواب مرزا داغ مفتی صدرالدین خاں آزردہ۔ علوی۔ میر ممنون۔ وحشت۔ بہاری [illegible] ثناء اللہ خاں فراق۔ حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ شاہ ہدایت۔ میاں شکیبا۔ شیخ ولی اللہ محب حافظ عبدالرحمان خاں احسان۔ میر غالب علی خاں سید۔ برہان الدین خاں [illegible] خاں عشق۔ میر نظام الدین ممنون۔ سالک انور وغیرہ کی نغمہ سنجیاں اب تک اہل ذوق کے کانوں میں گونج رہی ہیں حالی وہ شخص ہیں جنھوں نے گلبن سخن کو نیچر کے پھولوں سے آراستہ کیا اور

؎ میں نے مولوی الطاف حسین صاحب کو دلی کے سخنوروں میں شمار کیا ہے نہ اس سبب سے کہ اپنے وطن کے (بقیہ صفحہ ۱۵)

ورتزئین و تصنع کی بجائے کلام کو قدرتی حسن میں دکھایا۔ نثر کا میدان ایسا ناہموار تھا کہ علمی مضامین
کجا قصوں اور افسانوں کے ہیرو بھی ٹھوکریں کھاتے اور دو قدم آگے نہ چل سکتے تھے دلی کے استادوں
نے اس میدان کو بھی صاف کیا اور علم کے تلاشیوں کے لئے جا بجا مدرسے بنائے گئے۔ اب جو اہل قلم
ہیں وہ ان ہی مدرسوں کے شاگرد ہیں۔

لاہور میں پنجاب یونیورسٹی قایم ہوئی تو دلی کے بعض انشاپرداز خصوصیت سے وہاں جمع
ہوئے گئے۔ جیسے منشی سید محمد لطیف۔ سیف الحق ادیب۔ نثار علی شہرت۔ مرزا ارشد گورگانی۔
مرزا اشرف بیگ۔ سورج نراین مہر۔ ان میں ماسٹر پیارے لال۔ محمد حسین آزاد۔ الطاف حسین حالی
مولوی محمد سعید۔ مرزا ایگ بیدل۔ مولوی ضیاء الدین۔ (شمس العلما خان بہادر) وغیرہ کے رشحات
قلم پنجاب سے آب حیات بہاتے تھے۔ یونیورسٹی کی اوس زمانہ کی ترجمہ یا تالیف کرائی ہوئی کتابیں
دیکھو۔ سلاست و فصاحت کے دریا لہریں مار رہے ہیں۔ فلسفہ اور سائنس کی مشکل مضامین
اس خوبی سے بیان کئے ہیں کہ طالب علم پانی کے گھونٹوں کی طرح پی جاتے ہیں۔ جب سے یہ لوگ
رخصت ہوئے اور اہل پنجاب ڈگریاں لے کر یونیورسٹی میں دخیل ہوگئے۔ ان ہی کی لکھی ہوئی کتابیں نصاب
تعلیم میں داخل ہونے لگیں جن میں سلاست و فصاحت تو کجا ربط عبارت بھی نہیں اور زبان کی

صاحب کمالوں کی تعداد بڑھانی مقصود ہے بلکہ اس وجہ سے کہ مولوی صاحب موصوف ابتدائے عمر سے دلی میں رہے ہیں وہیں اکتساب
علم کیا وہیں کے شرفا اور عمایدکی صحبتوں میں زبان سیکھی۔ شعر میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور غالب مرحوم سے اصلاحیں لیں
اور زبان کو ادب و معلی کے زیوروں سے آراستہ کیا۔ زبان ہی نہیں حالی مرحوم کا دل بھی دلی کی محبت سے لبریز تھا دلی کے
نام کے ساتھ حب وطن کا دریا موجیں مارتا نظر آتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

حالی بس اب یقیں ہے کہ دلی کے ہو رہے
ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

داستاں گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دلی
ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

ٹپکے داغ آئیگا سینہ پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈر وں میں نہ جانا ہرگز

چپہ چپہ پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

جب مصحفی میر غالب نذیر احمد دہلوی ناسخ و آتش لکھنوی ہیں تو مولوی حالی کو دہلوی کہلانے کا حق بدرجہ اولیٰ حاصل ہے

غلطیاں تو کثرت سے ہیں۔ کیوں نہ ہوں۔ "آں قدح بشکست و آں ساقی نماند"

آج کل زبان اردو کو ترجمہ و تالیف کے ذریعہ سے ترقی دینے کا خیال عام طور پر ملک میں پھیلا ہوا ہے میں ذیل میں چند نمونے ان ترجموں کے دیتا ہوں جو ان بزرگوں نے کئے اور پنجاب یونیورسٹی نے چھاپے تاکہ اہل نظر دیکھیں کہ ترجمہ بھی ایسا سلیس ہو سکتا ہے کہ اس پر ترجمہ کا شبہ تک نہیں کیا جا سکتا

ترجمہ رسالہ علم کیمیا

سلیس ترجمہ

آگ۔ آؤ ایک موم یا چربی کی بتی روشن کرکے دیکھیں شمع جوں جوں جلتی ہے دیکھو اسکے باہر کا موم اور اندر کی بتی دونوں غائب ہوتے جاتے ہیں لو اب ساری بتی جل گئی اور اسمیں جس قدر موم اور سوت تھا سب کا نور ہو گیا۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ شمع کا موم کہاں گیا تم یہ جواب دوگے کہ جل گیا اور اب نظر نہیں آتا تو کیا وہ معدوم ہو گیا؟ نہیں مگر ہاں تمہاری نظر سے غائب ہو گیا اور اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ معدوم ہو گیا دیکھو جب ریل گاڑی کسی مقام سے روانہ ہوتی ہے تو وہ ذرا سی دیر میں غائب ہو جاتی ہے اور پھر نظر نہیں آتی مگر تم کبھی یہ نہیں سمجھتے کہ وہ معدوم ہو گئی۔ بلکہ یہ جانتے ہو کہ اگرچہ نظروں سے غائب ہو گئی ہے مگر کہیں فراٹے بھرتے اڑی چلی جاتی ہو گی۔ ایک دوسری مثال اور دیکھو۔ پیالے میں گرم گرم چائے ڈالو اور اسمیں مصری کی ڈلی چھوڑ دو دو چار ہی منٹ میں وہ نظر سے غائب ہو جائیگی مگر کیا وہ مصری کی ڈلی معدوم ہو گئی نہیں ہرگز نہیں وہ تو چاء میں گھل گئی کیونکہ چاء پہلے میٹھی نہ تھی اب پی کر دیکھو تو کیسی میٹھی ہو گئی ہے اب آؤ اسی طرح بتی کے موم کا بھی پتہ لگائیں وہ کہاں گیا چلو اس کا حال نیچر (حقایق موجودات) سے دریافت کریں وہ ایسی باتوں کو خوب صحیح صحیح جانتی ہے تم کو لازم ہے کہ جب کبھی ایسی باتیں تحقیق کرنی ہوں اسی سے دریافت کیا کرو وہ ہمیشہ ایسے اصول کا جواب صاف صاف اور صحیح صحیح دیگی اور تمہارا اطمینان ہو جائیگا اس سے مراد یہ ہے کہ تم کو تجربہ کرنا چاہئے اور اگر ٹھیک تجربہ کرو گے تو اسمیں کچھ شک

نہیں کہ جو کچھ جاننا چاہتے ہو وہ بخوبی دریافت ہو جائیگا۔

ترجمہ رسالہ طبعیات

مادے کی تین حالتوں کا بیان

یہ بات تم کو معلوم ہو چکی ہے کہ قدرتی قوتوں کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں چل سکتا۔ اگر کشش ثقل نہ ہوتی تو دنیا ہی نہ ہوتی۔ اور اگر کشش اتصال نہ ہوتی تو بھی کچھ نہ ہوتا نری خاک ہی خاک ہوتی اب یہ سنو کہ اگر ہر شئے میں کشش اتصال اس سے زیادہ ہوتی تو بھی ایسی ہی خرابیاں پیش آتیں نہ تو پانی جیسی مائع چیزیں ہوتیں اور نہ ہوا جیسی گاسیں۔ یعنے بعض چیزوں میں کشش اتصال بہت زیادہ ہوتی ہے بعض میں بہت کم اور بعض میں مطلق نہیں۔ دیکھو لوہے کی سلاخ کے اجزا ایسے پیوستہ ہوتے ہیں کہ اون کو جدا کرنا بہت مشکل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اون میں کشش اتصال بہت زیادہ ہوتی ہے۔ پانی اور پارہ کے اجزاء چھوتے ہی جدا ہو جاتے ہیں سبب یہ ہے کہ اون میں کشش اتصال بہت ہی کم ہوتی ہے مگر ہوتی ضرور ہے۔ گاسوں کے اجزاء جیسے ہوا جس میں ہم دم لیتے ہیں آپس میں چپٹے نہیں رہتے بلکہ ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر کوئی قوت انھیں ملائے نہ رکھے تو وہ الگ ہو جائیں۔ پس اس بحث سے معلوم ہو گیا کہ مادے کی تین جدا جدا حالتیں ہوتی ہیں۔ ٹھوس مائع گاس اور ان تینوں حالتوں میں جدا جدا خاصیتیں ہوتی ہیں

ترجمہ سائنس پرائمر مصنفہ ہکسلے

چیزوں کی عام واقفیت میں جو ناخواندہ لوگوں کو ہوتی ہے اور علمی واقفیت میں جو پڑھے لکھوں کو ہوتی ہے اصل میں کچھ فرق نہیں ہے اسی طرح عام دلیل اور علمی دلیل میں بھی کچھ امتیاز نہیں ہے۔ دراصل دونوں ایک ہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کی ٹھیک ٹھیک واقفیت کو علم کہتے ہیں اور ہر قسم کی ٹھیک ٹھیک دلیل کو علمی یا منطقی دلیل کہتے ہیں۔ مشاہدے اور تجربے

کرنے کا طریق جس سے علم میں بڑی بڑی عجیب باتیں دریافت ہوئی ہیں وہی طریق ہے جس کو ہر شخص روزمرہ کام میں لاتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ علمی مشاہدے اور تجربے میں صفائی اور صحت زیادہ ہوتی ہے جب کسی بچے کو کوئی نیا کھلونا مل جاتا ہے تو وہ اوس کے وصفوں کو دیکھتا ہے اور خاصیتوں کو آزماتا ہے اسی طرح ہم تم سب ہمیشہ ایک نہ ایک چیز کا مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں

ترجمہ رسالہ منطق مصنفہ پروفیسر جیونز

لفظوں کا صحیح استعمال

اگر کوئی شخص صحیح صحیح دلیل کرنا چاہے تو اوس کو سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ لفظوں کو ٹھیک ٹھیک معنوں میں اور احتیاط کے ساتھ استعمال کرے کسی لفظ کے معنے سے وہ شئے مراد ہوتی ہے جس کا خیال اوس لفظ کے استعمال کے وقت ہمارے ذہن میں ہوتا ہے اور وہی شئے ہم چاہتے ہیں کہ اوروں کے خیال میں آئے خواہ وہ اوس لفظ کو سنیں یا لکھا ہوا دیکھیں ہمارے دل میں جب تک ٹھیک ٹھیک الفاظ نہ آئیں اور لوگوں پر اپنے خیالات اور دلیلیں ظاہر نہیں کرسکتے پھر بھی جس قدر غلطیاں اور ناقص دلیلیں ایک ہی لفظ کے مختلف معانی کو گڈمڈ کردینے سے پیدا ہوتی ہیں اور کسی سبب سے نہیں ہوتیں۔

بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اون میں لفظ کی صحیح مراد دریافت کرنی بڑی مشکل ہوتی ہے مثلاً کوٹھی کچھ شک نہیں کہ اس کے اصلی معنے کمرے یا مکان کے ہیں لیکن اب صاحب لوگوں کے رہنے کی کوٹھی ساہوکار کی کوٹھی جہاں روپیہ کا لین دین ہوتا ہے جہاں کوئی چیز بنتی ہے جیسے شورے کی کوٹھی جہاں شورہ بنتا ہے۔ کنویں کی کوٹھی اور اناج کی کوٹھی وغیرہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

علمی تصانیف اور مصنفوں کا پورا حال بیان کرنا اوس شخص کا حصہ ہے جو زبان اردو کی تاریخ لکھے۔ ہمارا مقصد اس بیان سے صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اردو کو ہر قسم کی ترقی دینے

کی سعی پہلے اہل دہلی نے کی اور اس لحاظ سے بھی دلّی زبان اردو کا مرکز قرار دیا جانے کا استحقاق رکھتی ہے۔ جب ایک راستہ نکل آتا ہے تو اوس پر دوڑنے کیلئے بہتیرے لوگ آمادہ ہوجاتے ہیں زبان میں جب علمی مضامین لکھنے کی قابلیت ہوگئی تو دوسرے شہر کے زباں داں لوگوں نے بھی جو علمی قابلیت بھی اچھی رکھتے تھے۔ علمی مضامین اور کتابیں لکھیں اور بعض نے بہت اچھی لکھیں ان میں مولوی حالی و شبلی کا نام آفتاب کی طرح چمکتا نظر آتا ہے

لکھنؤ کی زبان

زبان کی خوبیوں کے لحاظ سے دلی کے بعد لکھنؤ کا نمبر ہے اس شہر نے اکتساب زبان میں ایسی سعی کی اور چھوٹے بڑے سب نے اس خوبی سے اہل زبان کا اتباع کیا کہ اون کی زبان اہل دہلی کے زبان کے لگ بھگ پہونچ گئی۔ اب دیکھو کہ زبان کے لحاظ سے وہ چاروں خصوصیتیں جو کسی زبان کا مرکز ہونے کے لئے درکار ہیں لکھنؤ کو کہاں تک حاصل ہیں۔

لکھنؤ کی زبان کو پہلی خصوصیت حاصل نہیں

آصف الدولہ مرحوم کے عہد سے پہلے لکھنؤ ایک گاؤں تھا اور فیض آباد دارالحکومت تھا میرحسن دہلوی وہاں گئے تو ایسے گھبرائے کہ لکھنؤ کی ہجو میں ایک مثنوی[1] لکھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہاں کی زبان کیا ہوگی۔ درانحالیکہ دلی میں اردو زبان اوس وقت تک بہت ترقی کرچکی تھی۔ آصف الدولہ نے لکھنؤ کو دارالحکومتہ بنایا اور ساتھ ہی دلی کے اہل زبان وہاں دوڑ پڑے اور جو زبان وہاں لے گئے تھے اوس کو لکھنؤ میں رواج دیا۔ غرض لکھنؤ زبان اردو کا مولد و منشا نہیں ہے۔

لکھنؤ کی زبان کو دوسری خصوصیت حاصل ہے۔

دوسری شرط لکھنؤ کو حاصل ہے یعنے وہاں کے خاص عام سب اردو بولتے ہیں اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اچھی اردو بولتے ہیں۔ لکھنؤ کی خوش قسمتی سے زبان اردو کی ترقی کا

---

[1] دیکھو مثنوی گلزار ارم مصنفہ میرحسن۔ چند شعر یہ ہیں۔

جب آیا میں دیار لکھنؤ میں | نہ دیکھا کچھ بہار لکھنؤ میں
زبس یہ ملک ہے بھیڑ پہ بستا | کہیں اونچا کہیں نیچا ہے رستا
نہیں یہ لکھنؤ یہ ہے زمانا | زمانے پر عبث رکھا بہانا
عجب ہے یہاں کی راہ و رسم گندی | کہیں پستی ہے اور گاہے بلندی
ہر ایک کوچہ یہاں تک تنگ ہے جی | سوائے تودۂ خاک اور پانی
ہوا کا بھی یہ مشکل واں گزر ہے | یہاں ہر جنس کی دیکھی گرانی
کوئی یاں سیر کے قابل نہیں جا | کہ جاکر دیکھئے واں ٹک تماشا

زمانہ سلطنت دہلی کے زوال کا زمانہ ہے۔ لکھنؤ میں جب تک ریاست قایم رہی ہر فن اور پیشہ کے صاحب کمال اکتساب معاش کیلئے دلّی سے لکھنو جاتے رہے اور اپنی قابلیتوں کے ٹھاٹ بازار سے لیکر دربار تک چھا گئے۔ یہ لوگ اپنے کمالوں کے ساتھ اپنی زبان بھی لیتے گئے تھے اور اسکو محفوظ رکھنا تقاضائے شرافت سمجھتے تھے ان کی صحبتیں اعلیٰ ادنیٰ سب لوگوں کو زبان دانی کی سبق آموز تھیں اور خوش مذاق اشخاص تو باقاعدہ شاگرد ہوتے اور اصلاحیں لیتے تھے خود نواب آصف الدولہ سوز کے شاگرد تھے آتش جو لکھنو کے نامور شاعروں میں ہیں مصحفی کے شاگرد تھے۔ میر۔ سودا۔ انشا۔ مصحفی۔ جرات وغیرہ کتنے ہی ہیں جنہوں نے دلی میں شمع جلائیں اور لکھنو کی مجلسوں کو روشن کیا وہاں کے لوگ ان سے اپنے کلام میں اصلاح لیتے۔ مشاعروں میں ان کی غزلیں اشتیاق کے کانوں سے سنی جاتیں۔ مجلسوں میں ارباب نشاط ان کی غزلیں گاتیں اور میرحسن کی مثنوی تو بچہ بچہ پڑھتا اور مزے لیتا تھا لکھنو کی خوش قسمتی چھاپہ کے فن نے وہاں جلدی ترقی کی اور دلی کے مصنفوں کی نظم و نثر کی کتابیں وہاں کثرت سے چھپیں اور گھر گھر پھیل گئیں۔ لکھنو کے لوگ ہر کمال کے شایق تھے جو محاورہ یا اسلوب بیان پسندیدہ دیکھتے جھٹ اڑا لیتے تھے۔ اس طرح لکھنو کی زبان صاف صاف ہوتے ہوتے دہلی والوں کے قریب پہونچ گئی۔ افسوس ہے کہ یہ جلسے جلدی برخواست ہو گئے اور لکھنو کی زبان کی ترقی رک گئی ورنہ آج لکھنو سلاست و فصاحت میں بھی دلی کا ہمسر ہوتا۔ پھر بھی لکھنو میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ ایک خفیف اختلاف کے سوا دلی ہی کی زبان ہے۔ مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ جو ایک فاضل ادیب ہیں لکھتے ہیں "حقیقت یہ

لکھنؤ میں زبان کو ترقی دینے والے زیادہ تر دہلی ہی کے تھے

ؔ ناسخ کہتے ہیں:-

کب ہماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب
ہاں تتبع کرتے ہیں ناسخ ہم اوس مغفور کا

شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی میں
آپ بےبہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ہے کہ لکھنو کی جو زبان ہے یہ دِلّی ہی کی زبان ہے[1]۔

[1] مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی نے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ لکھنو کی زبان دلّی ہی کی زبان ہے مگر وہ ایک جدید طریقے سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دلی میں لکھنو کی زبان کا تتبع کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض ناواقف اس بیان سے غلطی میں پڑ جائیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف کے بیان پر ایک تنقیدی نظر ڈالی جائے (ملاحظہ ہو شرح دیوان غالب صفحہ ۱۵۰)

"جو لوگ دہلی کے فصحا و نقاد و مالک زبان و قلم ہیں اون کا کلام لکھنو کی زبان سے مطابقت رکھتا ہے۔ کس وجہ سے کہ جب سے میر و سودا لکھنو میں آکر رہ پڑے۔ اسی زمانہ سے دہلی گوش بر آواز لکھنو ہو گئی تھی۔ پھر انشاء اللہ خاں و جراءت کے کلام نے اُن کی توجہ کو ادھر سے پھیرنے نہ دیا۔"

میر صاحب کے نزدیک میر و سودا جراءت و انشا اگر لکھنو چلے گئے تو ان کی زبان بھی لکھنو کی ہو گئی۔ اگر انکے کلام سے اہل دلی کا کلام مطابقت رکھتا ہے تو وجہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ خود دلی کے تھے مطابقت نہ ہوگی تو کیا ہوگا۔ دلی و لکھنو کی زبان کا فرق ہم نے مختصر طور پر بیان کیا ہے دہلی کا کونسا اہل قلم ہے جو اس کا اتباع کرتا ہو۔

"اس کے بعد آتش و ناسخ کے مشاعروں نے متوجہ کر لیا بلکہ شاہ نصیر و ذوق کے کلام کا تو رنگ ہی بدل دیا۔" جو لوگ زبان و کلام کے لطف سے واقف ہیں اور اس میں تمیز و تنقید کر سکتے ہیں وہ اس فقرہ کو پڑھ کر کیا کہیں گے۔ آتش و ناسخ نصیر و ذوق کے کلام اب بھی موجود ہیں جن کے جوہری جانتے ہیں کہ آتش و ناسخ رعایت لفظی کی بندشوں میں پھنس کر رہ جاتے ہیں لیکن نصیر و ذوق کا طائر خیال معانی کے آسمان پر اڑتا چلا جاتا ہے۔"

"اصل یہ ہے کہ لکھنو کی زبان دونوں جگہ بولی جاتی ہے جس کو دلی کے تمام امرا و شرفا اپنے ساتھ لیکر لکھنو میں آگئے تھے اور دلی میں کمتی کے ایسے لوگ رہ گئے تھے جو صاحب زبان تھے۔" عجیب مغالطہ ہے۔ دلی کے امرا و شرفا اپنی زبان لیکر لکھنو گئے تو لکھنو میں دلی کی زبان بولی گئی یا دلی میں لکھنو کی۔

رہی یہ بات کہ دلی میں اہل زبان رہے ہی نہیں۔ خلاف واقعہ ہے اول تو سارے شہر کا خالی ہو جانا خلاف عقل ہے۔ دوسرے اس زمانہ میں جو سلطنت دہلی کے زوال کا زمانہ تھا دہلی میں ایسے ناظم و شاعر پیدا ہوئے کہ لکھنو ان کا مثل نہیں دکھا سکتا۔

"ان کی نسل پر بھی غیر قوموں کی زبان نے تو کم مگر لہجہ نے بہت اپنا اثر ڈالا۔ غیر قوم کے اختلاط نے یہ اثر کیا کہ لہجہ تک بدل گیا کہ اب پنجاب کے لہجہ میں اردو بولی جاتی ہے۔"

اللہ اکبر زمانہ کا انقلاب دیکھیئے کہ قانون قدرت تک بدل گیا۔ لہجہ پر غیر قوم کا اثر ہوتا ہے چاہیئے تھا کہ پنجاب کے لوگوں کا دلی میں آکر لہجہ بدل جاتا۔ مولوی صاحب کے نزدیک اس کے برعکس دلی والوں کا لہجہ بدل گیا۔ شاید کسی نووارد پنجابی کو وہاں باتیں کرتے سنا ہوگا سمجھے کہ یہی دلی کا لہجہ ہے خیر یہ شکر ہے کہ ان کے نزدیک بھی زبان پر اس کا اثر کم پڑا۔ لیکن شیر علی افسوس کے اس فقرے کا کیا جواب ہے کہ وہ خود لکھنو کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ "باوجود اس کے بھی لہجہ میں تفاوت بہت رہ گیا۔" یعنی اس کے نزدیک لکھنو کا لہجہ اہل زبان کا سا نہیں ہے

شیر علی افسوس لکھنوی۔ کتاب آرائش محفل میں لکھتے ہیں بعد برہم ہونے شاہجہاں آباد کے اکثر غریب امیر مرزائیان ہندوستان سے نواب صفدر جنگ و شجاع الدولہ بہادر کے عہد میں آکر اس شہر (لکھنو) میں بہ سکونت دایمی ساکن ہوئے پس شہر تو عبارت اشخاص سے ہے یہی دلی ہو گیا اور باشندے بھی اس کے بہ سبب کثرت صحبت و تتبع زبان تلفظ صحیح کرنے لگے۔ یہاں تک کہ جنکی طبع موزوں تھی شاعر ہو گئے۔ باوجود اس کے بھی لہجے میں تفاوت بہت رہ گیا لیکن محاورے میں کم۔

مولوی الطاف حسین صاحب حالی فرماتے ہیں۔" ہندوستان میں جیسا کہ عموماً تسلیم کیا جاتا ہے صرف دو شہر ہیں جہاں کی اردو معتبر سمجھی جاتی ہے دلی اور لکھنو۔ دلی کی زبان اس لئے ٹکسالی سمجھی جاتی ہے کہ اردو کا حدوث اور نشو و نما اسی خطہ میں ہوا ہے۔ لکھنو کی زبان کو اس واسطے مستند مانا جاتا ہے کہ سلطنت مغلیہ کی زوال کی ابتدا میں شرفاء دہلی کے بے شمار خاندان ایک مدت دراز تک لکھنو میں جا جا کر آباد ہوتے رہے اور ہمیشہ کے لئے وہیں رہ پڑے۔ پس ہندوستان کے کسی شہر کو اہل دہلی سے اس قدر میل جول کا موقعہ نہیں ملا جس قدر کہ لکھنو کو ملا ہے یہاں تک کہ دونوں شہروں کی زبان میں ایک خاص مماثلت پیدا ہو گئی ہے اور خاص خاص الفاظ اور محاورات کے سوا دونو جگہ کی بول چال اور لب و لہجہ میں کوئی معتد بہ فرق نہیں معلوم ہوتا۔"
(مقدمۂ دیوان حالی صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴)

تیسری اور چوتھی شرط لکھنو نے اس درجہ کی تو نہیں پوری کی جیسی کہ دہلی نے لیکن دہلی کے بعد دوسرا نمبر لکھنو ہی کا ہے میر انیس[1] اور مرزا دبیر نے مرثیہ کو اتنی ترقی دی کہ اس سے

---

[1] میر انیس میر خلیق کے بیٹے اور میر حسن دہلوی کے پوتے تھے بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ دلی کی زبان اور طرز بیان کی خاص طور پر پابندی کرتے تھے اور اسی وجہ سے اُن کے کلام میں فصاحت و سلاست لکھنو کے دوسرے شعراء سے بہت زیادہ ہے۔ محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ " ان کی (میر انیس کی) بلکہ ان کے گھرانے کی زبان اردوئے معلیٰ کے لحاظ سے تمام لکھنو میں سند تھی۔ اور انھیں بھی اس بات کا خیال تھا کہ کسی جلسہ میں اپنا کلام سناتے تو بعض محاورے پر اتنا کہہ اُٹھتے کہ یہ میرے گھر کی زبان ہے۔ حضرات لکھنو اس طرح نہیں فرماتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اب تک اپنے تئیں لکھنو کا باشندہ نہ کہنا چاہتے تھے " (آب حیات صفحہ ۵۴۸)

زیادہ بڑھنا محال معلوم ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کے کلام کی سیر کرو۔ فصاحت کے دریا بہتے بلاغت کے جوہر شہاب ثاقب سے زیادہ چمکتے ہیں۔ لطیف تشبیہوں اور استعاروں کا گلزار کھلا ہوا ہے اور اعلیٰ مضامین کی تو یہ بہتات ہے کہ بلند خیالیوں کا مینہ برستا نظر آتا ہے لیکن دوسرے اصناف سخن میں لکھنو کی ترقی ویسی عالیشان نہیں ہے جیسی کہ مرثیہ میں دلی کے شاعر جس حد تک زبان کو وسعت اور ترقی دے چکے ہیں اہل لکھنو بھی اسی دائرہ میں چکر لگاتے ہیں۔ خواجہ میر درد کا تصوف۔ میر کی سادگی۔ سودا کی مضامین آفرینی۔ اور بلند پروازی سید انشا کی شوخی اور ہمہ رنگی جرأت کی معاملہ بندی۔ ذوق کی زبان کی سلاست۔ محاوروں کی بہتات۔ روزمرہ کی صفائی۔ غالب کا فلسفہ۔ داغ کا چونچلا پن اس رتبہ کے ہیں کہ لکھنو کے کسی شاعر کے کلام میں یہ جوہر اس کثرت سے نہیں پائے جاتے اور قصیدے میں تو سودا انشا۔ ذوق سا کہنے والا ایک بھی نہیں۔

یہی حال نثر کا ہے۔ اول تو نثر میں اہل لکھنو کا حصہ بہت کم ہے۔ افسانہ اور ناول جو لکھنو سے شایع ہوتے ہیں افسوس ہے کہ ان کا قدم ترقی کی شاہ راہ میں الٹا پڑ رہا ہے اور جو کچھ اہل لکھنو نے اس وقت تک کیا بھی ہے اس کا مقابلہ دلی کے نثاروں سے کرو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس رتبہ پر دلی کی زبان پہونچ چکی ہے لکھنو اس بام ترقی تک نہیں پہونچا۔ سرور کی فسانہ عجائب کو میرامن کی باغ و بہار کے سامنے رکھو۔ غالب

بقیہ نوٹ صفحہ (۲۲) - مولوی شبلی موازنہ انیس و دبیر میں لکھتے ہیں صفحہ (۱۴) میر انیس کا خاندان دلی کا خاندان تھا۔ ان کے دادا میر ضاحک دلی سے چلے آئے تھے اور فیض آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی تاہم دہلی کی جو خصوصیات تھیں وہ اخیر تک اس خاندان میں قایم رہیں۔

منشی وجاہت حسین - وجاہت جھنجھانوی اپنی کتاب اختلاف اللسان (صفحہ ۱۰) میں لکھتے ہیں۔

"اہل دہلی میر انیس کے مراثی کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میر انیس نے لکھنو میں رہکر نہ صرف سلاست و فصاحت کے لحاظ سے بلکہ الفاظ و محاورات کی رو سے بھی زبان دلی کو اپنی شاعری کا دستور العمل قرار دیا تھا یہ بات صحیح ہو یا غلط مگر ہمارے نزدیک بھی انیس و دبیر کے کلام میں وہ فرق ضرور موجود ہے جو ایک دہلوی اور لکھنوی شاعر کے کلام میں ہونا چاہیئے لیکن ہم نے مانا کہ میر انیس کے خاندان نے پورب میں دلی کی زبان کو محفوظ رکھا لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ وہاں رہتے رہتے انکی کتنی پشتیں گزر چکی تھیں اس لئے مرثیہ کی ترقی کا سہرا لکھنو ہی کے سر رہے گا۔

محمد حسین آزاد۔ سر سید احمد خاں۔ نذیر احمد۔ سید احمد مولف فرہنگ آصفیہ ابو الکلام آزاد وغیرہ کا مثل طلب کرو تو تم کو جواب نہ ملے گا۔

شمس العلماء سید علی بلگرامی تمدن عرب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "جہاں تک ممکن ہوا محاورہ دہلی کی تقلید کی گئی ہے اور تذکیر و تانیث میں جہاں لکھنؤ اور دہلی کے محاوروں میں اختلاف تھا۔ دہلی کے محاوروں کو ترجیح دی گئی ہے۔ جس قسم کی شیرینی اور سادہ پن اور بے تکلفی دہلی کی زبان میں ہے۔ وہ ہرگز لکھنو کے محاورے میں نہیں پائی جاتی" (تمدن عرب صفحہ ۵۹)

مولوی امام بخش صہبائی اپنی کتاب قواعد صرف و نحو کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "اور چاہیئے کہ استعمال میں اوس زبان پر اعتماد کرے جس کو فصحا نے زیادہ استعمال کیا ہو۔ اور وہ زبان ہندوستان میں حضرت شاہ جہاں آباد صانہا اللہ عن الافات والفساد کی ہے اور زبان اردو اور دیار کی اس کی فرع ہے چنانچہ یہ مشہور ہے کہ از بس انقلاب دہری سے لوگوں کہ ان کی اصل بھی خاک پاک ہے۔ اطراف کو نکل گئے اور ان کی بود و باش کے طفیل سے تنگی معاش نے ہجوم کیا یہاں کے رہنے والے علی الخصوص شعرائے بلیغ مثلاً میر تقی اور سودا وہاں کی زبان نے ایک تراش تو پیدا کی اور وہاں کے لوگوں نے ان غفران پناہوں کے کلام کے تتبع سے ایک پایہ فصاحت کا حاصل کیا۔ از بسکہ اہل زبان اور تتبع میں باوجود سعی وافر کے فرق اور تفاوت رہتا ہے اب تک بھی اس سواد کی زبان باوجود اس طرح کی تراش اور اصلاح کے بہ نسبت شاہجہاں آباد کی زبان کے تکلف سے خالی نہیں معلوم ہوتی۔ پس اگر ایک محاورہ کسی اور شہر کے شعرا کے کلام میں ہو اور اوس پر روزمرہ اہل شاہ جہاں آباد کا مساعدت نہ کرے اوس کے استعمال میں ہنوز کلام ہے بہ اعتبار فصاحت کے نہ باعتبار غلط و صحت کے۔

(قواعد صرف و نحو مصنفہ صہبائی مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو صفحہ ۷)

ارشد گورگانی لکھتے ہیں کہ "اقسام اردو میں اول نمبر پر اردوئے معلیٰ ہے جو تہذیب وفصاحت سے مجلا اور زبان دہلی کا اصل فوٹو۔ دوسرے نمبر پر اردوئے معلا جو تکلف اور تصنع سے پُر سلاست وفصاحت سے معرا طلاقت لسانی اور تسانی سے معمور جہلائے لکھنؤ کی خودستا زبان ہے۔"

دلی کی زبان کے فایق رہنے کے چند قدرتی اسباب ہیں۔ اگرچہ دلی کے اکثر اچھے اچھے شاعر بلکہ دوسرے صاحب کمال بھی لکھنؤ چلے گئے تھے۔ لیکن آخر ساری دلی تو خالی نہیں ہو گئی تھی یہاں کا ہر چھوٹا بڑا عالم ہو یا جاہل شریف یا رذیل اہل زبان تھا بلکہ خواص بھی عوام سے زبان سیکھتے تھے۔ اس لئے چند لوگوں کے چلے جانے سے زبان میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ جو شہر زبان کے مرکز ہیں وہاں کے جہال اور عورتوں کی زبان علماء کی زبان سے زیادہ مستند ہوتی ہے برخلاف دوسرے شہروں کے کہ وہاں کے پڑھے لکھوں کی زبان تو صاف ہوتی ہے اور باقی عوام اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ دلی کی جامع مسجد کی سیڑھیاں وہ مدرسہ تھیں کہ میر جیسے استاد وہاں جا کر زبان سیکھتے تھے۔ محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں۔

میر قمر الدین منت۔ دلی میں ایک شاعر گزرے ہیں کہ علوم رسمی کی قابلیت سے عاید دربار شاہی میں تھے وہ میر صاحب کے زمانہ میں ہندی تھے۔ شعر کا شوق بہت تھا۔ اصلاح کے لئے اردو کی غزل لے گئے۔ میر صاحب نے وطن پوچھا انھوں نے سونی پت علاقہ پانی پت بتلایا آپ نے فرمایا کہ سید صاحب اردوئے معلیٰ خاص دلی کی زبان ہے آپ اس میں تکلیف نہ کیجئے۔ اپنی فارسی وارسی کہہ لیا کیجئے۔ (آب حیات صفحہ ۲۱۷) اسی طرح

وہ لکھنؤ کے چند عمائد اور ارکین جمع ہو کر ایک دن آئے کہ میر صاحب سے ملاقات کریں اور اشعار سنیں دروازہ پر آ کر آواز دی لونڈی یا ماما نکلی۔ حال پوچھ کر اندر گئی۔ ایک بوریا لا کر ڈیوڑھی میں بچھایا اور انھیں بٹھایا۔ ایک پرانا سا حقہ تازہ کر کے سامنے رکھ گئی۔ میر صاحب اندر سے تشریف لائے مزاج پرسی وغیرہ کے بعد انھوں نے فرمایش اشعار کی۔ میر صاحب نے اول کچھ

بچہ صاف جواب دیا کہ صاحب قبلہ میرے اشعار آپ کی سمجھ میں نہیں آنے کے۔ اگرچہ ناگوار ہوا مگر بہ نظر آداب و اخلاق انھوں نے اپنی نارسائی طبع کا اقرار کیا اور پھر درخواست کی۔ انھوں نے پھر انکار کیا۔ آخر ان لوگوں نے گراں خاطر ہو کر کہا کہ حضرت انوری اور خاقانی کا کلام سمجھتے ہیں آپ کا ارشاد کیوں نہ سمجھیں گے۔ میر صاحب نے کہا کہ یہ درست ہے مگر ان کی شرحیں مصطلحات اور فرہنگیں موجود ہیں۔ اور میرے کلام کے لئے فقط محاورہ اہل اردو ہے یا جامع کی سیڑھیاں اور اس سے آپ محروم" (آب حیات صفحہ ۲۱۰) آخر یہی مدرسہ تھا جس میں اکبر آباد سے میر امروہہ سے مصحفی پانی پت سے حالی وغیرہ نے آ کر زبان سیکھی اور عمر بھر اس پر فخر کرتے رہے میر، مصحفی وہ لوگ ہیں جو دلی کے شاگرد اور لکھنؤ کے استاد ہیں۔ ان لوگوں کے لکھنؤ چلے جانے سے بیشک ان لوگوں کی کمی ہو گئی لیکن دلی کی زبان کو کچھ نقصان نہ پہونچا یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی جو پولیٹیکل لحاظ سے خلفشار کا زمانہ تھا۔ جبکہ نادر شاہ اور احمد شاہ درانی کے حملوں کا اثر باقی تھا اور جبکہ مرہٹوں اور انگریزوں نے اس کو اپنا جولان گاہ بنا رکھا تھا جبکہ سلطنت مغلیہ ایسی ضعیف اور ناتوان ہو گئی تھی کہ وہ دار السلطنت کے اہل کمال کی پرورش بھی نہ کر سکتی تھی۔ دلی میں اردو کا طوطی بولتا رہا اور وہاں اعلیٰ سے اعلیٰ ناظم و نثار پیدا ہوتے رہے جن کی بدولت اہل دلی نے لکھنؤ والوں کا کلام کبھی رغبت کے کانوں سے نہیں سنا۔ مثلاً

مولوی لطافت حسین   داغ   مجروح   غالب   ذوق   نصیر   مومن

حالی لکھتے ہیں (یادگار غالب صفحہ ۱۰۲) تیرہویں صدی ہجری میں جبکہ مسلمانوں کا تنزل درجہ غایت کو پہونچ چکا تھا اور ان کی دولت عزت اور حکومت کے ساتھ علم و فضل و کمالات بھی رخصت ہو چکے تھے حسن اتفاق سے دار الخلافہ دہلی میں چند اہل کمال ایسے جمع ہو گئے تھے جن کی صحبتیں اور جلسے عہد اکبری اور شاہجہانی کی صحبتوں اور جلسوں کو یاد دلاتے تھے اور جنہیں سے بعض کی نسبت مرزا غالب مرحوم فرماتے ہیں:-

ہست در راہ خوشش نفسانند سخنور کہ بود ۔ باد در خلوت شان مشک فشاں از دم شاں

مومن و نیر و صہبائی و علوی انگاہ　　حسرتی اشرف آزردہ بود اعظم شاں

اگرچہ جس زمانہ میں پہلی ہی بار راقم کا دلی جانا ہوا۔ اس باغ میں پت جھڑ شروع ہو گئی تھی کچھ لوگ دلی سے باہر چلے گئے تھے اور جن کے دیکھنے کا مجھکو ہمیشہ فخر رہیگا وہ بھی اپنے کو حضرت دلی سے بلکہ ہندوستان کی خاک سے پھر کوئی ویسا اٹھتا نظر نہیں آتا" سب اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ اہل زبان کی خوبی یہ ہے کہ ان کو وہ زبان بلا اکتساب آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ ایک مقدس مولوی آدمی تھے اور علما کو جو اعتنا اردو زبان سے ہوتا ہے ظاہر ہے لیکن قرآن شریف کے بامحاورہ اردو ترجمہ کا مشکل کام جس خوبی سے انھوں نے انجام دیا ہے ظاہر ہے وجہ یہی کہ زبان کی چاشنی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو جب کبھی تفریح کی سوجھتی تھی تو شعر بھی کہہ دیتے تھے۔ بادشاہوں کو تو اور کام ہی کیا باقی رہا تھا۔ ایسی حالت میں ناسخ اور آتش کے دیوان۔ نواب مرزا شوق کی مثنویاں امانت کی اندرسبھا ان کی زبانوں پر کیا اثر ڈال سکتیں۔ دلی میں آتش و ناسخ کے ہمعصر شاہ نصیر ذوق غالب وغیرہ ہیں اہل انصاف دونوں شہروں کے صاحب کمالوں کے کلام کا مقابلہ کریں آتش و ناسخ زبان کے میدان میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں اور بڑی احتیاط یہ کرتے ہیں کہ قریب المرگ الفاظ کو بھی اپنے کلام میں نہیں آنے دیتے لیکن پھر بھی لطف زبان اور لطافت بیان میں دلی والوں کی گرد کو نہیں پہونچتے۔ اہل دلی کے ہاں مضامین کی بلندی۔ زبان کی سلاست و فصاحت۔ کلام کی شیرینی۔ الفاظ کی عمدہ بندش محاوروں کا صحیح استعمال۔ روزمرہ کی صفائی تشبیہات اور استعارات کی خوشنمائی بہت زیادہ ہے اس لئے دلی کے صاحب کمال شاعروں پر تو لکھنؤ کے اہل قلم کا کیا اثر پڑتا۔ عوام بھی ہمیشہ مستغنی رہے۔ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی دلی کا مدرسہ علم و فضل کا ایسا سبق آموز تھا کہ اہل کمال یہاں کے قیام اور سکونت کو سند لیاقت سمجھتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔

دل و دلی کا لے لیا دلی نے چھین　　جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

میر صاحب اہل لکھنؤ سے خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

شیخ مصحفی امروہہ کے رہنے والے تھے۔ آغاز جوانی میں دلی میں آکر طالب علمی کی اور لکھنو جا کر استادی کا نقارہ بجایا لیکن کہتے ہیں۔

دلی کہیں ہیں جس کو زمانے میں مصحفی میں رہنے والا ہوں اوسی اجڑے دیار کا

اس مقام پر لازم یہ تھا کہ فصحائے دہلی و لکھنو کے کلاموں کا باہم مقابلہ و موازنہ کیا جاتا لیکن ان بزرگوں کا کلام (خواہ دلی کے ہوں یا لکھنو کے) باہم خواہ کچھ بھی نسبت رکھتا ہو راقم کی جا عیت سے بہت ارفع ہے۔ دوسرے یہ آسان بات ہے کہ دو شخصوں کا کلام اس طرح انتخاب کیا جائے کہ اعلیٰ کو ادنیٰ اور ادنیٰ کو اعلیٰ ثابت کر دے۔ دونو مقاموں کے تمام ادیبوں کا پورا کلام اکٹھا جمع کر کے موازنہ کرنے کے لئے ایک کتاب تو کیا دفتر بھی کافی نہیں اس لئے یہی مناسب ہے کہ ہم اس کا فیصلہ ناظرین کے مذاق پر چھوڑ دیں۔ دلی اور لکھنو کے ہم عصر شاعروں کا باہم مقابلہ کر کے وہ خود دیکھ لیں گے کہ نزاکت خیال اور لطف بیان کن کے کلام میں زیادہ پایا جاتا ہے

دلی و لکھنو کی زبان کا فرق

اب ہم چند ایسی خصوصیات بیان کرتے ہیں جو دلی اور لکھنو والوں کی زبان میں پائی جاتی ہیں ان میں چند مہتم بالشان یہ ہیں:-

(۱) الفاظ کا ترک کرنا (۲) صحت تلفظ
(۳) صنایع کا استعمال (۴) محاورات و روزمرہ کا اختلاف
(۵) وحدت و جمع
(۶) بعض الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فرق۔

الفاظ کو ترک کرنا

(۱) قانون قدرت کے موافق تغیر کا جو اثر کائنات کی ہر شئے پر ہے وہی زبان پر بھی ہے ہر عہد میں بعض الفاظ ترک ہوتے اور ان کی جگہ نئے نئے الفاظ قایم ہوتے جاتے ہیں۔

سیتی (بجائے سے)، جگ منی (دنیا میں)، بچن (کلام)، انجنوان (آنسو) یوہ (یہ) واچھڑے (واہ واہ) منڈنا (بند ہوتا) ٹک (ذرا) وغیرہ اب کون بولتا ہے یہ الفاظ بہ مرور ایام خود ہی زبانوں پر سے رفتہ رفتہ اترتے جاتے اور اون کی جگہ دوسرے قایم ہوتے جاتے ہیں آخر زمانہ میں ایسا ہوتا ہے کہ بعض بڈھوں کی زبان پر وہ رہ جاتے ہیں ورنہ بالکل زبان سے وہ اتر جاتے ہیں لیکن شعرا، اون کا استعمال زیادہ عرصہ تک جاری رکھتے ہیں۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ شعرا کو اساتذہ سلف کا کلام بہت یاد ہوتا ہے وہ الفاظ انکی زبان پر چڑھ جاتے ہیں اور نا مانوس نہیں رہتے۔ بعض دفعہ شعر کی ضرورت سے ان کا استعمال ضرور ہوتا ہے دوسرا لفظ رکھیں تو بحر میں نہیں آتا۔ اور اس لفظ کو ترک کریں تو مضمون سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے اس وجہ سے کثرت سے الفاظ کو ترک کر کے شعرا زبان کو تنگ کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن زمانہ کا قانون جو سب سے زیادہ زبردست ہے آخر چھڑا ہی دیتا ہے ترک الفاظ دلی کی زبان میں بھی ابتدا سے ہوتا رہا ہے اور اب بھی جاری ہے دلی اور حاتم کی زبان اور ذوق و مومن کی زبان دیکھ لو۔

میر کے دیوان پڑھو (محمد حسین آزاد صاحب آب حیات میں لکھتے ہیں کہ) اکثر الفاظ جو میر صاحب پہلے دوسرے دیوان میں کہہ گئے ہیں وہ چوتھے پانچویں میں نہیں ہیں جو دوسرے تیسرے میں ہیں وہ پانچویں چھٹے میں نہیں۔

متروک الفاظ

ٹک	ذرا	چھپانا	چھونا
واچھڑے	واہ واہ سبحان اللہ	....	
جگ	دنیا	نپٹ	بہت
نت	ہمیشہ	سرس	زیادہ بہتر
بھتایت	بہتات	ناؤں	نام

سرسائی	سبقت	گرہ	پہلے مونث تھا اب مذکر ہے
کھان	کان۔ معدن	سانس	″ ″ ″ ″
بھانت۔ بھانت	طرح طرح	جپ تپ	عبادت
ڈھڈھا	سبز۔ تر و تازہ	....	
جدھر۔ تدھر	جہاں تہاں	بتیال	بھوت۔ پریت
وے	وہ	....	
سچکنا	متعجب ہونا	دریاؤ	دریا
نیاری	غیر معمولی	باجنا	مشہور ہونا
جاگہ	جگہ	ترت	فوراً
....		اچرج	عجیب
....		بھچک	متعجب
کبھو	کبھی	بٹاؤ ہال	ہموار
کھاگ	سینگ	آھرجاھر	ارک۔ جارک۔ آنا جانا
اُبھیڑ	دھکا پیل	چکتا	تیٹھا

لیکن یہ تغیر بہ تصنع نہیں بلکہ قدرتی طور پر ہوا اہل لکھنو نے اپنی عادت کے مطابق اس میں بھی تصنع برتا۔ آتش و ناسخ نے تو اتنا ہی کیا کہ جو الفاظ قریب المرگ تھے اون کو عمداً ترک کر دیا۔ ترکیب نئی تھی۔ لوگوں کو پسند آئی۔ دوسروں نے اون الفاظ کو بھی ترک کرنا شروع کر دیا جو روزمرہ میں جاری تھے۔ مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی لکھتے ہیں کہ لکھنو میں ایک صاحب میر علی اوسط رشک تھے "جنھوں نے چالیس بیالیس لفظ شعر میں باندھنے ترک کر دئے تھے اور اس پر اون کو بڑا ناز تھا اپنے شاگردوں کے سوا کسی کو نہیں بتاتے تھے اور وصیت کر گئے تھے کہ یہ ودیعت سینہ بہ سینہ میرے ہی تلامذہ میں رہے۔ کسی کو بے

مٹھائی ہرگز نہ بتانا مگر تفحص سے معلوم ہوا کہ سب اسی طرح کی باتیں ہیں دکھلانا اور بتلانا
نہ باندھا کرو۔ دکھانا اور بتانا اختیار کرو۔ پہ کی جگہ پر اور تلک کی جگہ تک مرا کو میرا
ترا کو تیرا کہنا چاہئے۔ سدا کی جگہ ہمیشہ باندھو۔ علی ہذہ القیاس کوئی کام کی بات نہیں
شیخ ہجو شرف۔ میر علی اوسط سے بھی بڑھے ہوئے تھے انھوں نے اسی بیاسی لفظ چھوڑ دیئے
سبحان اللہ کیا اچھی اصلاح ہے کوئی اور ایسا صاحب کمال نہ پیدا ہوا اور نہ وہ زبان کے
سارے الفاظ ترک کر کے اشاروں سے باتیں کرنی سکھاتا۔
اگرچہ قریب المرگ الفاظ اہل لکھنو نے یہ تکلف چھوڑ دیئے لیکن پھر بھی نہ بچ سکے۔

تلک

امیر — لے نگاہ یاس تیرا ہو بُرا — گھر تلک روتا ہوا قاتل گیا
آتش — عزت جہاں ہے لازم چاہیئے دیوانہ کو — در تلک لینے کو آوے لیکے صاحب خانہ شمع
ناسخ — وفور اشک سے ہے کیوں گلے تلک پانی — ہمارا کاسۂ سر کاسۂ حباب نہیں

زور

امیر — ناتوانی نے زور کام کیا — چڑھ گئے یار کی نگاہوں پر
ناسخ — عابد و زاہد چلے جاتے ہیں پیتا ہے شراب — اب تو ناسخ زور رند لاابالی ہو گیا

آئیو جائیو کیجیو وغیرہ

آتش — مجھ سے مستی میں جو ہوں شیشۂ ساغر ٹکڑے — ساقیا کیجیو میرے بھی برابر ٹکڑے
ناسخ — زلف سے کیجیو شانے کو نہ زنہار جدا — کاٹ کھاتا ہے جو ہوتا ہے سر مار جدا
ناسخ — نہ ہوجیو مگس خوان اغنیا — سنتا ہوں یہ سخن لب نان جویں سے میں

بل بے

آتش — خانہ خراب نالوں کی بے بل شرارتیں — بہتی ہیں پانی ہو ہو کے سنگیں عمارتیں

خوبان عزیزان وغیرہ

آتش برسوں کی راہ آگے عزیزاں نکل گئے — افسوس کارواں میں اپنے بچھڑ گیا

ناسخ دیا میرے جنازہ کو جو کاندھا اس پری رو نے — گماں ہے تختۂ تابوت پر تخت سلیماں کا

اس مرتبہ ہے آتش داغ جنوں کا خوف — لڑکوں کے سنگ بھاگتے ہیں میرے سر سے دو

کس قدر اعمال سے خفت اٹھائی بعد مرگ — کیا عجب ترتا پھرے گر سنگ مدفن آب میں

کاندھا بجائے کندھا اس مرتبہ بجائے اس قدر ترنا بجائے تیرنا دلی میں مدت سے متروک ہیں شاید اہل لکھنو بولتے ہوں۔

نقد جاں مانگے جو سائل کوئے جاناں کا تو دوں — ان دنوں میں عشق کی دولت بڑا حاتم ہوا

عشق کی دولت کی بجائے اب بدولت کہتے ہیں۔

امیر دولت وہ کون ہے نہیں جس کی کسی کو تاک — ہے ساتھ چور بھی ہے اگر تا حبس دار شب

حال کے روزمرہ کے موافق کوئی کہنا چاہیئے۔

نہ جانا تھا چمن کی سیر کو ہمرہ رقیبوں کے — دل عاشق کے توڑے سے بھلا کیا تم نے پھل پایا

دل عاشق کے توڑنے سے کہنا چاہیئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ترک الفاظ کے شوق میں بعض ایسے الفاظ بھی ترک کر دئے جو زیادہ فصیح تھے یا وسیع معنی رکھتے تھے۔ مثلاً دست راست کے معنوں میں اہل دلی داہنا اور دایاں دونوں بولتے ہیں جب چپ و راست سے مراد ہو تو دایاں بایاں کہیں گے کیونکہ دونوں لفظ جب ساتھ آئیں تو زیادہ فصیح معلوم ہوتے ہیں۔ اہل لکھنو داہنا بایاں کہتے ہیں جو کم فصیح ہے ورے اور پرے کو سرے سے زبان سے نکال ہی ڈالا اگر ایک خط مستقیم میں کئی چیزیں ہوں تو اہل زبان قریب کے لئے ورے اور بعید کے لئے پرے کہتے ہیں۔ ان لفظوں کی بجائے اِدھر اُدھر دور نزدیک خواہ کوئی لفظ بھی رکھدو ایک سیدہ میں

ہونے کا مفہوم جو درے اور پرے میں ہے نہیں پیدا ہوتا۔

اہل دہلی جب غیر زبان کا لفظ اپنی زبان میں لیتے ہیں تو اُسکی تلفظ میں کچھ تصرف کرتے ہیں خصوصًا اعراب میں جیسے بازار کو بزار جمعہ کو جمّہ گشتی کو کِشتی الماس کو اِلماس نقص کو نقص۔ اہل لکھنؤ اصل زبان کے موافق تلفظ کرتے ہیں اور اوس کو صحت زبان کا معیار قرار دیتے ہیں۔ مولانا حالی اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "فی الحقیقت یہ ایک غلطی ہے جو اکثر ہمارے عربی دانوں کو علم اللسان کی ناواقفیت سے پیش آتی ہے ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں منتقل ہو کر کبھی اپنی اصلی صورت پر قایم نہیں رہ سکتے الا ماشاء اللہ دور کیوں جاؤ ہماری اردو ہی میں ہزاروں لفظ سنسکرت پراکرت اور بھاشا کے داخل ہیں باوجود اس کے شاذونادر ہی ایسے الفاظ نکلیں گے جو اپنی صورت پر قایم ہوں مثلاً گھر گھڑا۔ اُجلا۔ ادھا۔ اندھیرا۔ آسرا۔ انکھ۔ آگے۔ انگلی یہ تمام الفاظ سنسکرت کے مفصلۂ ذیل الفاظ سے بگڑے ہوئے ہیں۔ گرہ۔ گھٹ۔ اجل۔ اردھ۔ اندھکار اشرے۔ اکھی۔ اگر۔ اگرد۔ اسی طرح پراکرت اور بھاشا کے صدہا لفظ اپنی اصل کے خلاف ہماری زبان میں مستعمل ہیں مگر چونکہ اُنکی اصلیت سے واقف نہیں ہیں اس لئے اون کو صحیح سمجھکر بے تکلف بولتے اور برتتے ہیں لیکن عربی و فارسی جس سے اون کو فی الجملہ واقفیت ہے جہاں اوس کا کوئی لفظ اصل زبان کے خلاف کسی اردو نظم یا نثر میں دیکھا اور فورًا ناک چڑھائی۔ حالانکہ خود عربی کے بہت سے الفاظ اصل وضع کے خلاف استعمال کرتے ہیں مثلاً غش بجائے غشی۔ مسلمان بجائے مسلم۔ محافہ بجائے محفہ غلطی بجائے غلط زیادتی بجائے زیادت سلامتی بجائے سلامت ہدیہ۔ ہدیہ مغیلان بجائے ام غیلان محابا و مدارا بجائے محابات و مدارات وغیرہ علیٰ ہذالقیاس فارسی کے الفاظ بھی اکثر اردو میں غلط بولے جاتے ہیں اہل ایران عربی کے صدہا لفظ غلط تلفظ کے ساتھ یا غلط معنوں میں استعمال کرتے ہیں مثلاً صم و بکم بجائے اصم و ابکم۔ حور بجائے حورا ابدال

بجائے بدیل۔ فضولی بجائے فضول۔ حضوری بجائے حضور۔ قران بجائے قرآن۔ شاطہ بجائے مشاطہ۔ انگریزی میں تمام دنیا کی زبانوں سے الفاظ لئے گئے ہیں مگر کسی لفظ کو اسکی اصلی صورت پر قایم نہیں رکھا۔ اسی طرح جہاں تک استقرا کیا جاتا ہے کسی زبان کے الفاظ کسی دوسری زبان میں جاکر اپنی اصلی وضع پر قایم نہیں رہتے پس جبکہ مُوسَم (بجائے مَوسِم) مَیّت (بجائے مَیِّت) وغیرہ الفاظ ہمارے خاص و عام سب کی زبان پر جاری ہیں تو اردو نظم و نثر میں اون کو کیوں نہ استعمال کیا جائے۔ بات یہ ہے کہ ایسے لفظوں کو جو عربی یا فارسی یا انگریزی سے اردو میں لئے گئے ہیں اور اصل وضع کے خلاف عموماً مستعمل ہوتے ہیں یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ وہ موجودہ صورت میں عربی یا فارسی یا انگریزی کے الفاظ ہیں نہیں بلکہ اون کو اردو کے الفاظ سمجھنا چاہئے۔ جو اصل کے لحاظ سے عربی یا فارسی یا انگریزی سے ماخوذ ہیں۔ ایسے لفظوں کو غلط سمجھکر ترک کرنا یا اون کو اصل کے موافق استعمال کرنے پر مجبور کرنا بعینہ ایسی بات ہے کہ لال ٹین کے بولنے سے لوگوں کو منع کیا جائے اور لینٹرن بولنے پر مجبور کیا جائے یا گھڑا بولنے سے روکا جائے اور گھٹ بولنے کی تاکید کیجائے"۔

عام غلطی اور عوام کی غلطی میں بہت بڑا فرق ہے جو غلط الفاظ خاص و عام دونوں کی زبان پر جاری ہوجائیں وہ عام غلطی میں داخل ہیں ایسے الفاظ کا بولنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ صحیح بولنے سے بہتر ہے۔ ہاں جو غلط الفاظ صرف عوام اور جہلا کی زبان پر جاری ہوں نہ کہ خواص اور پڑھے لکھوں کی زبان پر البتہ ایسے الفاظ کو ترک کرنا واجب ہے جیسے مزاج کو مجاز کہنا۔ منکر کو نامنکر۔ خالص کو نخالص۔ ناحق کو بے ناحق۔ نسخہ کو نخسہ وغیرہ"

صنایع کا بیان ہم نے علم معانی و بیان میں زیادہ وضاحت سے کیا ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ صنایع لفظی ہوں یا معنوی جب تک کلام میں اس طرح بے تکلفانہ آئیں کہ کلام کی صفائی اور معنی کی لطافت کو نقصان نہ پہونچے تو بامزہ معلوم ہوتے ہیں اور جو کلام صرف صنایع و بدایع کے اظہار کیلئے کیا جائے وہ بدمزہ اور اکثر بے معنی

ہو جاتا ہے اسکی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں کی طبیعت میں بلند پروازی مضامین آفرینی اور زبان میں سلاست اور صفائی نہیں ہوتی اور وہ کلام کو مقبول بنانا یا اوسمیں کوئی خوبی ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اکثر بہ تکلف صنایع کا استعمال کرتے ہیں اور جب یہ مذاق عام ہوجاتا ہے تو زبان کی خوبیوں میں زوال پیدا ہوجاتا ہے۔ اہل دہلی کو یہ مذاق ناپسند ہے وہ بھی تشبیہ واستعارہ اور دیگر صنایع کا استعمال کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ حسن کلام بڑھ جائے اور معنی زیادہ واضح اور روشن ہوجائیں برخلاف اہل لکھنؤ کے کہ وہ صنایع لفظی کے پیچھے معنے کی پروا نہیں کرتے۔ مولوی حالی لکھتے ہیں "صنایع بدایع کی پابندی دلی کے شعراء میں عموماً بہت کم پائی جاتی ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بالکل نہیں پائی جاتی البتہ لکھنؤ کے بعض شعرا نے اس کا سخت پابندی کے ساتھ التزام کیا ہے اور بہ مقابلہ اہل دلی کے لکھنؤ کے عام شعرا بھی رعایت لفظی کا زیادہ خیال کرتے ہیں۔" (مقدمہ دیوان حالی صفحہ ۱۷۳)

مولوی شبلی لکھتے ہیں "میرے ایک معزز دوست نے خود میرانیس سے پوچھا کہ کیا آپ لفظی رعایتوں اور صنایع کو پسند کرتے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ نہیں لیکن آخر لکھنؤ میں رہنا ہے۔" (موازنہ انیس ودبیر صفحہ ۵۷) مولوی عارف حسن صاحب عارف ہسوی رسالہ نقاد کے جلد نمبر ۳ میں جو جولائی ۱۹۱۷ء میں آگرہ سے شایع ہوا دیوان حسرت پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں "لکھنؤ کی پر تصنع آب وہوا نے غزل گوئی کے معیار کو اس درجہ سخیف اور عامیانہ کردیا ہے کہ آج غزل کہنا ایک سخت اخلاقی جرم کہا جاتا ہے اور ارباب مذاق سلیم اس کو اپنی توہین سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ اصناف سخن میں اس سے زیادہ وسیع اور لطیف صنف دوسری نہیں اسمیں ہر قسم کے خیالات وجذبات ادا ہوسکتے ہیں لیکن لکھنؤ کا مذاق مسموم کچھ اس درجہ عام ہوا کہ اس کی ہمہ گیری نے دہلی تک کے مذاق کو خراب کردیا دور از کار صنایع۔ نرالی تشبیہات۔ اور شوکت الفاظ کے علاوہ حقیقی جذبات کا نام ونشان تک تغزل سے دور ہوگیا۔"

محمد احسن اللہ خاں ثاقب اپنی کتاب خطوط منشی امیر احمد" کے دیباچہ میں امیر صاحب مینائی کی نسبت تحریر کرتے ہیں۔

" آخر عمر میں استاد نے داغ کے رنگ کلام اور قبول عام کو دیکھ کر زبان کی صفائی اور تاثیر کے پیدا کرنے میں کوشش کی اور اوسمیں وہ ایک حد تک کامیاب ہوئے تاہم صنمخانہ عشق (دیوان امیر) کی جلوہ آرائی۔ گلزار داغ (دیوان داغ) کی شادابی کو نہیں پہونچتی۔ واقعی بات یہ ہے کہ امیر کی استادی میں کوئی کلام نہیں کرسکتا لیکن امیر کا تلمذ اساتذہ لکھنو کی ہم بزمی اہل لکھنو کے کلام کا پیش نظر رہنا۔ پھر لکھنو کی صحبت کا اثر یہ سب امور مانع ترقی و کامیابی ہوئے۔ اگر وہ دلی میں پیدا ہوتے۔ دلی کے ارباب کمال کی ہم نشینی میسر آتی۔ اساتذہ دلی کا کلام سامنے رہتا اور شاہجہاں آباد کی سوسائٹی سے مستفید ہوتے تو وہ سخنور بے مانند اور استاد ارجمند ہوتے۔"

غرض اہل لکھنو رعایات لفظی کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور اہل دلی کلام کی اصلی خوبی برجستگی۔ صفائی۔ سادگی کے دلدادہ ہیں علم معانی و بیان میں اس کی مثالیں کثرت سے ملینگی۔ نمونہ کے طور پر ہم یہاں بھی چند مثالیں لکھدیتے ہیں۔

امیر احمد صاحب مینائی صنم خانہ عشق میں تحریر فرماتے ہیں۔

بازو پہ میں اپنے دل بیمار کے باندھوں ۔۔۔ تعویذ جو ہاتھ آئے مزار شہدا کا

تعویذ (کاغذ پر لکھا ہوا) تو سب باندھتے ہیں لیکن تعویذ مزار یعنے سنگ مزار کو باندھنا امیر احمد صاحب ہی کا کام ہے۔

دل یہ دنیا سے سرد ہے کہ امیر ۔۔۔ ہوئی ٹھنڈی غزل بھی مشکل سے

امیر کے ہاں کم اور آتش و ناسخ کے ہاں ایسے اشعار بہت سے پائے جاتے ہیں جنکے معنی واضح نہیں ہیں۔ تمام اشعار تو کہاں تک لکھے جاسکتے ہیں ہم ان دو نو صاحبوں کے چند اشعار اون کے دیوانوں سے نقل کرتے ہیں۔

خواجہ حیدر علی آتش فرماتے ہیں۔

ہوئی منظور محتاجی نہ تجھ کو اپنے سایل کی
بنایا کاسۂ سر واژگوں کاسہ گدائی کا

زنجیر اس بہار میں اس کی اگر گھڑی
ہاتھ اپنا طوق گردن حسداد ہو گیا

پھاڑ کر آنکھیں جسے دیکھا گریباں چاک تھا
عالم ایجاد بھی طرفہ طلسم خاک تھا

بلبل تصویر تھا باغ جہاں میں تیری طرح
باوجود بال و پر بے بال و پر کوئی نہ تھا

یاد میں ابرو ذقن کے اڑ گئی آنکھوں سے نیند
گہ کنواں جھانکا کیے گہ تلوار کو عریاں کیا

میں کشتی شکستۂ دریائے حسن ہوں
ہنستا ہے ناخدا میرے حال تباہ پر

صورت کافور بوندیں اس کی اب اڑتی ہیں
چشمہ خورشید تک پہنچیں تو دریا ہو گئیں

زاغ شب فراق جو جیتا نہ چھوڑتا
کھاتا ہمارا مغز خروس سحر کہاں

دکھا کے حسن زنخدان یار کا عالم
ہماری آنکھوں نے دل کو کنوئیں میں ڈال دیا

غزل جو ہم سے وہ محبوب نکتہ داں سنتا
زمین شعر کا افسانہ آسماں سنتا

غم بہت کھلواتا مجھ گریاں کو تو ای بجریا
خوف بد ہضمی کا رکھتی ہے غذا برسات کی

شعر غلیظ ہو گیا تو بلا سے رعایت لفظی تو حاصل ہو گئی۔

کہا جو شاعروں نے اوسکو چشمہ شیریں
کھلا ہمیں کہ اب اوسنے تیرا دہاں نکلا

جب نہ دیکھا شمع رویوں کے زنخداں میں چراغ
رکھ دیا ہم نے بجھا کر طاق نسیاں میں چراغ

ناسخ

بیٹھ جائے جو گل اندام ہمارا اک دن
عطر کھینچیں ابھی عطار گل قالین کا

جب سے گلدم اوسنے دیکھا ہے مرے صیاد کا
ہوش بلبل میں ہے عالم نکہت برباد کا

خط ٹھہرتا ہی نہیں منہ پر ترے آنکھوں کی سبب
سبزہ کیونکر نہ چرا گاہ غزالاں میں بچتا

یہ رنگت اوسکی سنہری ہے گر نہائے کبھی
نیارے کریں حمام سے بھی زر پیدا

جس جگہ چلتا ہے میٹھے پوٹیوں تیرا فرس
ذائقہ میں واں برابر خاک کے شکر نہیں

بھاگا دریا بہہ مرے اشکوں سے ہوگئے وار جو تھے پار درخت

رعایت لفظی کو پسند کرنے والے اکثر یہ کیا کرتے ہیں کہ ایک شئے کو کسی دوسری شئے سے ایک تبدیل سی تشبیہ دیکر اوسپر کوئی بے معنی مضمون باندھ لیتے ہیں۔ دریا اشکوں سے بھاگا مہمل بات ہے۔

جو عشق زلف صنم کا گناہ کرتے ہیں عذاب گور میں مار سیاہ کرتے ہیں

ان جزوی باتوں کے علاوہ اہل دہلی اور اہل لکھنو کی زبان میں روزمرہ الفاظ اور محاورات کا فرق بھی ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے یہ فرق بہت زیادہ نہیں ہے مثلاً

(۱) بعض الفاظ اور محاورے اہل لکھنو کی زبان میں نہیں ہیں جیسے

ٹھیک نکل جانا

اوک

پکھنڈ مچانا۔

مان بمعنی قدر۔ چاہت

پترے کھولنا۔

جالا پورنا۔

چھوٹی تانتی۔

ست بھیٹری۔

(۲) اہل دہلی کے ہاں بعض مصادر مجہول معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

جیسے سلنا۔ دھلنا۔ اہل زبان کہتے ہیں۔ زید کی شیروانی سل گئی۔ ٹوپی دھل گئی

اہل لکھنو کہیں گے۔ زید کی شیروانی سی گئی۔ ٹوپی دھو گئی۔

امیر فرماتے ہیں ؎ چار آنسو جو ندامت سے بہے دھو گیا نامہ عصیاں میرا

دل تو پہلو سے ہمارے کھو گیا درد پہلو ہائے تو کیا ہو گیا

اہل زبان کھویا گیا کہتے ہیں۔ اسی طرح متسک لکھہ گیا بجائے لکھا گیا۔

(۳) اگر کسی جملہ میں فعل فاعل و مفعول تینوں ہوں تو تذکیر و تانیث کے لحاظ سے

فعل مفعول کا تابع ہوتا ہے اسی طرح مجہول افعال بھی مفعول ہی کے تابع ہوتے ہیں جیسے زید نے روٹی کھائی۔ روٹی کھائی جاتی ہے اگر کسی جملہ کے بعد (جو اسم و فعل سے مرکب ہو) کوئی دوسرا فعل ایسا آئے کہ پہلا جملہ اس دوسرے فعل کا فاعل واقع ہو تو اہل دہلی پہلے فعل کو اسم کی تذکیر و تانیث کا تابع رکھتے ہیں اور اہل لکھنو پہلے فعل کو مذکر یا بحالت مصدر استعمال کرتے ہیں جیسے بات کرنا مشکل ہے۔

امیر۔ بندگی مولا کی یکسو ہو کے کرنا چاہیئے — اے مصلی ہاتھ دنیا سے دم تکبیر کھینچ

امیر۔ باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی — بھیجنا ہے ایک کمسن کے لئے

لیکن ایک جگہ امیر اپنے اسکول کے خلاف لکھتے ہیں۔

کیا خبر تھی کہ جوانی تری آفت ہوگی
بات کرنی بھی غریبوں کو مصیبت ہوگی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

گیا دل تو لیکن یہ منزل کڑی ہے — ابھی عشق میں جان کھونی پڑی ہے

جلال۔ جائے شربت مجھے دینا تھا شراب — نزع میں بھی ہے یہاں جام کی حرص

دو موقعہ ایسے ہیں کہ اہل دہلی بھی علامت مصدر کو نہیں بدلتے ایک تو یہ کہ مصدر امر کے معنی میں ہو۔ دیکھو ٹھوکر نہ کھانا دوسرے یہ کہ مبتدا اور خبر کے درمیان حرف اضافت ہو۔ نادر شاہ کا آنا قیامت کا آنا تھا۔

(۴) روزمرہ میں بھی بعض بعض جگہ اختلاف ہے۔

امیر۔ دیکھوں کہ میرے یار کے کیونکر نباہ ہو — وہ دشمن آبرو کا ہے میں آبرو پسند

اہل زبان میرا یار کا نباہ۔ آپ کا ہمارا نباہ کہتے ہیں۔

(صنم خانہ عشق صفحہ ۲۷)

امیر۔ قاصد کو اوس نے قتل کیا نامہ دیکھکر — مارا پڑا غریب ہمارے گناہ میں

(صنم خانہ عشق صفحہ ۱۳۱)

اہلِ زبان مار اگیا کہتے ہیں۔

(۵) تذکیر و تانیث کا اختلاف۔

اُف - اہلِ زبان کے ہاں مونث ہے۔ آتش نے مذکر باندھا ہے۔

سوزشِ دل سے زباں کو نہ ہوئی آگاہی ‏ ‏ اُف کیا منہ سے نہ ہمنے نہ کھلا راز اپنا

ناسخ نے شراب کو مذکر خدا جانے کس کو کہتے ہوئے سنا جو فرماتے ہیں۔

ہاتھ پر رکھ کے دیا مجھ کو شراب پُر نور ‏ ‏ آج ساقی نے دکھایا یدِ بیضا مجھ کو

التماس	دہلی میں مذکر	لکھنؤ میں مونث	رسم	دہلی میں مونث	لکھنؤ میں مذکر
سانس	ایضاً	ایضاً			
دسترس	دہلی میں مونث	لکھنؤ میں مذکر	دست پناہ	دہلی میں مذکر	لکھنؤ میں مونث
فاتحہ	ایضاً	ایضاً			
گیند					
زنار	دہلی میں مذکر	لکھنؤ میں مونث			

(۶) پیشہ وروں کے نام کے آخر اگر یائے معروف کے علاوہ کوئی اور حرف ہو تو اہلِ دہلی ایسے الفاظ کے آخر میں یائے معروف بڑھا کر تانیث بناتے ہیں لیکن لکھنؤ میں ن بڑھا کر مونث بناتے ہیں مثلاً

لفظ	دہلی	لکھنؤ	لفظ	دہلی	لکھنؤ
جلاہا	جلاہی	جلاہن	سنار	سناری یا سنارن	سنارن
کہار	کہاری	کہارن	بھٹیارا	بھٹیاری	بھٹیارن

دہلی میں مونث عربی الفاظ کی جمع مونث بولتے ہیں مگر اہلِ لکھنؤ تمام عربی الفاظ کی جمع خواہ وہ مونث ہی ہوں مذکر استعمال کرتے ہیں مثلاً مسجد مونث مساجد مذکر حرکت مونث حرکات مذکر۔ مولوی عبدالحق صاحب بی اے اپنی قواعد اردو میں لکھتے ہیں کہ

بعض متاخرین اہل لکھنو کا یہ قول ہے کہ ہر لفظ کی عربی جمع مذکر ہی ہوتی ہے یہ قاعدہ تو بہت اچھا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ اہل زبان یوں نہیں بولتے۔ اہل دہلی بجز بعض مستثنیات کے ہمیشہ مونث کی جمع مونث اور مذکر کی مذکر ہی استعمال کرتے ہیں الخ (قواعد اردو صفحہ ۲)

(۶) الفاظ کی وحدت و جمع میں بھی ذرا سا اختلاف ہے مثلاً الفاظ ذیل کو اہل زبان جمع استعمال کرنا زیادہ فصیح خیال کرتے ہیں۔

یہ چھوٹے میاں کے ختنے ہو گئے اس کی مرادف الفاظ بھی جمع ہی بولے جاتے ہیں مسلمانیاں۔ سنتیں۔ جاڑے گرمیاں۔ اب کے جاڑوں کے موسم میں رخصت لینے کا ارادہ ہے۔ گرمیاں بھی گزر گئیں لیکن تم نہ آئے۔ برسات واحد ہی استعمال ہوتا ہے لفظ کی جمع یا تو لفظ ہی آتی ہے یا **الفاظ** اہل لکھنو **لفظیں** بھی کہتے ہیں جو غیر فصیح ہے۔

دام بمعنی قیمت ہمیشہ جمع استعمال ہوتا ہے۔

(۷) بعض الفاظ اہل دہلی کی زبان پر نہیں ہیں۔ اور خاص لکھنو کی زبان سے تعلق رکھتے ہیں ایسے الفاظ زیادہ ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا اہل لکھنو کو زبان دانی کے لئے دلی کی زبان سیکھنی پڑی۔ لیکن اہل دہلی کو لکھنو کی زبان کی طرف توجہ کرنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوئی نہ انھوں نے غیر اہل زبان کے پوربی الفاظ و محاورات لینے پسند کئے۔

کھلنا۔ بہ معنی ناگوار معلوم ہونا　　بیہڑ[۱] ناہموار زمین۔
پھلیندا　موٹی جامن۔　　پینگ اناجانا
پلنگ پر رہنا　　چہرے کا رنگ کٹنا
بررنا (کجی پیدا ہوجانا)　برسی (انگیٹھی)　لاڑھیا (فریبی۔ جعل ساز)
بادبھنا (ہوا چلنا)　برمیٹھا (دھونی)　لوتبر (دراز قد۔ احمق)
بیر (بھڑ)　بلچاک (ضرب شمشیر)　کرکٹنگا (سخت کلام شخص)

[۱] بلند پست عالم کا بیان تحریر کرتا ہے۔ قلم ہے شاعروں کا یا کوئی رہرو ہے بیہڑ کا (آتشؔ)

حلوا نکل جانا (بے حال ہوجانا) کمینڈ (دغا۔ فریب) لھیر (ملیا بالش)

(۸) بعض الفاظ مختلف ہیں۔

دلی	لکھنو	دلی	لکھنو
دھکیلنا	ڈھکیلنا (دال ثقیلہ)	کواڑ	کواڑا
اڑسنا	گھرسنا	خواہ مخواہ	خواہ مخواہ کو
گھرکنا	گھڑکنا (رائے ثقیلہ)	سب سے پہلے	سب کے پہلے
جیسا۔ جیسے	کے ایسا۔ کے ایسے	نور کا بقہ	نور کا بکہ
ہاں	کے یہاں	جمائی	جماہی
قلقل	کلکل	بل	بھل
کیچڑ	کیچ	کوندنا	کوندھنا
اندھیرا	اندھیارا	انوکھی	انوٹھی
اجالا	اجیالا	رونکھی	روہانسی
کیونکر	کیونکر سے	تیراک	پیراک
بوچھاڑ	بوچھار	تیتری	تتلی
مکان سجانا	مکان سجنا	چھان بین	چھان بنان
بانسری	بانسلی	بوسہ	پچھی
تیرنا	پیرنا	پتھری	ستلی
پھاندنا (بمعنی پھلانگ جانا)	بھاندنا (بمعنی کود پڑنا)	چھوٹا	چھوٹھا
رنڈی (فاحشہ عورت)	رنڈی (عورت)	ٹنا یا اٹنا	اٹین
ڈلی (کسی ٹھوس چیز کا چھوٹا سا ٹکڑا)	ڈلی (چھالیہ)	ڈھیلا۔ ڈھیلی	اوڈھیلا۔ اوڈھیلی۔
		اگری	اگری۔

اندھی	اندھڑ	گندھا	کاندھا
باٹ (اوزان)	بانٹ	کبجڑا	کبڑیا
بوچھاڑ (رائے ثقیلہ)	بوجھار (رائے مہملہ)	کن پھٹر	کرل
بگولہ	بونڈلہ	کسیا جانا (سالن خراب ہو جانا)	کسا جانا
بیندھنا	بیدھنا۔	گوندنی	گوندی
بھیلی	پاری	لانگھنا	ناگھنا
چھالنا (ظروف میں ٹانکا لگانا)	جھالنا (پانی ٹھنڈا کرنا)	انکھ	اوکھ
بگھارنا	دھنگارنا	شہد کی مکھی	سارنگ
بھنیگا	ڈھیرا	ساڑی	ساری
سرسری	سراسری	ناحق	ناحق کو
قہقہہ	قہاقا	بیکار	بیکار کو
کانٹوں میں کھینچنا	کانٹوں پر کھینچنا۔		

اردو میں عاشق و معشوق دونو مرد تسلیم کئے جاتے ہیں اس لئے معشوق کے واسطے افعال و صفات مذکر بیان کرتے ہیں لیکن اس طرح کہ یا تو معشوق کے لئے وہ صفات و خصوصیات بیان کیجاتی ہیں جو مرد کیلئے خاص ہیں مثلاً سبزہ خط قبا و دستار کے ساتھ اوس کا ذکر کیا جاتا ہے یا ایسے صفات بیان کئے جاتے ہیں جو مرد و عورت دونو میں مشترک ہیں اور جس سے معشوق کے مرد یا عورت ہونے کی تمیز نہیں ہوسکتی۔ اس صورت میں بھی افعال و صفات مذکر لاتے ہیں لیکن معشوق کیلئے عورتونکی خصوصیات (مہندی چوڑی ڈوپٹہ زیور وغیرہ) کا ذکر کرنا اور پھر اس کو مذکر بیان کرنا مکروہ معلوم ہوتا ہے اور چونکہ مقتضائے حال کے بھی موافق نہیں ہوتا۔ اصول بلاغت کے خلاف ہے۔

امیر

چھپ گئی گونج جو بالی کی بگڑ کر بولے
ہاتھ ٹوٹیں ترے مشاطہ مرے کان گئے

لیکچر ۳

اسنادِ خبری

علم معانی کی تعریف

مختلف لوگوں کے طرزِ کلام پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی تقریر سلیس و شستہ ہونے کے علاوہ جلد ذہن نشین ہو جاتی ہے اور اون کا مطلب جلد سمجھ میں آجاتا ہے وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو ادائے مطلب کا صحیح طریقہ آتا ہے بعض لوگوں میں تفہیم مطالب کی کامل قوت نہیں ہوتی اور اپنی کیفیات ذہنی کو ظاہر کرنے کے لئے اون کو مقتضائے حالت کے موافق صحیح اور برمحل الفاظ استعمال کرنے نہیں آتے وہ علم جو کسی امر کو مقتضائے حال کے موافق بیان کرنا سکھاتا اور ایسی غلطیاں کرنے سے بچاتا ہے جس سے دلالت مطابقی کے موافق کلام کا مفہوم سمجھنے میں دوسرے شخص کو دقت ہو۔ **علم معانی** کہلاتا ہے۔

جملہ یا کلامِ تام

ایسا کلام جس کا پورا مقصد سننے والے کی سمجھ میں آجائے اور وہ کسی دوسری بات کے سننے کا محتاج نہ رہے۔ **کلام تام یا مرکب مفید یا جملہ** کہلاتا ہے۔

مرکب ناقص

جو کلام سننے والے کو منتظر رکھے اور مطلب سمجھنے کے لئے وہ کسی دوسری بات کے سننے کا محتاج رہے **کلام ناقص یا مرکب ناقص** ہے۔

"زید کا بیٹا" "خون کف قاتل پہ ترا میر زلبس" کلام ناقص ہیں کہ ان کے سننے سے کوئی مطلب کامل طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن جب انہی فقروں کو اس طرح ترتیب دیں "زید کا بیٹا بی۔ اے کے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔

"جم گیا خون کف قاتل پہ ترا میر زلبس
اس نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے"

کلام تام ہو گیا کیونکہ قائل کا مطلب سامع کی سمجھ میں آ گیا۔

جملہ خبریہ و انشائیہ

کلام تام یا تو کسی واقعہ کی خبر دیتا ہے کہ اُس کے کہنے والے کو جھوٹا یا سچا کہہ سکتے ہیں یا اُس سے متکلم کی کوئی خواہش یا آرزو وغیرہ ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جس کے کہنے والے کو جھوٹا یا سچا نہیں کہہ سکتے۔ اگر جملہ سے کوئی خبر ظاہر ہو تو جملہ خبریہ کہلاتا ہے۔ اگر سوائے خبر کچھ آرزو یا خواہش وغیرہ تو جملہ انشائیہ۔

اسناد

کلام تام کم سے کم دو کلموں سے بنتا ہے زیادہ کی حد نہیں۔ ان دو کلموں کی باہم ایک قسم کا لگاؤ ہوتا ہے جس سے سامع کو پورا فائدہ ہوتا ہے اس کو اسناد کہتے ہیں زید عقلمند ہے غلہ گراں ہے۔ ان جملوں میں تین تین جزو ہیں (۱) زید (۲) عقلمند (۳) ہے۔ (۱) غلہ (۲) گراں (۳) ہے زید اور غلہ دو تو اسم ہیں اور مبتدا یا مسندالیہ کہلاتے ہیں۔ مسندالیہ یا مبتدا کی طرف جو چیز منسوب ہو وہ خبر یا مسند کہلاتی ہے "عقلمند" اور "گران" مسند "ہے" حرف ربط ہے اور یہی اسناد کی نشانی ہے کہ ہونے یا نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اسم مسند اور مسندالیہ دونوں ہو سکتا ہے لیکن فعل صرف مسند ہوتا ہے۔ حرف کچھ بھی نہیں ہوتا۔ احمد لکھ رہا ہے۔ احمد مسندالیہ لکھ رہا مسند ہے حرف ربط۔ مسند اور مسندالیہ کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ ایک لفظ ہی ہوں بلکہ کئی لفظ بھی جو ایک ذات یا ایک فعل کو ظاہر کرتے ہیں مسندالیہ اور مسند ہو سکتے ہیں بلکہ بعض دفعہ جملے کے جملے مسندالیہ و مسند ہو سکتے ہیں مفعول مالم یسم فاعلہ مسند ہو جاتا ہے۔ کتاب لکھی گئی کتاب مسندالیہ لکھی گئی مسند

اسناد خبری

جب ایک کلمہ دوسرے کلمے کے ساتھ اس طرح ملایا جائے جس سے سامع کو کوئی اطلاع یا علم حاصل ہو تو اس کو اسناد خبری کہتے ہیں۔ زید پڑھ رہا ہے۔ اس قسم کے اسناد سے متکلم کے مقصد حسب ذیل ہوتے ہیں۔

(۱) سامع کو کسی امر کی خبر دینا۔ نظام کالج میں دو سو طالب علم پڑھتے ہیں۔

(۲) سامع کو اپنے علم سے آگاہ کرنا۔ بارہ بج چکے ہیں۔

(۳) تحریض کے لئے دانا کو نادان سمجھ کر بطور نصیحت کہنا۔ میاں علم بڑی دولت ہے۔

(۴) اپنا اظہار تمکنت و شان کرنا۔

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا میرے آگے

(۵) اظہار تاسف و رنج و ملال کے لئے۔

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

(۶) اظہار عجز و ضعف کے لئے۔

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں۔

(۷) مناجات اور طلب حاجت کے لئے۔

داغ کا کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تو نے

خدا کو یوں بھی معلوم ہے کہ داغ کا کوئی اور دینے والا نہیں ہے اور جو کچھ دیا ہے میں نے ہی دیا ہے۔ لیکن خدا کو اپنے حال کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اسکی عنایات کا ذکر کرتا ہے تاکہ اور عنایات ہوں۔ اسناد دو طرح کا ہوتا ہے مسند الیہ کے متعلق جو امر بیان کیا گیا ہے قائل کے عندیہ میں فی الواقع وہ ویسا ہی ہو۔ اس سے مطلب نہیں کہ جو امر بیان کیا گیا ہے فی نفسہ وہ سچ ہے یا جھوٹ اس کو حقیقت عقلی کہتے ہیں۔ گرمی بہ شدت پڑ رہی ہے گرمی خواہ واقعی شدید ہو یا نہ ہو لیکن قائل کا مطلب اس امر کا اظہار ہے کہ گرمی شدت کی ہے ایک خدا پرست کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آفتاب و زمین اور تمام سیارات کو پیدا کیا۔ ایک مادی کہتا ہے مادہ نے آفتاب و زمین کی صورت اختیار کی۔ ایک نے تکوین عالم کو خدا کی طرف منسوب کیا اور دوسرے نے

حقیقت عقلی کی تعریف

مادہ کی طرف لیکن اس لحاظ سے کہ دونوں نے اپنے اپنے اعتقاد کے بموجب اون امور کا اظہار کیا ہے جو دونوں کے نزدیک مسلّم ہیں دونوں فقرے حقیقت عقلی ہیں۔

بعض دفعہ ایک امر کو اوس کے ملابس کی طرف بھی اسناد کر دیتے ہیں یعنے مسند کو کسی ایسے مسندالیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو عندیہ یا اعتقاد متکلم میں اس کا صحیح مسندالیہ نہیں ہے۔ نہر بہہ رہی ہے۔ چشمہ اُبل رہا ہے۔ نہر اور چشمہ ظرف ہیں اُنمیں بہنے یا ابلنے کی خاصیت نہیں بلکہ پانی بہہ رہا اور اُبل رہا ہے اس کو مجاز عقلی کہتے ہیں۔

کلام کا حقیقت عقلی یا مجاز عقلی ہونا متکلم کے اعتقاد پر منحصر ہے۔ ایک ہی کلام ایک شخص کی زبان سے نکلے تو حقیقت عقلی ہے اور دوسرے کے منہ سے مجاز عقلی۔ خالد کو تپ محرقہ نے مار ڈالا۔ یہ فقرہ ایک ایسے حکیم کی زبان سے جو تقدیر الٰہی کا قائل ہے اور جو جانتا ہے کہ جو اسباب موت وحیات کے سبب ہوتے ہیں۔ حکم الٰہی کے تابع ہوتے ہیں مجاز عقلی ہے لیکن اوس حکیم کی زبان سے جو صرف علل و اسباب کا قایل ہے اور حکم خداوند تعالیٰ علت العلل نہیں مانتا حقیقت عقلی ہے۔

مجاز عقلی میں اکثر ایسا قرینہ ہوا کرتا ہے جو مخاطب کو حقیقی معنوں کے مراد لینے سے روک دیتا ہے۔ انشاء اللہ ہماری محنت بہت فائدہ دیگی۔ لفظ انشاء اللہ اس بات کا قرینہ ہی کہ قائل محنت کو فائدہ پہونچنے کی علت مجازاً قرار دیتا ہے ورنہ فی الحقیقت نفع کی اُمید اوس کو ذات باری تعالیٰ سے ہے۔

جذبۂ عشق جو باقی ہے تو انشاء اللہ
کچے تاگے سے چلے آئینگے سرکار بندھے

مجاز عقلی جملہ انشائیہ میں بھی ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا فلاں مقام پر باغ و محل تیار کرو۔ بادشاہ جانتا ہے کہ وزیر خود کام نہ کریگا بلکہ معماروں اور باغبانوں سے یہ کام لیگا اس لئے وزیر کو الفاظ کرو سے حکم دینا مجاز عقلی ہے۔

لیکچر ۴

الفاظ - محاورے - روزمرہ

حقیقت یا دلالت وضعی کے مطابق کلام کرنے کے لئے ضرور ہے کہ متکلم لفظوں کے صحیح معنے اور محل استعمال اور اس زبان کے جسمیں کلام کر رہا ہے محاورات اور روزمرہ سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔

تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ الفاظ کے معنی کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور مجازی۔ حقیقت کی صورت میں جب الفاظ اون معنوں کو ظاہر نہیں کرتے جنکے واسطے وہ وضع ہوے ہیں یا اوس محل پر نہیں بولے جاتے جو اون کے لئے مقرر ہے تو کلام یا تو مہمل ہو جاتا ہے یا اوس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

محاورے کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی کلام دو یا دو سے زیادہ الفاظ سے مرکب ہو اور وہ الفاظ اپنے معنی غیر موضوع لہٗ پر استعمال ہوتے ہوں تو وہ کلام محاورہ کہلاتا ہے جیسے ٹھیک بنانا۔ سزا دینا۔ جہالا نکل جانا۔ ابر کا برس کر کھل جانا۔ اسی طرح اگر کوئی کلام ایک اسم اور ایک فعل سے مرکب ہو اور فعل اپنی مجازی معنوں میں مستعمل ہوا ہو تو وہ بھی محاورہ کہلاتا ہے۔ جیسے نقشہ آتارنا۔ غم کھانا۔ بجالانا۔ بلائیں لینا۔ بل کھانا۔ محاورے کی تعریف

روزمرہ اوس بول چال اور اسلوب بیان کو کہتے ہیں جو خاص اہل زبان استعمال کرتے ہیں۔ اسمیں قیاس کو دخل نہیں بلکہ سماعت پر دار و مدار ہے اب الفاظ محاورے اور روزمرہ کی غلطیوں پر غور کرو اور دیکھو کہ یہ لغزشیں کلام میں کیسے کیسے نقص پیدا کرتی ہیں۔[1] روزمرہ کی تعریف

---

[1] محاورے کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ الفاظ ان ہی معنی کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور اون کے دوسرے معنی لینا غلطی ہے اس لئے محاورہ اور روزمرہ دلالت وضعی میں داخل ہیں اور اون کا جاننا علم معانی کا کام ہے۔

* *

الفاظ کے بدلنے سے یا تو معنی بدل جاتے ہیں یا کلام مہمل و بدمزہ ہو جاتا ہے یا کوئی اور نقص پیدا ہو جاتا ہے آتش کہتے ہیں۔

تعلق روح سے مجھ کو جسد کا ناگوارا ہے ۔۔۔ زمانہ میں چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

گوارا بہ معنی مطبوع و پسندیدہ آتا ہے لیکن ناگوارا غلط ہے ناگوار کہتے ہیں۔

شام سے ڈھونڈا کیا زنجیر پھانسی کیلئے ۔۔۔ صبح تک میں نے خیال گیسوے پیچاں کیا

پھانسی زنجیر سے نہیں بلکہ رسی سے دی جاتی ہے۔ زنجیر سے قید کرتے ہیں۔

چمن میں رہنے دے کون آشیاں نہیں معلوم ۔۔۔ نہال کس کو کرے باغباں نہیں معلوم

کونسا آشیاں رہنے دے کہنا چاہیئے۔

مرتا ہے غیر کس لئے کٹتا ہے یار کیوں ۔۔۔ حاضر ہیں جان و دل جو کسی کو ضرور ہوں

ضرور ہوں کی بجائے ضرورت ہو کہنا چاہیئے تھا۔

تار سنبل کوئی کہتا ہے رگ گل کوئی ۔۔۔ کمر یار جو ہوتی تو دکھائی ہوتی

دکھائی دیتی کی جگہ دکھائی ہوتی کہہ گئے اور یہ بھی نہ خیال آیا کہ دکھائی ہونا رکیک محاورہ ہے۔

آتش جو چاہے پائے توکل کو محکمی ۔۔۔ جو صبح کو ملے نہ رہے شام کے لئے

محکمی کی بجائے استحکام کہنا چاہیئے۔

ناسخ کہتے ہیں۔

شیر سے تا شربت مرگ ایک سی تلخی ہے یاں ۔۔۔ غم لگا کھانے وہیں انساں جہاں پیدا ہوا

جہاں مکان کے لئے اور جو ہیں زمان کے لئے آتا ہے وہیں جو ہیں کہنا چاہیئے۔

تا ہیں سجدۂ معبود میں ناسخ مصروف ۔۔۔ سر سے اس واسطے ہوتے ہیں سب انساں پیدا

انسان سر سے نہیں بطن مادر سے پیدا ہوتے ہیں۔ سر کے بل کہتے تو صحیح مفہوم ظاہر ہوتا۔

عبدالحلیم شرر۔
جب دیکھو ایک ہڑ ونگا مچائے رہتا ہے۔ ہڑونگا اسم فاعل ہے۔
ہڑونگ مچائے رکھتا ہے کہنا چاہیئے۔

اوس کے سر پر پگڑی تھی۔ ایک معمولی مرزائی پہنے ہوا تھا اور پاؤں میں دھوتی تھی۔ (یوسف نجمہ ۱۲۵) دھوتی ٹانگوں میں ہوتی ہے نہ کہ پاؤں میں۔

افریقہ میں اب امن و امان قائم ہو جانے کا اصلی سبب یہ تھا کہ حسان نے دھیا کا فتنہ دور کرتے ہی ایک نیا فوجی قانون تیار کیا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اوس کا پہلا موجد فرانس کا سپہ سالار ہند ڈوپلے تھا۔ (محذرات حصہ دوم صفحہ ۱۳)
موجد کی جگہ واضع لکھنا چاہیئے۔

غرض اس مثالوں سے تمھاری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ تحریر و تقریر میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری کام الفاظ کا انتخاب کرنا ہے ہر مطلب اول سے آخر تک الفاظ ہی سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ ادائے مطلب کے لئے بامعنی صحیح بر محل الفاظ تلاش کیے جائیں۔ اچھے مضمون نگار ہمیشہ لفظوں کی بہت چھان بین کیا کرتے ہیں۔ پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ تمام مضمون میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو ٹھیک اوسی منشا کو ظاہر کریں جو مضمون نگار یا مقرر ادا کرنا چاہتا ہے۔ اوس کے بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ الفاظ کثیر الاستعمال ہوں یا غریب سہل ہوں یا مشکل وغیرہ۔ ایسا قاعدہ مقرر کرنا مشکل ہے جس کے بموجب کوئی شخص تمام ذخیرے میں سے اپنے مطلب کے الفاظ چن لے۔ یہ خود مضمون نگار کی استعداد اور تمیز پر منحصر ہے۔ مثال کے طور پر ہم چند ایسے قاعدے بیان کرتے ہیں جنکا لحاظ الفاظ کے استعمال کرتے وقت رکھنا چاہیئے۔

(۱) الفاظ کی دلالت بالکل مفہوم کے مطابق ہو۔ اگر کسی لفظ کی دلالت منشاء اصلی سے ذرا بھی اختلاف رکھتی ہے تو اوسی قدر وہ غلط فہمی میں ڈالنے والا ہے بعض صورتوں میں

چھوٹی چھوٹی غلطیاں بڑی غلطیوں سے بھی زیادہ مغالطہ پیدا کر دیتی ہیں۔ کیونکہ بڑی غلطیاں آسانی سے معلوم ہو جاتی ہیں اور چھوٹیوں کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو ایسے الفاظ استعمال کرتے چاہئیں جن کی دلالت صحیح منشار کو بخوبی ظاہر کرنے والی ہو۔ ایسی غلطیاں مترادف الفاظ کا استعمال بے تمیزی سے کرنے سے اکثر پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض الفاظ اگرچہ مترادف مستعمل ہوتے ہیں لیکن اون کے مفہوم میں باریک اختلاف ہوتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ مغالطہ انگیز ایک صورت ایہام کی ہے جس میں ایک لفظ یا عبارت ایک سے زیادہ معنوں پر دلالت کر سکتی ہے اور مخاطب حیران رہ جاتا ہے کہ کن معنی میں اون الفاظ کی تعبیر کرے۔

(۲) الفاظ کسی شے کا وہی درجہ ظاہر کریں جس قدر ظاہر کرنا مقصد ہے نہ کم نہ زیادہ۔ ممکن ہے کہ کوئی لفظ صحیح ہو لیکن معنی کے مدارج ظاہر کرنے میں اصلیت سے زیادہ زوردار یا کمزور ہو۔ اور مخاطب کے ذہن میں کوئی غلط خیال پیدا کر دے ایک شخص طبیب سے حال بیان کر رہا ہے اور کہتا ہے "کہ زید رات بھر بخار سے تپتا رہا" درانحالیکہ زید کو خفیف حرارت تھی نتیجہ یہ ہوا کہ طبیب یہ سمجھا کہ دوا نے کچھ بھی اثر نہیں کیا اگرچہ دوا نے ضرور اثر کیا تھا معنی کا صحیح درجہ ظاہر کرنے کے لئے کہیں تو بتدریج زوردار الفاظ بڑھائے جاتے ہیں اور کبھی اون کو نرم کر دیتے ہیں۔

دلی ایک خوشنما شہر ہے۔ بہت وسیع۔ نہایت عالیشان علم و فضل کا معدن۔ تہذیب و شائستگی کا منبع۔

مولانا کی موت ایک حسرتناک واقعہ تھی جس سے ہر طبقہ کے لوگ متاثر ہوئے۔ دوستوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے شاگردوں نے واویلا واحسرتا کا شور مچایا۔ عزیز و اقارب بلبلا اٹھے سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔

شاہ صاحب نے بارھویں تاریخ رحلت فرمائی۔

آپ کا بیان حقیقت کا انکشاف نہیں کرتا یعنے آپ جھوٹ بولتے ہیں۔
اکثر ایسی ضرورت ہوتی ہے کہ مطلب نرم الفاظ میں ادا کیا جائے۔
دو منفی لفظ مثبت معنی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح حالت و کیفیت کے اظہار کے لئے اکثر بہت مفید ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متکلم کسی امر کی دو ضرورت ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے جو ممکن الوقوع ہے۔
یہ قیاس بیجا نہیں ہے کہ زید عمرو کی رنجش خانہ جنگی پیدا کریگی۔ یعنے ضرور پیدا کریگی
بعض لوگ ناواقفیت کی وجہ سے دو نفی لاتے ہیں لیکن نفی ہی مثبت ظاہر نہیں کرتے۔ یہ غلطی ہے۔
خیر اگر تم نے بھاگنے ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو تمہارے پاس دولت کے خزانے ہیں دریا سامنے دیکھو جہاز کھڑے ہیں جب چاہو ان پر چلے جا سکتے ہو مگر اس سے ڈرو اور کانپو کہ مبادا زندگی کی ہوس میں تمھیں بدنصیبی کی جلاوطنی اور ذلیل قسم کی موت نہ نصیب ہو جائے (محذرات حصہ دوم صفحہ ۳۵ و ۳۶ مصنفہ عبدالحلیم صاحب شرر) نہ نصیب ہو جائے کی جگہ نصیب ہو کہنا چاہیئے

سادگی — کلام کی سادگی سے یہ مراد ہے کہ کلام ایسا عام فہم ہو کہ معمولی سمجھ اور لیاقت کے آدمی بھی اوس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ البتہ اُس کا پیرایہ ایسا دلچسپ ہونا چاہیئے کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ کلام کے سادگی اوس کے حسن کو کم کردیگی بلکہ سادگی اور لطافت اثر اور دل آویزی کو بڑھا دیتی ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بے ضرورت بھی اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے غیر مانوس اور غریب الفاظ استعمال کرتے ہیں جو عام فہم نہیں ہوتے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ لوگوں کے فائدہ کے لئے کلام کرتے ہیں اس لئے ہر کلام تکلم الناس علی قدر عقولھم کا مصداق ہونا چاہیئے
بڑے بڑے غیر مانوس الفاظ بے ضرورت استعمال کرتا یہ ظاہر کرتا ہے کہ متکلم کو زبان پر قدرت حاصل نہیں ہے۔

ہر کلام سادہ ہونا چاہیئے لیکن اس کلیہ میں یہ استثناء ہے کہ جب کوئی سہل لفظ مفہوم کے صحیح معنے پر دلالت کرنے والا نہیں ملتا تو غیر مانوس یا غریب لفظ رکھنا جائز ہے۔ علمی اور سائنٹفک لٹریچر میں یہ وقت اکثر واقع ہوا کرتی ہے کہ بغیر اصطلاحی الفاظ استعمال کیئے گزیر نہیں ہوتا۔ اور یہ اصطلاحی الفاظ عام فہم نہیں ہوتے۔ لیکن ایسی تحریروں میں بھی جہاں تک ممکن ہو مشکل الفاظ کو کم برتنا چاہیئے اور اگر کہیں عالمانہ الفاظ کی ضرورت بھی پڑے تو ساتھ ہی اوس کا ہم معنی سہل لفظ یا کوئی جملہ ایسا لکھدیا جائے۔ جو معنی کی وضاحت کردے اصطلاحی الفاظ برتنے کی صورت میں بھی عبارت کا طرز ادا مشکل اور بعید از فہم نہ ہونا چاہیئے بلکہ بیان جہاں تک ممکن ہو مشرح اور واضح رہے۔

یہ ایک رواج پڑ گیا ہے کہ اردو زبان میں مسلمان خواہ مخواہ عربی یا فارسی کے اور ہندو سنسکرت و بھاشا کے الفاظ ٹھونستے ہیں اس طرح اون کی عبارتیں ایسی مشکل ہوجاتی ہیں کہ محض اردو داں لوگ اون کو نہیں سمجھ سکتے۔ دراصل یہ زبان کو خراب کرنا ہے۔ غیر زبانوں کے الفاظ کا استعمال اتنا ہی جائز ہے جس قدر کہ وہ الفاظ ہماری زبان میں داخل ہو کر جزو زبان ہوگئے ہیں۔ اس سے زیادہ کی بھرمار زبان کو ثقیل بے لطف اور بعید از فہم کردیتی ہے غیر زبانوں کے الفاظ جو کسی خاص علم یا سائنس یا فن سے تعلق رکھتے ہیں بضرورت لینے پڑتے ہیں کیونکہ اس صورت میں وہی الفاظ صحیح دلالت کرسکتے ہیں اور لینے جائز ہیں مگر یہ الفاظ اور اصطلاحات اون ہی لوگوں کے لئے بکار آمد ہوتے ہیں جو اوس علم میں فکر و غور کرتے ہیں نہ کہ عوام کے لئے۔ اس لئے ان کے استعمال کے خاص خاص موقعے ہوتے ہیں۔

کس موقعہ پر کونسے الفاظ برتنے چاہئیں ایسا سوال ہے جس کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ متکلم کے پاس الفاظ کا بہت سا ذخیرہ موجود ہونا چاہیئے۔ اور لفظوں کے صحیح معنے اور محل استعمال بھی اوس کو معلوم ہوں۔ یہ کلیہ اچھے اچھے اوستادوں کے کلام پڑھنے لائق اہل زبان کی صحبت میں بیٹھنے اور خود غور و فکر کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی لفظ صحیح بھی ہو سہل بھی ہو لیکن پھر بھی موزوں اور برمحل نہ ہو ایسا کلام جس میں بے محل اور ناموزوں الفاظ استعمال کیئے جائیں عالمانہ بیان کے رتبہ سے گرا ہوا ہوگا۔ اس واسطے قبل ازیں کہ کوئی لفظ زبان یا قلم سے نکلے ہم کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وہ ہر طرح موزوں ہے۔ بے محل اور بے ضرورت لغت کی بھرمار کرنے کا عیب ادن ناتجربہ کار لکھنے والوں میں زیادہ ہوتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ لیاقت کا اظہار اور مضمون کی شان بڑے بڑے لفظوں میں نہاں ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ حسن بیان طرز ادا کی دل آویزی اور خوش اسلوبی پر منحصر ہے۔ لطف سخن کا راز یہ ہے کہ ہر خیال کو اوسکی مناسب الفاظ میں جلوہ دیا جائے سیادی اور معمولی باتوں کو غیر معمولی غریب لغت میں بیان کرنا بدنما تصنع پیدا کر دیتا ہے۔

زندہ زبانوں کا قاعدہ ہے کہ اون میں بعض الفاظ ترک اور بعض نئے داخل ہوتے جاتے ہیں۔ ان نئے داخل ہونے والوں میں بعض موقتی ہوتے ہیں اور کچھ روز کے بعد ترک ہو جاتے ہیں مثلاً ملک میں کوئی نئی تحریک یا پولیٹیکل شورش پیدا ہو تو بعض الفاظ اخباروں اور رسالوں میں گشت کرنے لگتے ہیں لیکن اوس تحریک یا شورش کے فرو ہونے کے بعد وہ پھر زبانوں سے اتر جاتے ہیں متروک الفاظ تو استعمال کرنے چاہئیں ہی نہیں نئے الفاظ کے استعمال میں بھی جب تک کہ وہ عام طور پر زبان میں رواج نہ پا جائیں احتیاط برتنی مناسب ہے اخباروں رسالوں اور کم لیاقت ناول نویسوں کے من گھڑت الفاظ زبان کو خراب کرتے ہیں۔ محاورات اور الفاظ کی سند ہمیشہ مستند مصنفوں اور علما کی زبان سے لینی چاہئے۔ الفاظ کو رواج پانے کے لئے بھی مدت گزرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک کسی لفظ کو قبولیت اور پسند عام کا رتبہ حاصل نہ ہو وہ عالمانہ اور ثقہ تحریرات میں استعمال کئے جانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جس طرح ثقہ اور مہذب اور بازاری اور غیر مہذب آدمیوں کے اوضاع و اطوار میں فرق ہوتا ہے اسی طرح اون کی زبان اور گفتگو میں بھی فرق ہوا کرتا ہے بازاری الفاظ اگرچہ بہت مروج ہوتے ہیں لیکن مہذب تحریروں اور تقریروں میں اُنسے

بہت بچنا چاہئے۔ جس طرح ایک شریف شخص سے کوئی رکیک حرکت اوسکی شان کے منافی ہوتی ہے۔ اسی طرح مہذب لٹریچر میں سوقیانہ الفاظ اوسکی شان اور مرتبہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ بعض الفاظ کسی خاص ضلع میں بولے جاتے ہیں اور اوس کے باہر وہ اس معنی میں نہیں لئے جاتے۔ یہ الفاظ صرف اوس ضلع کی گفتگو میں تو برتنے جائز ہیں لیکن عام شایع ہونے والی تحریروں یا تقریروں میں اون کا استعمال درست نہیں ہے۔ مثلاً ضلع پشاور میں کہتے ہیں بازار سڑ گیا۔ یعنے بازار جل گیا۔ بازار میں آگ لگ گئی۔ زید چھلا آدمی ہے زید باولا ہے۔ حجرہ بمعنی دیوان خانہ بھی وہیں بولا جاتا ہے۔ اہل لکھنو عورت کو رنڈی کہتے ہیں باقی تمام ہندوستان کے شرفا اس لفظ کو کسی عورت کی طرف منسوب کرنا اوس کو عیب لگانا خیال کرتے ہیں۔ باؤ بھنا بمعنی ہوا چلنا بھی وہیں کا محاورہ ہے۔

دکن میں کاڑی بمعنی لکیر یا سلائی۔ ٹپہ بمعنی ڈاک۔ ڈیوڑھی بہ معنی دیوان خانہ وغیرہ بولا جاتا ہے۔

یہ باتیں اون ہی صوبوں سے مخصوص ہیں ان کے باہر ان الفاظ کا استعمال ان معنی میں کرنا غلطی ہے۔



لیکچر ۵

مسند الیہ کا بیان

مسند الیہ کو ذکر کرنے کے حسب ذیل وجوہ ہوتے ہیں:-

(۱) مسند الیہ کلام کا جزو اعظم ہے اور بغیر اس کے کلام تام نہیں ہوتا۔
ٹوٹ گیا۔ خط پڑھ رہا ہے۔ کلام ناقص ہیں۔ سننے والے کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ٹوٹ گیا اور کون پڑھ رہا ہے؟ قلم ٹوٹ گیا۔ حامد خط پڑھ رہا ہے۔ مسند الیہ کا ذکر کرنے سے کلام تام بن گیا۔

(۲) جس کلام میں کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو مسند الیہ کا ذکر کئے بغیر اوسکی طرف اشارہ کرے تو مسند الیہ کا بیان کرنا لازم ہوتا ہے تاکہ متکلم کا مطلب بخوبی سمجھ میں آجائے اب مدت سے راہ و رسم بند ہے ورنہ مدتوں آتا جاتا رہا۔ اس فقرہ میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ کون آتا جاتا رہا۔ مسند الیہ کو ایسے موقعہ پر ظاہر کرنا ضرور ہے۔

اب کئی دن سے وہ راہ و رسم بھی مسدود ہے
ورنہ برسوں نامہ بر آتا رہا جاتا رہا۔

(۳) مسند الیہ اس قدر عزیز ہوتا تھا کہ اس کا نام لینا طبیعت کو لذت بخشتا ہے۔

رات کس کس طرح کہا نہ رہا
نہ رہا پر وہ مہ لقا نہ رہا (مومن)

مہ لقا کہنے کے بغیر بھی مطلب حاصل تھا۔ لیکن لفظ مہ لقا نے طبیعت کو لذت بخشی

(۴) واسطے اظہار تعظیم یا اظہار اہانت کے۔

قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
مظہر ذوالجلال والاکرام
اوس پہ گذرے نہ گماں رو و ریا کا ہرگز غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

(۵) خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے۔

سرکار کا حکم ہے۔

(۶) اظہار تعجب کے واسطے۔

نورجہاں نے شیر مارا

مسندالیہ کا حذف

مسندالیہ کلام کا رکن اعظم ہے اور جب تک کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جو مسندالیہ کا پتہ بتائے کلام میں اوس کا حذف جائز نہیں۔ ایسے قرینہ حسب ذیل ہو سکتے ہیں:-

۱۔ قرینہ عقلیہ موجود ہو اور عبث سے بچنے کے واسطے مسندالیہ محذوف کیا جائے

ہفتاد و دو طریق حسد کے عدو سے ہیں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

یعنے ہم باہر حسد سے ہیں لفظ ہم اس لئے محذوف کیا کہ کلام کا قرینہ اس پر دلالت کر رہا تھا

۲۔ مسندالیہ اگر سوال میں مذکور ہو جائے تو جواب میں اُسے حذف کر دیتے ہیں۔ مرزا صاحب کب آئینگے؟ کل آئینگے۔ پورا فقرہ یہ ہے۔ مرزا صاحب کل آئیں گے مسندالیہ مرزا صاحب محذوف ہے۔

۳۔ بعض دفعہ صرف مفعول سے مطلب ہوتا ہے اور مسندالیہ سے کچھ غرض ہی نہیں ہوتی تو کلام میں مسندالیہ کا ذکر نہیں کرتے اور فعل (مسند) کو مجہول بنا لیتے ہیں۔ احمد لڑائی میں مارا گیا۔ مطلب احمد کا حال معلوم کرنا تھا۔ خواہ کسی نے مارا ہو۔

۴۔ فعل کو مجہول بنانے میں یہ بھی فائدہ ہوتا ہے کہ مفعول ایسا کم قدر ہوتا ہے کہ

اوس کے ساتھ مسند الیہ کا ذکر کرنا مسند الیہ کی بے وقعتی کا موجب ہوتا ہے۔ و نیز مدارکو
حسن کارگزاری کے عوض سرکار سے [illegible] انعام دیا گیا۔ انعام سرکار نے دیا ہے لیکن انعام کی
مقدار اور وقعت اتنی حیثیت اس قدر کم ہے کہ سرکار کا نام اوس کے ساتھ نہیں لیتے۔

۵۔ مفعول عالیشان ہو اور مسند الیہ کا اوس کے ساتھ ذکر کرنا مفعول کی
بے وقعتی ہو۔ بادشاہ مارا گیا۔ بادشاہ کو سپاہی نے مارا ہے لیکن بادشاہ اور سپاہی کی
حیثیت میں اس قدر فرق ہے کہ اوس کے ساتھ بادشاہ کا نام نہیں لیتے۔

۶۔ مقام تعجب یا تفخیم میں مسند الیہ یا مسند محذوف ہوتا ہے۔

اللہ رے تیری بے نیازی — یعقوب کو مدتوں نہ لایا

مسند محذوف ہے۔ اے اللہ تو اس قدر بے نیاز ہے

تفخیم کی مثال۔

دل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئی
اف رے بیتابی کہ یاں تو جی ہی نکلا جاتا ہے

۷۔ حکم کرنے کے موقعہ پر اگر مخاطب موجود ہو تو مسند الیہ حذف کر دیتے ہیں۔
مثلاً خادم سے کہیں کتاب لاؤ۔ یعنے تم کتاب لاؤ۔

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں — کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

۸۔ تحذیر یعنے خوف دلانے کے موقعہ پر مسند الیہ حذف ہو جاتا ہے۔

ہٹو فلک کے تلے سے ہم آہ کرتے ہیں

اضمار

اضمار

جہاں تکلم خطاب یا غیبت کا موقع ہو وہاں مسند الیہ بجائے اسم کے کوئی ضمیر بھی
لا سکتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر مسند الیہ معرفہ یعنے کوئی شخص معین ہوتا ہے۔ مثلاً

لہ بزرگ کہنا۔

تکلم	میں کتاب پڑھتا ہوں ہم کتاب پڑھتے ہیں۔
خطاب	تو کتاب پڑھتا ہے۔ تم کتاب پڑھتے ہو
غیبت	وہ کتاب پڑھتا ہے وہ کتاب پڑھتے ہیں۔

تکلم اور غیبت میں تو مسندالیہ اگر ضمیر ہو تو وہ شخص معین ہونا ضرور ہے لیکن خطاب میں بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کسی خاص شخص کی طرف خطاب نہیں کرتے مثلاً نصیحت کے موقع پر

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا

پل بنا چاہ بنا مسجد و تالاب بنا

کسی شخص کی طرف خطاب نہیں ہے۔ جس میں عقل سلیم ہوگی وہ قبول کر لیگا۔

۲۔ کوئی بات ایسی عام ہو کہ اوس کو بہت سے لوگ جانتے ہوں تو کسی خاص شخص کی طرف خطاب نہیں کرتے بلکہ کل فرقے کی جانب مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

دیکھنا تقریر کی لذت کو جو اوس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

لفظ دیکھنا سے خطاب سامعین کی کل جماعت کی طرف ہے۔

۳۔ کبھی کلام میں ضمیر مستتر موجود ہوتی ہے لیکن پھر ضمیر بارز لاتے ہیں اس سے مرجع کی طرف ذہن کی رسائی میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے لیکن ایسی صورت فارسی میں زیادہ پیش آتی ہے۔

من کتاب می نویسم

اردو میں لکھتا ہوں۔ میں لکھتا ہوں۔

علم

عَلَم کے معنی ہیں کسی خاص شخص کا نام یا اوس کی کینت یا خطاب یا تخلص۔ احمد ابوالفتح افتخارالملک ذوق سب عَلَم ہیں۔ کلام میں یہ سب مسندالیہ بن سکتی ہیں۔ عام طور پر تو مسندالیہ بننے کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ نا واقف مخاطب سے اون کی نسبت کوئی خبر یا کوئی اور امر بیان کیا جائے۔

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

لیکن اس کے علاوہ اور صورتیں بھی ہیں کہ مسندالیہ کا نام لیتے ہیں خواہ سامع واقف ہو یا نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص میں کوئی وصف خاص طور پر پایا جائے اور وہ اوسمیں مشہور ہو تو صرف نام لینے سے اوسکی صفات ذاتیہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے اگر یہ صفات محمود ہیں تو مقصد مسندالیہ کی تعریف اور توصیف ہوگا۔ اور صفات ذمیمہ ہیں تو تحقیر و اہانت جیسے کسی شعر کی خوبی ظاہر کرنے کے لئے کہیں "غالب کا کلام ہے" اگرچہ سامع پہلے سے بھی جانتا ہے کہ وہ شعر غالب کا ہے لیکن متکلم کی مراد غالب کہنے سے سامع کو باخبر کرنا نہیں بلکہ متکلم کے نزدیک غالب کی شاعری کی خوبیاں اور اوس کا قادر الکلام ہونا ایسا مسلم ہے کہ لفظ غالب سے غالب کے تمام صفات شخصیہ جو شاعری سے تعلق رکھتے ہیں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ بدری داس بھی شعر کہتے ہیں۔ یہ واقعہ تو سامع کو بھی معلوم تھا لیکن نام اسلئے لیا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ بدری داس کو شاعری سے کچھ مناسبت نہیں اور اسکا شعر کہنا حماقت ہے پیاروں کا نام بھی پیارا ہوتا ہے اور اس کے بار بار کہنے سے مزہ آتا ہے ماں کہتی ہے "چار بجے ہیں اب میر الطیف مدرسے سے آتا ہوگا"

صلہ موصول

اسم موصول ایک ناتمام اسم ہوتا ہے کہ اکیلا کسی جملہ کا جزو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً

جو جس وغیرہ اسم موصول کے بعد ایک جملہ ہوتا ہے جس کو صلہ کہتے ہیں۔ جو شخص جس آدمی موصول صلہ ملکر جملہ کا جزو ہوتے ہیں جو شخص شیخی بگھارتا ہے نادم ہوتا ہے جو موصول شخص شیخی بگھارتا ہے صلہ۔ موصول صلہ ملکر مبتدا یا مسندالیہ ہے نادم ہوتا ہے۔ خبر یا مسند اسم موصول کے واسطے یہ لفظ مقرر ہیں۔ جو۔ جو جو۔ جو کہ۔ وہ جو۔ وہ کہ۔ جو کوئی۔ جو نسا۔ جس کو۔ جس جس کو۔ جن کو۔ جن جن کو۔ جیسے۔ جنہیں۔ جنے جس جس نے جنھوں نے جوں۔ جو نسا جتنا وغیرہ۔ کلام میں صلہ موصول لانے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص یا کسی شئے میں کوئی خاص صفت یا کیفیت یا خصوصیت پائی جائے تو اُسپر کیا اثر مترتب ہوگا

جو کہ ظالم ہیں وہ ہرگز پھولتے پھلتے نہیں

سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کہیں شمشیر کا

جس انسان کو سگِ دنیا نہ پایا۔ فرشتہ اوس کا ہم پایہ نہ پایا۔ جو سیوا کرے سو میوہ پائے

لیکن اس کے علاوہ کلام میں مسندالیہ کو موصول لانے سے کئی فائدے ہیں۔

۱۔ بعض موقعہ ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب مسندالیہ کو سوائے صلہ کے اور کسی طرح نہیں پہچان سکتا۔ مثلاً کسی شخص کو دیکھا تو ہے لیکن اوس کے نام اور دوسرے اوصاف سے واقفیت نہیں "جو صاحب جلسہ کے پریسیڈنٹ تھے مولوی ضیاءالدین ہیں۔

۲۔ خاص نام لینے سے کراہت آتی ہے۔

جو کچھ زخم سے نکلے فوراً پونچھ ڈالو۔ یعنی لہو اور پیپ۔

۳۔ کسی شخص کی بدطینتی یا کوئی بری خصلت ظاہر کرنی مقصود ہو۔ خالد جو کبھی ہمارے ہاں نوکر تھا ہمارا مقابلہ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ نمک حرام اور بے وفا ہے۔

۴۔ ڈرانا اور دھمکانا مراد ہو۔

جس کسی کو اپنی قوت پر گھمنڈ ہو سامنے آجائے۔

اصل مقصد زید سے ہے لیکن نام نہیں لیا۔

۵ - مخاطب کو تنبیہ کرنی یا اوسکی غلطی ظاہر کرنی مقصود ہو ـ
جن صاحب کو تم بہت مقدس سمجھتے تھے - بڑے بد معاش نکلے - مراد شیخ فاضل سے ہے جس کو متکلم اور مخاطب دونوں جانتے ہیں مگر نام نہیں لیتے -

۶ - خبر کی اہانتِ شان مقصد ہوتی ہے -
جو شخص الف کے نام بے نہیں جانتا اس کتاب کا مصنف ہے -

اسماء اشارہ

اسماء اشارہ

اسم اشارہ وہ اسم مبہم ہے جس سے کسی شئے یا اوسکے اسم کی طرف اشارہ کریں اشارہ قریب یا دور کی شئے کی طرف ہوسکتا ہے اوس شخص یا شئے یا شخص کو جسکی طرف اِشارہ کریں مشار الیہ کہتے ہیں -

"یہہ" اشارہ قریب یا حاضر کے لئے اور وہ اِشارہ بعید یا غائب کیلئے بولا جاتا ہے

یہ کہے صلِ علیٰ وہ کہے سبحان اللہ
دیکھیں چہرے پہ جو تیرے مہ واختر سہرا

مسندالیہ کو معرف بہ اسم اشارہ کرنے سے بہت سے بلیغ فائدے حاصل ہوتے ہیں -

ا - مسندالیہ کی تمیز کامل طور پر ہو جائے اور سامع اوس کو خوب پہچان لے -

اب سبب کیا ہے کہ کانٹا سا کھٹکتا ہے ذکی
یہ وہی دل ہے کہ رہتا تھا سدا انکھوں میں

الٰہی یہہ بہادر شاہ شاہ ہفت کشور ہو -

۲ - مسندالیہ کی تعظیم یا تحقیر ظاہر ہوتی ہے -

تحقیر	وہ بھی تھی ایک سیمیا کی سی نمود جورات کو دیکھی تھی -
صبح کو راز مہ و اختر کھلا -

تعظیم	وہ کہ جس کی صورت تکوین میں	مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے
عقدۂ احکام پیغمبر کھلا

تنظیم
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے

تحقیر
اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے (غالب)

۳۔ مسندالیہ سے کوئی بات مختص ہوتی ہے اور مخاطب یا تو اوس سے واقف نہیں ہوتا یا اوس کو بھول جاتا ہے تو مخاطب کو جتانے یا اوس کو یاد دلانے کے لئے اسم اشارہ لاتے ہیں اور اوس کے بعد لفظ "جو" یا "کہ" لاکر اوس کو موصولات کے حکم میں داخل کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
یعنی وہ ہے وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
مجھے دفن کر چکو جس گھڑی تو یہ اوس سے کہنا کہ اوپری
وہ جو تیرا عاشق زار تھا تہہ خاک اوس کو دبا دیا

۴۔ کسی امر کی علت یا وجہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

وہ چیز جس کیلئے ہے ہمیں بہشت عزیز   سوائے بادۂ گلفام مشک بو کیا ہے

۵۔ مسندالیہ کو کسی وصف سے متصف کر کے اوس کو مشارٌالیہ بناتے ہیں اور پھر کسی اسم اشارہ سے اوس کی طرف اشارہ کر کے کوئی امر اوس کے متعلق بیان کرتے ہیں

جو کہ ظالم ہیں وہ ہرگز پھولتے پھلتے نہیں۔

۶۔ مشارٌالیہ پر اگر رحم کا اظہار کرنا یا اوس کی مذمت کرنی مقصود ہو تو بعض دفعہ اسم اشارہ حذف کر دیتے ہیں لیکن بجائے اسم اشارہ کے کوئی اسم صفت لاتے ہیں

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو بے چارہ کیا کرے

بجائے وہ بے چارہ کہا۔

مر گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں
بے وفا پوچھے ہے کیا دیر ہے لیجانے میں

اِضافت

اضافت

غلام زید۔ غلام مضاف۔ زید مضاف الیہ۔ زیر جو میم کے نیچے ہے اِضافت
اردو میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے۔ مضاف اوس کے بعد۔ زید کا غلام۔ زید مضاف الیہ
غلام مضاف کا حرف اضافت۔ اِضافت کا فایدہ یہ ہے کہ مختصر لفظوں میں کسی معنی کو
ادا کرتی ہے۔ بکر کا مکان۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مکان جس کا مالک بکر ہے۔
اِضافت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جو صرف و نحو کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں انکا
یاد کرنا فائدے سے خالی نہیں۔

اردو میں کا۔ کے۔ کی۔ را۔ رے۔ ری۔ نا۔ نے۔ نی حروف اضافت ہیں۔
اضافت کے فائدے حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ مسندالیہ کی تفصیل جہاں محال ہو تو اوسکو کسی اسم کے ساتھ مضاف کر دیتے ہیں
علماء علم ہئیت کی رائے میں کسوف و خسوف زمین اور چاند کے سایہ سے پیدا
ہوتا ہے۔ کل علما کے نام لکھنے محال تھے اس لئے مختصراً اون کو علماء علم ہئیت سے تعبیر کیا

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ
تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں

۲۔ مسندالیہ کی تعداد ظاہر کرنی ناممکن ہو۔
حاکم وقت کی ظالمانہ کارروائیوں کی وجہ سے اہل ملک بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔

کل اہل ملک کے نام تبلانے ناممکن ہیں۔

۳۔ جس جگہ تفصیل کی حاجت نہ ہو تو وہاں بھی کسی اسم کے ساتھ مضاف کردینے سے کام چل جاتا ہے۔ ڈیپوٹیشن میں شہر کے بڑے بڑے رئیس شریک تھے۔

تنکیر

نکرہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو کسی خاص شخص یا شئے کا نام نہ ہو بلکہ اوس کا اطلاق ایک نوع یا جنس کی ہر فرد پر ہو سکتا ہو۔ احمد اسم معرفہ یعنے شخص معین کا نام ہے لیکن انسان اسم نکرہ ہے اسی طرح ہمالیہ اسم معرفہ اور پہاڑ اسم نکرہ ہے۔

اردو میں تنکیر کے حروف کوئی۔ ایک۔ جو۔ ہر۔ وغیرہ ہیں ہر۔ اور جو حصر کے واسطے آتے ہیں اور جو لفظ اون کے بعد آتا ہے وہ جنس کا حکم رکھتا ہے۔ جو پیدا ہوا ہے مریگا۔ تمام پیدا ہونے والے ایک جنس میں ہیں۔ ہر بلا سے خدا بچائے۔ تمام بلائیں ایک جنس میں ہیں۔ حصر تکرار کلمہ سے بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ گلی گلی چھان ماری مگر بچے کا پتہ نہ ملا یعنی ہر گلی پتہ پتہ خدا کی حمد کرتا ہے یعنے ہر پتہ۔

اب تنکیر کے فایدے سنو۔

۱۔ افراد مسندالیہ میں سے اگر ایک فرد کا ذکر منظور ہو تو تنکیر لاتے ہیں۔

اگر پوچھے کوئی مجھ سے تو کیوں نالاں ہے میں کہدوں
محبت سے محبت سے محبت سے

یعنی تمام اشخاص میں سے کوئی ایک شخص مجھ سے پوچھے۔

۲۔ عظمت اور بزرگی ظاہر کرنے کے لئے۔

حروف تنکیر میں سے حرف "ایک" لاتے ہیں۔

یہ جو چشم پر آب ہیں دونو ایک خانہ خراب ہیں دونو

یعنی بڑی خانہ خراب ہیں۔

۳۔ تنکیر سے نیا شخص مراد ہوتا ہے۔

کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا   نہ ہے تو کسی کا نہ ہوگا کسی کا

۴۔ اسم معرفہ کو بطور نکرہ استعمال کرتے ہیں اور اس سے اوس خاص صفت کا اظہار مراد ہوتا ہے جس میں وہ شخص (جس کا نام اسم معرفہ سے لیا گیا ہے) مشہور ہے فوج شاہی کا ہر ایک سپاہی رستم ہے یعنے بڑا بہادر ہے۔ ایں خانہ تمام آفتاب است یعنے ہر شخص روشن خیال ہے۔

۵۔ تنکیر سے تاکید کا اظہار مقصود ہو۔ جیسے انصرام امور کی کوئی نہ کوئی صورت نکالنی چاہیئے۔

مسندالیہ موصوف

حسب ذیل صورتوں میں مسندالیہ کو کسی صفت کے ساتھ موصوف کر دیتے ہیں۔

۱۔ صفت اتفاقی طور پر بیان ہو جائے۔

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے   یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے

مقصد مے سے ہے خواہ کسی رنگ کی ہو۔ گلفام اتفاقی طور پر بیان ہوا۔

۲۔ صفت کسی خصوصیت کی وجہ سے بیان کی جائے یا مسندالیہ کی تخصیص کرے

ذوق زیبا ہے جو ہو ریش سفید شیخ پر
وسمہ آب تیغ سے ہندی مے گلرنگ سے

یہاں مے گلرنگ ہونا ضرور ہے تاکہ شیخ کی داڑھی پر مہندی کا کام دے۔ آب بھی تیغ کا ہونا چاہیئے۔ کہ سبز رنگ ہونے کی وجہ سے وسمہ بن سکے۔

۳۔ صفت مسندالیہ کی شرح کے واسطے بیان کی جائے۔ شاہ دیندار نے شفا پائی بادشاہ کے اعتقادات کی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ دیندار ہے۔

۴۔ مسندالیہ کی مدح یا مذمت مقصود ہو۔

زید عالم آیا۔ بکر جاہل گیا۔

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا   کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

تمنے صرف ونحو کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ صفت کے تین درجے ہیں تفضیل نفسی تفضیل بعض تفضیل کل۔ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ تفضیل بعض کی جگہ تفضیل کل اور کل کی جگہ بعض استعمال نہ کی جائے۔

بعض صفتیں ایسی ہیں کہ اون کی تفضیل نہیں ہوتی کیونکہ پہلے ہی سے اون کی حد ایسی مطلق ہوتی ہے کہ اون میں کمی وبیشی کا خیال نہیں ہوسکتا۔ ان کے ساتھ الفاظ بہت یا تھوڑا کم یا زیادہ لگانا بے معنی ہے۔ مثلاً

یکتا۔ کامل۔ انتہائی۔ متفق۔ مربع۔ گول وغیرہ کہ یہ کم وبیش نہیں ہوسکتے جو چیز یکتا ہے وہ بہت یکتا یا کم یکتا نہیں ہوسکتی۔ گول شئے یا گول ہوگی یا نہ ہوگی۔ بہت گول یا کم گول کہنا مہمل بات ہے۔

صفت متعلقات فعل اور تمام جملہ ہائے معترضہ کی نسبت یہ بات دیکھنے کی ہوتی ہے کہ اون کو کس مقام پر رکھیں کہ تعقید یا ابہام نہ پیدا ہو۔ جملہ ہائے معترضہ۔ متعلقات فعل وغیرہ کلام تام نہیں ہوتے بلکہ کسی جملے کا جزو ہوتے ہیں اور اکثر کلام میں تعقید اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ جملے اپنے مناسب مقام پر نہیں ہوتے۔

جب صفت اور موصوف کے درمیان کوئی جملہ یا دوسرا اسم آجائے تو وہ صفت کو چرالیتا ہے اسی طرح اگر کسی متعلق فعل اور فعل کے درمیان کوئی جملہ یا دوسرا فعل آجائے تو وہ متعلق فعل کو چرالیگا۔ ایسی حالتوں میں جملوں کی ترکیب میں غلطی ہوجاتی ہے۔

کل رات سالانہ استادوں کی مجلس منعقد ہوئی۔

کل رات استادوں کی سالانہ مجلس منعقد ہوئی۔

تھیٹر میں قابل دید تپلیوں کا تماشہ ہوگا۔

تھیٹر میں تپلیوں کا قابل دید تماشہ ہوگا۔
ہرگز انکار کرنا زیبا نہیں ہے۔
انکار کرنا ہرگز زیبا نہیں ہے۔

عطف

عطف

عطف کے معنے ہیں دو لفظوں یا جملوں کو ایک حالت میں ملانا۔ حروف عطف کی تفصیل اور اون کی قسمیں قواعد اردو کی کتابوں میں دیکھنی چاہئیں۔ یہاں ہم اون کے چند فائدے بیان کرتے ہیں۔

۱۔ عطف سے کلام مختصر ہوجاتا ہے مسندالیہ کئی ہوں تو بھی مسند ایک ہی رہتا ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے　　اوس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

۲۔ کبھی مسندالیہ ایک اور مسند کئی ہوتے ہیں۔

زید نے کتاب پڑھی۔ اخبار پڑھا۔ خط لکھا اور چاء پیکر دفتر چلا گیا۔

۳۔ سامع کو شک میں ڈالنا مقصد ہوتا ہے۔

زید کی آواز تھی یا بکر کی۔

آواز کی تخصیص نہیں کرسکتے۔

۴۔ مخاطب کو مختار کردیتے ہیں۔

روپیہ لو یا مکان دونو نہیں لے سکتے۔

۵۔ عطف اباحت کے واسطے کیا جائے۔

قلم چاہیئے یا دوات۔ اس صورت میں اختیار ہے کہ مخاطب دونوں مانگ لے۔

۶۔ کمال اتحاد یا منافات کی صورت میں معطوف اور معطوف الیہ پر اکتفا کرتے ہیں اور مسند کو حذف کردیتے ہیں۔

اتحاد۔ ہم ہیں او رسایہ ترے کوچہ کی دیوار دونکا　　کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا　(ذوق)

منافات
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا
میں اور خط وصل خدا ساز بات ہے
جان نذر کرنی بھول گیا اضطراب ہیں (غالب)

یعنے مجھ میں اور خط وصل میں کمال منافات ہے۔

۷۔ عطف سے التزام ظاہر ہوتا ہے۔

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

تیرے واسطے وہ لازم ہے اور میرے واسطے یہہ۔

۸۔ حصر

کل آپ کہاں ملینگے ؟ گھر یا دفتر

کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف

کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا اس بنا پر تھا کہ کلام مقتضائے ظاہر کے موافق ہو لیکن بعض اوقات کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف بھی ہوتا ہے اس کی بہت سی صورتیں ہیں جنمیں سے چند کا بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ مظہر کو مضمر کی جگہ استعمال کرنا۔

مثلاً کوئی بادشاہ اپنے تئیں لکھے۔ حضور حکم فرماتے ہیں یعنے ہم حکم دیتے ہیں مقصد یہ کہ سامع پر اپنا رعب اور شان ظاہر ہو۔

اظہار انکسار کے واسطے بھی۔ الٰہی یہ بندہ گنہگار ہے۔ یعنے میں گنہگار ہوں

۲۔ بجائے مفرد جمع کی ضمیروں کا استعمال۔

یا بعض دفعہ بجائے لفظ واحد جمع استعمال کرنا بھی مقتضائے حال کے خلاف ہوتا ہے

تم ایسے کہاں کے تھے کھرے اور وعدے کے | کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
مخاطب ایک شخص ہے مگر تم کہا۔

کہا ہونے سوتوں سے اپنے کہو | فقیروں کو چھیڑو نہ دیجئے اور دعا فقیروں
مطلب یہ ہے کہ مجھے مت چھیڑ میں فقیر ہوں۔

۳۔ ضمیر بے مرجع ذکر کرنا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے | کبھی ہم اون کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
ضمیر بے مرجع ایسے موقعہ پر استعمال ہوتی ہے کہ یہ فرض کرلیا جائے کہ مرجع سامع کے ذہن میں حاضر ہے۔

۴۔ اضمار قبل الذکر یعنے پہلے ضمیر استعمال کرنا اور اوس کے بعد مرجع کا نام لینا اس سے مقصد سامع کا مشتاق کرنا ہوتا ہے۔ غالب

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم | دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

۵۔ استطراد۔ ایک کلمہ از دواج کے ساتھ ذکر کرنا۔ اور اس سے صرف ایک سے مطلب رکھنا زید کے بھلے برے سے تجھے مقصد نہیں۔

۶۔ التفات اول کلام بطور تکلم یا خطاب یا غیبت بولا جائے اور پھر برخلاف مقتضائے ظاہر طرز کلام بدل دیا جائے بشرطیکہ مخاطب ایک ہو۔

غالب بہادر شاہ کی مدح میں لکھتے ہیں۔

مہر کا پنجۂ خورشید چمک کھل گیا | بادشاہ کا رایت لشکر کھلا
بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب | اب علو پایۂ منبر کھلا
شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ | اب مآل سعی اسکندر کھلا
ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے | دفتر مدح جہاں داور کھلا

اب تک ذکر بطور غیبت تھا یہاں سے خطاب کی طرف التفات کرتے ہیں۔

جانتا ہوں ہے خط لوح ازل / تم پہ اے خاقان نام آور کھلا
تم کرو صاحبقرانی جب تلک / ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

التفات خطاب سے تکلم کی طرف

شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے / یہ بھی مت کہ جو کہئے تو گلا ہوتا ہے
پر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا / اک ذرا چھیڑئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

پہلا شعر خطاب میں ہے اور دوسرا تکلم میں۔

التفات خطاب سے غیبت کی طرف۔

تو چھوڑ مجھے چلا گیا دل / ہے اوس سے زیادہ بے وفا دل

اسی طرح پر دوسری مثالیں سمجھ لینی چاہئیں۔

۷۔ کلام کو برخلاف مراد متکلم حمل کرنا۔

ایک شخص نے پوچھا یہ پلنگ کاہے کا ہے (یعنی کس قسم کی لکڑی کا ہے) مخاطب نے جواب دیا سونے کا ہے (یعنے طلا کا بنا ہوا ہے)۔ آپ نے کتنا میوہ کھایا۔ مراد مقدار سے ہے۔ من بھر کھایا۔ یعنے خوب سیر ہو کر۔ دراصل یہ ایک قسم کی صنعت ایہام ہے اس کی پوری کیفیت علم بدیع میں دیکھو۔

۸۔ قلب۔ ایک جزو کلام کو دوسرے جزو کلام کی جگہ رکھدینا۔ نظم میں ایسی صورت اکثر پیش آتی ہے اور بعض دفعہ اس سے تعقید لفظی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ نیمچہ مول ورہ یا تکا جوان لینے لگا۔

موت کے جی میں مزے یہ ناتوان لینے لگا۔ (ذوق)

مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھئے / داغ طرف جگر عاشق شیدا کہئے۔

سر انگشت مسی آلودہ (غالب)

۹ تجرید کسی لفظ کے معنے کے ایک حصہ کو لفظ سے خارج تصور کیا جائے

اور پھر وہی معنی دوسرے الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر کئے جائیں۔ اخلاق ذمیمہ۔ لفظ اخلاق میں نیک و بد دونوں کا مفہوم داخل ہے لیکن بدی کے حصہ کو اوس سے دور کیا اور لفظ ذمیمہ بڑھایا۔ تعظیم کے معنی ہیں کسی کو بڑا جاننا لیکن مصدری صورت کو اس سے جدا کر کے کہتے ہیں تعظیم کرنا۔ اسی طرح ایک اسم کو جو در اصل جمع ہے مفرد تصور کر کے اوس کی پھر جمع بنانا۔ اہالیان دفتر۔ اہالی خود جمع اہل ہے۔ اسی طرح افکارات وجوہات وغیرہ بولے جاتے ہیں۔




باب نعت

لکچر (۶)

مسند کا بیان

مسند کا حذف

مسند کا حذف کرنا بھی اوسی مقصد سے ہوتا ہے جس لئے مسند الیہ کو حذف کرتے ہیں یعنی

(۱) مسند کا بیان کرنا عبث ہو - کون آیا ؟ زید یعنی زید آیا -

(۲) کوئی ایسا قرینہ ہو جو مسند پر دلالت کرے -

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہہ　　اے شب ہجر تیرا کالا منہہ

یعنے کالا منہہ ہو

(۳) کثرت استعمال سے اوس کو ہر شخص جانتا ہو -

مزاج شریف . یعنے آپ کا مزاج کیسا ہے -

(۴) مسند کا ذکر نہ کرنا کسی وجہ سے مناسب ہو -

مثلاً اوس کے بیان سے کراہیت یا شرم آتی ہو -

زید پیکر آیا ہے یعنے شراب پیکر آیا ہے -

(۵) اگر مسند واجب الستر ہو تو بعض دفعہ اوسکی طرف فقط اشارہ ہی کر دیتے ہیں

کل واقف کار اپنے سے کہتا تھا وہ بات　　جراءت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

کیا جانئے کمبخت نے کیا ہم پہ کیا سحر　　جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

بازار جاؤ تو وہ بھی لیتے آنا - یعنے کوئی ایسی شئے جسکو سب کے سامنے نہیں کہتے

شرط

شرط

بعض حالتوں میں کلام میں مسند کو شرط کے ساتھ مقید کر دیتے ہیں - اس مقید

کرنے کا فائدہ بہ لحاظ حروف شرط کے ہوتا ہے۔

حروف شرطیہ ہیں گر یا اگر زمانہ آیندہ میں کسی امر کے واقع ہونے یا نہ ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

گر آج بھی وہ رشک مسیحا نہیں آتا جینا ہمیں اصلا نظر اپنا نہیں آتا

بعض دفعہ کلمہ اگر ایسے موقع پر بھی مستعمل ہوتا ہے کہ متکلم کو کسی امر کے واقع ہونے یا نہ ہونے کا یقین تو ہے لیکن کسی وجہ سے (جیسے شدت یاس وہراس) وہ اوس میں شک کرتا ہے۔

رات کو کیا ہو سکتا ہے اگر صبح ہو جائے تو سارے کام درست ہو جائیں

صبح تو ضرور ہو گی لیکن حالت اضطراب میں اوس کے وقوع میں شک پڑ گیا۔

لفظ جو اگر زمانہ استقبال کی نسبت بولا جائے تو اگر کا ہی حکم رکھتا ہے۔

تو جو آجائے تو اے درد محبت کی دوا میرے ہمدرد ہوں ہمدرد نصیحت والے

یار کا آنا یہاں یقینی نہیں ہے لیکن لفظ جو اگر زمانہ ماضی یا حال کیلئے آتا ہے تو یقین کے معنے ظاہر کرتا ہے۔

کبھی سوائے شرط کے صلہ کے واسطے آتا ہے۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جب یقین کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔

جب تو چلے جنازہ عاشق کے ساتھ ساتھ پھر کون وارثوں کے سنے اذن عام کو

جب اور جس وقت تعین زماں کے لئے آتے ہیں۔

جب وہ آئیں تم آؤ جس وقت تم آؤ مجھے بلا لو۔

حرف شرط کبھی محذوف بھی کردیتے ہیں اور یہ اکثر ہوتا ہے۔

کسی کو بخشش کو دیتا تو اوسے بھی سود ہوتا دل سخت کا ش کافر حجر الیہود ہوتا

یعنے اگر کسی نجکلش کو دیتا۔

معرفہ

معرفہ

مسندالیہ کو معرفہ اوس مقام پر لاتے ہیں کہ سامع مسندالیہ کو علی التعین نہ جانتا ہو۔ اور متکلم اوس کو آگاہ کرنا چاہے۔ تیرا بھائی زید ہے۔

نکرہ

مسندالیہ کی تنکیر واسطے تعظیم یا تحقیر کے ہوتی ہے۔

زید دانا آدمی ہے زید جاہل شخص ہے۔

مسند کی تقدیم

مسندالیہ پر مسند کی تقدیم ایسے موقعہ پر ہوتی ہے کہ مسند کا بیان اہم ہو قتل کیا گیا زید۔ کیونکہ وہ ظالم تھا۔ یا مسندالیہ کا شوق دلانا مقصود ہو۔ کیا خوب میٹھے ہیں آم۔

مسند سببی و فعلی

مسند سببی و فعلی

مسند کی دو قسمیں ہیں ایک فعلی دوسرے سببی مسند فعلی تو وہ ہے کہ اوسمیں اسناد بلا واسطہ ہو۔ زید کھڑا ہے۔ عمرو شاعر ہے۔ کھڑے رہنے اور شعر کہنے کی صفت زید اور عمر کی ذات کو حاصل ہے۔ مسند سببی وہ ہے جس میں اسناد بہ واسطہ ہے زید بڑے امیر کا بیٹا ہے۔ زید کی عظمت اوسکے باپ کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

مسند منفی

مسند کبھی ظاہر میں منفی ہوتا ہے اور در اصل اوس سے نفی مقصود نہیں ہوتی۔ اس شہر میں کیا رکھا ہے۔ تم دلی نہ چلے جاؤ۔ یعنے دلی چلے جاؤ۔ وہ آپ کے چچا نہیں ہیں؟ محمود! کس قدر بے وقوف آدمی ہیں۔ یعنے آپ کے چچا محمود کس قدر بے وقوف آدمی ہیں۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی۔

یہ صفت نفی قلت مقدار یا قلت زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔

حذف

کلام میں کبھی مسند الیہ اور مسند دونو حذف کر دیتے ہیں۔

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
قاصد سے وہ ہر بار کہے جائیں کہ ہاں اور (غالب۔)

یعنے ہاں تو اور مار

زمانہ

مسند یا فعل کے ساتھ زمانہ کا بیان بھی قابل لحاظ ہے فقرے میں اصل فعل کو دیکھو اور جس زمانہ سے وہ تعلق رکھتا ہے اوسی کو بیان کرو۔

زید نے عمرو کو ایک تقریب پر شرکت کی دعوت دی۔ عمرو جواب میں لکھتا ہے "مجھے آپ کی دعوت قبول کرنے سے خوشی ہوگی" دعوت عمرو نے اب قبول کی ہے اور خوشی بھی اوس کو اوسی وقت ہوئی ہے لہذا یوں لکھنا چاہیئے۔ "میں خوشی سے آپ کی دعوت قبول کرتا ہوں" یا مجھے آپ کی دعوت قبول کرنے سے خوشی ہے۔

جو امور کلیتہً صحیح مانے جاتے ہیں ہمیشہ زمانہ حال میں بیان کئے جاتے ہیں اگرچہ واقعات کسی اور زمانہ میں ظہور پذیر ہوے ہوں مثلاً "مذہب کا اثر بہ نسبت قانون کے اثر کے لوگوں کو منہیات سے زیادہ مجتنب رکھتا ہے"

کسی زمانہ کا ذکر ہو فعل حال میں استعمال ہوتا ہے۔

گزشتہ واقعات کو بعض اوقات اس طرح بیان کرتے ہیں گویا وہ اس وقت

پیش آرہے ہیں اور اون کے لئے فعل حال استعمال کیا جاتا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ
مخاطب کی نظر کے سامنے واقعات کی تصویر کھینچ جائے اور وہ یہ سمجھے گویا وہ اس وقت
اوس منظر کو دیکھ رہا ہے۔ اسے ہسٹوریکل پریزنٹ
کہتے ہیں اس قسم کے بیان میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اصل واقعہ کے متعلق جو زمانہ
بیان کر رہے ہیں اوس کے متعلق تمام کیفیتیں اور حالات اوسی زمانہ میں بیان کریں
یہ نہیں کہ ایک فقرے میں فعل حال ہو اور دوسرے میں ماضی۔



لکچر (۷)

متعلقات فعل

فعل لازم و متعدی

فعل دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو لازم یعنے ایسا فعل جو فاعل ہی پر تمام ہو جائے اور مفعول کو نہ چاہے۔ احمد گیا۔ محمود آیا۔ دوسرے فعل متعدی جو فاعل کے علاوہ مفعول کو بھی چاہتا ہے احمد نے مارا۔ دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کو مارا۔ احمد نے محمود کو مارا اب خاطر جمع ہوئی۔

بعض فعل دو مفعول کو چاہتے ہیں اون کو متعدی المتعدی کہتے ہیں میں نے محمود کو دودھ پلایا۔ محمود اور دودھ دونوں مفعول ہیں اسی طرح خالد نے حامد کو کتاب دی

کلام میں عموماً فاعل فعل اور مفعول کا بیان ہوتا ہے جب معنی سمجھ میں آتے ہیں لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفعول کا ذکر نہیں کرتے۔ اور قرینہ سے اسکو پہچان لیتے ہیں

(۱) اگر صرف فعل کی نفی یا اثبات مقصود ہو اور مفعول مذکور نہ ہو تو فعل متعدی کو بمنزلہ لازم کے بنا لیتے ہیں۔

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

یعنے ہم کو نہ چھیڑ۔

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

پڑھایا فعل متعدی ہے۔ علم محذوف ہے۔

(۲) فعل کو معہ مفعول کے حذف کر دیتے ہیں۔ اور معطوف پر اکتفا کرتے ہیں۔ تلوار پشت زین تک پہونچی۔ یعنے تلوار نے سوار کو کاٹا اور پشت زین تک پہونچی۔

(۳) کبھی کوئی فعل صرف تمہید کلام کے لئے آتا ہے۔ اور اس صورت میں بھی مفعول کا نام نہیں لیتے مثلاً لو اور سنو یعنے بات سنو۔

(۴) مقام خطاب میں مفعول کو حذف کر دیتے ہیں۔ اور قرینہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ کتاب کہاں رکھوں؟ میز پر رکھدو۔ رکھدو کا مفعول کتاب ہے۔

(۵) متکلم اور مخاطب دونوں کو مفعول معلوم ہو۔ تو مفعول کا نام نہیں لیتے۔

بے طلب دیں تو مزا اسمیں سوا ملتا ہے۔ وہ گدا جس میں نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

دین کا مفعول مذکور نہیں معہود ذہنی ہے۔

(۶) خوف دلانے کے موقعہ پر بھی مفعول کو حذف کر دیتے ہیں۔ ایسا مارونگا کہ ہڈیاں پسلیاں ایک ہوجائینگی یعنے تجھ کو مارونگا یا اوس کو مارونگا۔

(۷) مفعول کا نام لینا باعث نفرت یا شرم ہو تو بھی اوس کا نام نہیں لیتے۔

پینی چھوڑ دو یعنے شراب پینی چھوڑ دو۔ میر اثر فرماتے ہیں۔

ہاتھا پائی میں ہانپتے جانا کھلتے جانے میں ڈھانپتے جانا

مفعول کی تقدیم

مفعول کا نام فعل کے بعد لیا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی مفعول کو مقدم کر دیتے ہیں

شریف مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ
یہ میراب جو گدا ہے شراب خانہ کا

شریف مکہ کا ذکر بہ سبب عظمت و بزرگی کے پہلے کیا۔

(۲) تخصیص کے واسطے

اوس کو خبط ہو گیا ہے تمھیں دیا ہے۔

(۳) تقدیم مفعول سے حصر کا فائدہ پیدا ہوتا ہے۔

اوسی کا ہے کعبہ اوسی کی کنشت اوسی کی ہے دوزخ اسی کی بہشت

یعنی اور کسی کی نہیں۔

حصر سے کبھی تعلیم وتنزل کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی ۔ میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

ظرف

کبھی ظرف کو مقدم کر لیتے ہیں اس لئے کہ ظرف کا عظیم الشان ہونا ظاہر کیا جائے

مسجد میں اس نے ہم کو آنکھیں دکھا کے مارا
کافر کی دیکھو شوخی گھر میں خدا کے مارا

(۳) ظرف کا ذکر صرف تاکید کے واسطے کرتے ہیں۔ سر سے پا تک شرارت ٹپکتی ہے۔

ما اقدر عالمہ علی شریط التقسیر

کلام میں بعض دفعہ پہلے ایک فعل کو محذوف کر دیتے ہیں اور پھر اس کا ذکر کرتے ہیں اس سے مطلب تاکید اور سامع کو کسی امر کا یقین دلانا ہوتا ہے۔

زید۔ وہ تو بڑا شریر ہے۔



لکچر (۸)

قصر

قصر کی تعریف

ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مخصوص کرنے کو قصر کہتے ہیں مثلاً عالم الغیب تو خدا ہی ہے یعنے علم غیب خدا کے لئے خاص ہے۔

قصر کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

ہی۔ تو۔ سوائے۔ بجز۔ جز۔ بدوں۔ بن۔ بغیر۔ صرف۔ محض۔ فقط

ہی
مجھے دیکھا تو فرمایا تمھیں کو داغ کہتے ہیں
تمھیں ہو ماہ کامل میں تمھیں ہتے ہو لالہ میں

فقط
فقط کان میں ایک بالا پڑا تھا
کہے تو کہ تھا مہ کے ہالا پڑا تھا

سوائے
سوائے خون نہیں قسمت میں کاتب تقدیر
بجائے خامہ ترے ہاتھ میں تھی کیا شمشیر

جز
نہیں جز شمع مجاور مرے بالین مزار
نہیں جز کثرت پروانہ زیارت والے

بدوں
ترے بدوں نہیں سیر بوستاں منظور

ہی
آج اک پگڑی ہوئی تھی میکدے میں بن بنے
ذوق یہ تیری ہی دستار فضیلت ہو تو ہو

علی ھذاہ القیاس۔

قصر حقیقی

بعض خصوصیتیں ایسی ہیں کہ وہ ایک ذات سے تعلق رکھتی ہیں اور ہمیشہ اوسیمیں پائی جاتی ہیں

جیسے آگ میں حرارت۔ انسان میں نطق۔ ان کو قصر حقیقی کہتے ہیں لیکن بعض خصوصیتیں ایک شئے میں کسی دوسری شئے کی اضافت اور نسبت کے لحاظ سے ہوتی ہیں اور ایسی خصوصیتیں جائز ہے کہ اور چیزوں میں بھی پائی جائیں۔ زید تو بڑا عالم ہے۔ زید میں علم کی خصوصیت پائی گئی لیکن یہ خصوصیت صرف زید کی ذات پر محدود نہیں ہے بہت سے لوگ عالم ہوتے ہیں اس کو قصر غیر حقیقی یا قصر اضافی کہتے ہیں پھر قصر حقیقی اور غیر حقیقی کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک قصر موصوف کا صفت پر دوسرے صفت کا موصوف پر۔ قصر حقیقی

قصر موصوف کا صفت پر تو یہ ہے کہ موصوف میں سوائے اس وصف کے دوسری صفت نہ پائی جائے اگرچہ یہ صفت دوسری چیزوں میں بھی ہو۔ زید تو صرف شاعر ہے۔ پانی فقط مسکن عطش ہے یعنے زید میں صرف شاعری کی اور پانی میں صرف پیاس بجھانے کی صفت ہے۔ اس قسم کا حصر اگرچہ کلام میں رایج ہے لیکن درحقیقت غلط ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کسی شئے میں سوائے ایک صفت کے دوسری خواص ہوں ہی نہیں۔

قصر صفت کا موصوف پر یہ ہے کہ یہ صفت سوائے اس موصوف کے دوسرے میں نہیں پائی جاتی اگرچہ اس موصوف میں اور صفات بھی ہوں۔ علیم و بصیر خدا ہی ہے۔ پیغمبر ہی وحی سے مستفیض ہوتے ہیں۔ انسان ہی ہنستا ہے۔ دراصل یہ قصر حقیقی ہے۔

قصر حقیقی کو مبالغہ کے طور پر اس طرح بھی بیان کرتے ہیں گویا ذات موصوف میں سوائے اوس صفت کے اور کوئی صفت نہیں ہے۔ مولوی صاحب تو نرے کتاب کے کیڑے ہیں یعنے سوائے مطالعہ کتب کے دوسرے خواص اونمیں سے معدوم ہوگئے ہیں۔

قصر کئی طرح کا ہوتا ہے:۔

قصر افراد مخاطب دو موصوفوں کو ایک وصف میں شریک خیال کرتا ہے لیکن متکلم قصر افراد
قیاس شرکت کو دور کردے۔ مثلاً ایک شخص کو خیال ہو کہ زید و عمر دونوں بی۔ اے ہیں متکلم کہے صرف عمرو بی۔ اے ہے۔ لیکن یہ صفات باہم منافی اور متبائن ہونے چاہییں

قصر تعین۔ مخاطب کو ایک وصف میں دو شخصوں کی شرکت کا اعتقاد تو نہ ہو لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کونسا شخص اس صفت سے موصوف ہے اور متکلم اوس کا تعین کر دے۔ مخاطب کو اشتباہ ہے کہ اس کتاب کا مصنف زید ہے یا بکر متکلم نے تعین کر دیا کہ زید مصنف ہے اور اس طرح وہ اشتباہ رفع ہو گیا۔

قصر قلب قصر قلب مخاطب کا اعتقاد متکلم کے اعتقاد کے خلاف ہو اور متکلم اوسکی تصحیح یا تردید کر دے مثلاً مخاطب جانتا تھا کہ آفتاب زمین کے گرد پھرتا ہے متکلم نے ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد پھرتی ہے۔ قصر قلب میں یہ ضرور ہے کہ مخاطب اور متکلم کے اعتقادات میں تقابل پایا جائے مثلاً زید مصنف ہے یا زید کاتب ہے۔ مصنف اور کاتب میں تقابل نہیں بلکہ مصنف اور غیر مصنف۔ کاتب اور غیر کاتب میں تقابل ہے۔

عطف قصر کے طریقوں میں سے ایک عطف ہے جو کلمہ نہ کے ساتھ آتا ہے جیسے زید کالا ہے نہ گورا۔ زید ناظم ہے نہ نثار

دوسرے استثناء

نہ آیا خاک بھی رستہ سمجھ میں عمر رفتہ کا
مگر سمجھے تو داغ معصیت کو نقش پا سمجھے

مستثنیٰ منہ خاک اور استثناء مصرع ثانی ہے کلام میں مستثنیٰ منہ مستثنیٰ سے مقدم ہوتا ہے کیونکہ مستثنیٰ اوس سے پیدا ہوتا ہے لیکن کبھی آخر میں بھی آتا ہے۔

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد   کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں   (غالب)

کوئی مستثنیٰ منہ اور تیرے مستثنیٰ۔ مستثنیٰ عظیم الشان تھا اسوجہ سے اس کا ذکر مقدم کیا گیا مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ عموماً ایک جنس سے ہوتے ہیں۔ سب لوگ آئے لیکن زید نہ آیا اور کبھی غیر جنس سے بھی ہوتے ہیں۔

سب گئے صبر و ہوش و تاب و تواں   لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

لکچر (۹)

انشاء

شائیہ

جملہ انشائیہ کئی طرح کا ہوتا ہے بعض سے تعجب کے معنے پائے جاتے ہیں کسی میں قسم ہوتی ہے کسی میں خرید و فروخت کے الفاظ ہوتے ہیں ان تمام اقسام سے علم معانی کو سروکار نہیں۔ علم معانی کو صرف ایسے کلام سے مطلب ہے۔ جسمیں کسی طرح کی طلب و خواہش استفہام امر و نہی۔ ندا۔ دعا پائی جائے۔

ظاہر ہے کہ طلب و خواہش ایسی چیز کی ہوا کرتی ہے جو حاصل نہ ہو حاصل کی طلب تحصیل حاصل ہے ایک طالب علم جو بی۔ اے کا امتحان پاس کر چکا ہے اوس امتحان میں کامیابی کی دعا نہیں کرتا۔ مردے کو کوئی نہیں کوستا کہ الہی مر جائے۔ غالب نے تحصیل حاصل کی مثال کیا خوب دی ہے۔

مانگا کرینگے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

چونکہ وصل یار کی دعا قبول نہیں ہوتی لہذا ہجر یار کی جو اب بھی حاصل ہے دعا مانگینگے تاکہ وہ ذہنی تکلیف جو بے اثری دعا سے پہونچتی ہے نہ پہونچے۔

حاصل تو وہی شئے ہوگی جو ممکن الحصول ہو ناممکن کی آرزو خواہ کوئی کتنا ہی سر مارے پوری نہیں ہوتی۔ ایک طالب علم نے اقلیدس خوب یاد کی ہے وہ آرزو کرتا ہے کہ مجھے اقلیدس کے پرچے میں پورے نمبر ملیں۔ یہ ممکن ہے لیکن اگر اوس نے اقلیدس سرے سے پڑھی ہی نہ ہو اور وہ یہ تمنا کرے کہ میں پورا پرچہ لکھ آؤں تو ایں خیال است و محال است و جنوں لیکن تمنا کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ انسان جھونپڑوں میں رہکر محلوں کے خواب

دیکھا کرتا ہے بلکہ وہ محال و ناممکن سب ہی کی تمنا کرتا ہے۔ ذوق کہتے ہیں۔

اس تپش کا ہے مزہ دل ہی کو حاصل ہوتا
کاش میں عشق میں سرتابقدم دل ہوتا

علم الاعضا، کس قدر مختصر رہ جاتا ہے کہ سارا جسم ایک دل ہے اور اوس کا فعل عشق کے مزے لینا۔ لیکن عموماً لوگ ایسی ہی چیزوں کی تمنا کرتے ہیں جو ممکن ہوں اگرچہ اون کا حصول سہل نہ ہو۔ غالب کہتے ہیں۔

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو　　کاشکے تم مرے لئے ہوتے
یہ ممکن ہے کوئی شخص ایک کا ہو رہے۔

تمنا کے الفاظ یہ ہیں۔ کاش۔ کاشکے۔ خدا کرے۔ اللہ کرے۔ خدا وہ دن کرے۔ شاید و مگر بھی ان معنوں میں آجاتے ہیں۔

کاش کی مثال سن چکے۔ اب دوسرے الفاظ کی مثالیں سنو۔

خدا کرے　　غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز
دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

خدا وہ دن کرے　　یا انکے آنے کا مقرر قاصد اوہ دن کرے
جو تو مانگے گا تجھے دونگا خدا وہ دن کرے

اللہ کرے　　اللہ کرے کہ تو بھی گرفتار عشق ہو۔
چھن جائے تیر آہ سے تیرا جگر کہیں

شاید　　تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

مگر　　مگر غنچہ ساں کچھ کھلے میرا دل
کہ غم نے کیا ہے مجھے مضمحل

کبھی لفظ تمنا حذف ہو جاتا ہے۔

سینہ چرخ میں ہر اختر اگر دل ہے تو کیا
ایک دل ہوتا مگر عشق کے قابل ہوتا

یعنی اے کاش ایک دل ہوتا۔

کبھی استفہام بھی تمنا کا فائدہ دیتا ہے ایک مظلوم کہتا ہے ارے یہاں کوئی خدا بھی ہے یعنی کاش وہی میری داد کو پہونچے۔

استفہام

استفہام سے مراد یہ ہے کہ متکلم کسی امر کی نسبت جس کو وہ نہیں جانتا ہے مخاطب سے خطاب کرے تاکہ مخاطب کے جواب سے آگاہی حاصل ہو۔ ایسی صورت میں استفہام جملہ خبریہ کے اقسام میں داخل ہو سکتا ہے ایسے استفہام کو استفہام استخباری کہتے ہیں۔

آپ کا کیا نام ہے؟ میرا نام احمد ہے لیکن علاوہ استخبار کے استفہام سے اور بھی فائدے ہیں مثلاً مخاطب سے اقرار کرانا۔ اجی حضرت آپ سے بہتر فقہ کا عالم کون ہے یعنے کوئی نہیں ہے اسکو استفہام اقراری کہتے ہیں یا مخاطب سے کسی امر کا انکار کرانا مثلاً کسی ایسے شخص کو جو شاعر نہ ہو یہ کہنا کیا آپ شاعر بھی ہیں؟ یعنے نہیں ہیں کیا دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے؟ یعنے نہیں یہ استفہام انکاری ہے۔

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا۔ ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا

یعنے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ استفہام انکاری میں مطلب اس قدر واضح ہوتا ہے کہ مخاطب بھی اوس کو جانتا ہے اور انکار نہیں کر سکتا۔

استفہام سے کبھی زجر و توبیخ مطلوب ہوتی ہے۔

تو کہے غنچے کہ اس لب پہ بڑی خوب نہیں؟
چپ کہ منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں

کیا تمھارا سر پھر رہا ہے؟ کیا شامت آئی ہے؟

استفہام تمسخر کے واسطے بھی آتا ہے؟ کیا خوب! چہ خوش

عشق و فردوری عشرت گہِ خسرو کیا خوب!
ہم کو تسلیم نکونامیٔ فرہاد نہیں

اظہار تاسف کے لئے۔

اب وہ زمانہ کہاں؟

مضمحل ہو گئے قوائے غالب   وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

اظہار تعجب کے لئے۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے!
کبھی ہم اون کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں!!

اظہار تعظیم کے واسطے۔

کیا خوفناک منظر ہے؟ کیا خوب روشنی ہے۔

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

اظہار تحسین کے لئے۔

کیا کہنا ہے۔ کیا خوب۔

نمود خال کی دیکھو تو زیر ابروئے یار
ستارہ نکلا ہے نیچے ہلال کے کیسا

یعنی نہایت ہی عمدہ ہے۔

تحقیر کے واسطے۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے؟ تمھیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

آپ ہیں کیا بیچارے؟ آپ کی ہستی کیا ہے۔

کیا پدڑی اور کیا پدڑی کا شوربا۔

بعض دفعہ حروف استفہام ماضی میں تمنا اور مضارع میں ترغیب کا کام دیتے ہیں

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر؟

کیا تجھے خوفِ خدا آتا نہیں۔

یعنے خبر لینے کی ترغیب دیتا ہے۔

کلمات استفہام — کلمات استفہام حسب ذیل ہیں:۔

ایا۔ کیا۔ کون۔ کیوں۔ کس لئے۔ کس طرح۔ کس واسطے۔ کیونکر۔ کیسے کیسا۔ کب۔ کون۔ کہاں۔ کوتھا۔ کس قدر۔ کتنے۔ مگر۔ کدھر۔

آیا ایسے موقعہ پر بولا جاتا ہے کہ کسی امر کے وقوع کی نسبت کسی قسم کا شک ہو اور اوس شک کو رفع کرنا یا کسی امر کی تصدیق کرنی چاہیں۔ ایا دن نکل آیا۔ آیا تمنے زید کو مارا ہے۔

فارسی میں تمنا کا کام بھی دیتا ہے۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

کیا اور کون۔ کیا کسی شئے غیر ذی روح یا حیوان کی شرح ماہیت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ کون انسان کے واسطے اور کبھی غیر ذوی العقول کے واسطے بھی لیکن غیر فصیح ہے۔

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

(ذوی العقول) پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟
کوئی تبلاؤ کہ ہم تبلائیں کیا۔

(غیر ذوی العقول)؛ کون جانور ہے؟ غیر فصیح ہے
کونسا غیر ذوی العقول کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کونسی کتاب پڑھتے ہو۔
کتنا یا کونسا کسی شئے کی تعداد یا مقدار کی دریافت کے لئے آتا ہے کونسا مہینہ ہے
کونسی تاریخ ہے۔ کونسا نمبر ہے۔ اوس شہر میں کتنے مکان ہیں۔

دشمن دیں ہیں مرے گبر و مسلماں کتنے
عشق میں تیرے ہوئے جان کے خواہاں کتنے

کیوں۔ کس لئے۔ کس واسطے۔ سبب کی دریافت کے واسطے آتے ہیں۔

شانہ کا دل چاک پسند آپ کو آیا
کس واسطے ان سینہ فگاروں نے تو کہئے
نظر لگے نہ کہیں اونکے دست بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

کس طرح کیونکر کیسے دریافت وضع کے لئے۔

در پردہ ستم ہم پہ وہ کر جاتے ہیں کیسے جب پوچھو تو پھر صاف مکر جاتے ہیں کیسے

کیسا۔ دریافت کیفیت کے لئے۔

ہماری نعش پہ ہنگامہ کیوں ہے اے قاتل
اٹھا ہے قصہ یہ بعد انفصال کے کیسا

کس۔ طلب تعین کے لئے۔ یہ کس کا گھر ہے۔ کس کام کا ہے۔

کس دم نہیں ہوتا قلق ہجر ہے مجھکو
کس وقت میرا منہہ کو کلیجہ نہیں آتا

کب۔ طلب تعین زمانہ کے واسطے آتا ہے۔ یا تمنا کے لئے۔
امتحان کا نتیجہ کب نکلے گا۔

دیکھئے ہمارے حال پر وہ کب مہربان ہو۔

کہاں۔ طلب تعین مکان کے واسطے۔

کہاں جاتے ہو؟

کدھر۔ طلب تعین جہت کے لئے۔

کدھر سے آتے ہو؟

کہیں۔ افادہ استفہام کا دیتا ہے۔ محض تمنا کے واسطے آتا ہے۔ عدم تعین مکان بھی ظاہر کرتا ہے۔

تزک بابری کہیں ملتی ہے؟ کہیں گیا ہے۔

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات

آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

استفہام کو کبھی اختصار کے واسطے حذف کر دیتے ہیں یہ مکان تمنے بنوایا ہے؟ یعنی کیا تم نے بنوایا ہے؟

کلمات استفہام میں سے بعض ایسے ہیں جن کا حرف اول ج سے بدل جاتا ہے۔ اور پھر ان کے معنوں میں تعمیم پیدا ہو جاتی ہے مثلاً

کون۔ جون۔ کس لئے۔ جس لئے۔ کس طرح جس طرح۔ کیسی۔ جیسی۔ کیسا۔ جیسا۔ کب۔ جب۔ کہاں۔ جہاں۔ کتنی۔ جتنی۔ کس قدر۔ جس قدر۔ کدھر۔ جدھر وغیرہ

امر و نہی

امر و نہی

منجملہ انشاء کے امر و نہی بھی ہیں۔ امر کے معنے میں بطور استعلا و بزرگی کے کسی کام کے کرنے کا کسی کو حکم کرنا۔ اور نہی ہے کسی فعل سے منع کرنا حروف نہی نہ مت ہیں صیغہ امر سوائے حکم کرنے کے اور فائدے بھی دیتا ہے مثلاً امر سے اجازت وا اباحت پائی جاتی ہے۔ خواہ آج جاؤ یا کل۔

(۲) تہدید و تخفیف — تم آؤ یا نہ آؤ ہمارا کام ضرور کردو۔

نہیں یہ شیشہ مے ہے کسی میخوارکا دل
محتسب دیکھ نہ کر دل شکنی خوب نہیں

(۳) تمنا یا آرزو — جو تم پھر اؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن

(۴) دعا — یارب میرے خامہ کو زبان دے۔

(۵) التماس — تشریف لائیے۔ نوش فرمائیے۔

(۶) اوامر میں اظہار مساوات۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات — رو کر گزار یا اوسے ہنس کر گزار دے

(۷) اہانت و کم قدری کے لئے۔

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات — آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

الفاظ مر بھی سے در اصل مرجانا مقصد نہیں صرف مخاطب کی اہانت مقصود ہے

(۸) کبھی امر کو محذوف بھی کر دیتے ہیں۔

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے — جلاد سے لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

(۹) طلب ترک فعل

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شئے — عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کیلئے

(۱۰) تہدید — خبردار پرائے مال کو مت ہاتھ لگاؤ۔

(۱۱) دعا — میری زباں کو نہ کر یا خدا زیاں میرا

(۱۲) التماس — تم میرے پاس سے نہ جاؤ۔

ندا

ندا

منجملہ انواع انشا ایک ندا ہے یعنے پکارنا۔ حروف ندا یہ ہیں۔ اے۔ او۔ ابے۔ اسے۔ اجی۔ ہوت۔ یا الف ندائیہ جس کو پکاریں اسکو منادے کہتے ہیں

منادیٰ ضرور ہے کہ حاضر ہو غائب نہ ہو۔ لیکن کبھی غائب کو بطور حاضر تصور کرتے اور پکارتے ہیں۔

اجی حضرت اجی حرف ندا حضرت منادیٰ ہے۔

حروف ندا کے استعمال کے طریقے ہیں

اے۔ اجی۔ ارے۔ خاص و عام استعمال کرتے ہیں۔ ارے صرف کم رتبہ شخصوں کے لئے بولا جاتا ہے اور عوام کی زبان پر زیادہ ہے۔ ابے۔ او۔ اکثر عوام کی زبان پر ہے ذلیل آدمی کے لئے بولا جاتا ہے۔

ہوت۔ خواص بالکل استعمال نہیں کرتے۔

یا عربی میں اور الف ندائیہ فارسی میں استعمال ہوتا ہے اردو میں ان ہی زبانوں کا اتباع کیا جاتا ہے یا قسمت یا نصیب یا معبود۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
خدایا جذبہ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے کہ جوں جوں کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

کبھی حرف ندا محذوف ہوتا ہے۔ منشی جی آئیے۔ مولوی صاحب پڑھائیے۔

آنکھیں چرائیو نہ ٹک ابر بہار سے میری طرف بھی دیدۂ خونبار دیکھنا

یعنے اے دیدہ خونبار

کبھی متکلم خود اپنے نفس کو بھی مخاطب کرکے ندا کرتا ہے۔

جیسے اے دل۔ حضرت غالب خود اپنے سے کہتے ہیں۔

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

اظہار مظلومیت کے لئے یا اظہار حسرت و مصیبت و حسرت کے لئے۔

نالہ اس زور سے کیوں میرا دہائی دیتا اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا

دُعا دُعا کیا ہے؟ خدا کی جناب سے بطریق عجز و انکسار کوئی چیز مانگنا۔

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی لکھ دیجیو یا رب اُسے قسمت میں عدو کی (غالب)

لکچر (۱۰)

فصل اور وصل کے بیان میں

وصل اور فصل

ایک جملہ کو دوسرے جملے کے ساتھ عطف کرنا وصل ہے اور اوس کے برخلاف جملوں کا علیحدہ علیحدہ رکھنا فصل ہے۔

آپ آئیں گے تو میں جاؤں گا۔ زید بہت اچھا شاعر اور زبان داں ہے۔

حروف عطف "تو" اور "اور" نے دو فقروں کو وصل کر دیا۔ یہ کتاب ایک روپیہ میں بری نہیں خرید لو۔ ان دو نو فقروں میں عطف نہیں ہے۔

جملے دو طرح کے ہوتے ہیں خبریہ اور انشائیہ اس لحاظ سے عطف چار طرح کا ہو سکتا ہے۔

(۱) خبریہ کا خبریہ پر (۲) جملہ انشائیہ کا انشائیہ پر

(۳) انشائیہ کا خبریہ پر (۴) خبریہ کا انشائیہ پر

پہلی اور دوسری قسم تو شایع ہے تیسری اور چوتھی اردو زبان میں مستعمل نہیں اسلئے اس کا ذکر ہم نہیں کرینگے۔

عطف اوس صورت میں ہوتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کے حکم میں شریک ہو یعنے اگر پہلا جملہ خبر یا صفت یا حال یا صلہ یا جزا یا شرط وغیرہ ہے ویسا ہی جملہ دوم بھی ہو اسی طرح اگر کسی جملہ میں کوئی لفظ فاعل یا مفعول یا خبر وغیرہ ہو اور ایسا ہی دوسرا لفظ بھی اوس جملہ میں ہو تو ان دو نو لفظوں میں بھی عطف ہو گا۔ لیکن اگر دوسرے جملے کو پہلے جملہ میں شریک کرنا منظور نہ ہو تو دونوں میں عطف نہ کرینگے۔

مسلمان اور عیسائی اور یہودی اہل کتاب ہیں - اہل کتاب ہونے کے حکم میں تینوں داخل ہیں اسلئے اون میں عطف کیا گیا۔

جہت جامع

وہ مناسبت جو ایک جملے کو دوسرے جملے کے ساتھ ہوتی ہے اور جسکی وجہ سے دو عطف قبول کرتے ہیں۔ جہت جامع کہلاتی ہے۔ زید پتنگ اڑا رہا تھا کہ کوٹھے پر سے گر کر مر گیا۔ دونوں جملے خبریہ ہیں۔ حرف عطف محذوف ہے دونوں کا مسند الیہ زید ہے اور یہی جہت جامع ہے۔

لیکن مناسبت کے سوا جن دو جملوں میں وصل ہو اونمیں کچھ مغائرت بھی ہونی چاہیئے پتنگ اڑانا اور مرنا۔ دو مختلف چیزیں ہیں۔ لیکن دونوں کا ایک ہی شخص کے متعلق خبر دینا باہم مناسبت پیدا کرتا ہے۔

وصل کے موقعوں کے جاننے سے پہلے جہت جامع کا پہچاننا بہت ضرور ہے۔

جہت جامع کی قسمیں

جہت جامع کی تین قسمیں ہیں۔ عقلی وہمی۔ خیالی۔

جہت جامع عقلی تو یہ ہے کہ عقل کا تقاضا یہ ہو کہ کسی مناسبت سے دو جملے وصل چاہیں۔ وہ مناسبتیں جن کی وجہ سے عقل دو جملوں کے وصل یا عطف کا تقاضا کرے بہت سی ہو سکتی ہیں مثلاً مخبر عنہ یا مخبر بہ کا کسی جہت سے تصور میں ایک ہونا یا کسی صفت حال ظرف وغیرہ میں متحد ہونا مثلاً گھوڑا اور اونٹ بہ لحاظ حیوانیت ایک ہیں گھوڑا اور اونٹ سواری کے جانور ہیں۔ اس مکان میں زید اور عمر رہتے ہیں ظرف میں شرکت ہے۔ آم اور انگور خوش ذائقہ میوے ہیں صفت میں شرکت ہے علیٰ ہذا القیاس۔

(۲) دو جملوں میں تماثل ہو یعنے ایک دوسرے کے مثل ہوں مگر ایک ہی نہ ہوں۔ دو آم دسترخوان پر رکھے ہیں۔ رنگ و بو ذائقہ میں یکساں ہیں لیکن ظاہر ہے کہ دونوں کی شخصیت جدا ہے۔

(۳) تجانس اور تشابہ

تجانس دو مختلف اشیاء کا ایک جنس سے ہونا۔

ملغوبہ اور الفن دونو آم ہیں لیکن دو طرح کے ہیں۔

تشابہ یہ ہے کہ بعض اوصاف میں دو چیزیں متحد ہوں لیکن تمام اوصاف میں متحد ہونا ضرور نہیں۔ قلمیں طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ نیزے کی قلمیں آہنی قلمیں۔ سرمئی قلمیں پر کی قلمیں وغیرہ لکھنے کی صفت سب میں ہے یہی تشابہ ہے لیکن سب کے جوہر مختلف ہیں۔

(۴) تضائف۔ ایک شئے دوسری شئے کا ایجاد کرے جیسے باپ بیٹے کا جس شخص کے بیٹا نہ ہو وہ باپ نہیں کہلائے گا۔

(۵) علت و معلول ایک شئے یا ایک واقعہ دوسری شئے یا واقعہ کا سبب ہو۔

(۶) اکثر و اقل جیسے بڑا چھوٹا وسیع و تنگ

جہت جامع وہمی بعض چیزیں دراصل مناسبت نہ رکھتی ہوں لیکن وہ اہمہ اون میں مناسبت پیدا کرے۔ جہت جامع وہمی

(۱) شبہ تماثل مثلاً سفیدی اور زردی۔ سبزی اور سیاہی میں تماثل نہیں ہے لیکن دونو رنگ ہیں۔

(۲) تضاد جیسے تاریکی اور روشنی۔ سفیدی اور سیاہی۔

(۳) شبہ تضاد جیسے زمین و آسمان۔

دراصل ان دونو میں تضاد نہیں ہے لیکن جب ایک شئے خاطر میں گزرتی ہے تو دوسری بھی ذہن میں آجاتی ہے گویا قوت واہمہ ان دونو کو ایک حلقہ میں کر لیتی ہے۔

جہت جامع خیالی دو صورتیں ذہن میں اس طرح جمع ہوں کہ جب ایک کا خیال آئے تو دوسری کا بھی خیال ساتھ آئے۔ لیکن یہ کیفیت ہر شخص کی ذہن میں جہت جامع خیا

جدا ہوتی ہے ایک طالب علم کو مدرسہ کے خیال کے ساتھ سبق کا خیال آتا ہے اور دوسرے کو کرکٹ اور فٹ بال کے کھیلوں کا۔

اسے یہ دیکھنا چاہیئے کہ وصل یا عطف کہاں کہاں کرتے ہیں۔

ایک جملہ کو دوسرے جملے کے ساتھ ربط دینا مقصود ہو تو سوا "ت" اور "یا" "و" کے دوسرے حروف عطف بھی ربط دیتے ہیں پہلے خطبہ پڑھا گیا پھر حاضرین کی منہ اور چائے سے ضیافت کی گئی۔

(۲) حرف "یا" جب دو جملے انشائیہ کے درمیان واقع ہو تو جملوں کو ملا دیتا ہے اور دوسرا جملہ شرط بن جاتا ہے۔

یا تو افسر مراسم شاہانہ بنایا ہوتا یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اور جو ایسا نہ بنا تھا نہ بنایا ہوتا

(۳) جب معطوف اور معطوف الیہ دونوں کلموں کے ابتدا میں لفظ کیا ہو تو وصل جائز ہے کیا کافر کیا مسلمان دونوں خدا کے بندے ہیں یعنے کافر اور مسلمان۔

(۴) جب دو کلمے باہم لازم و ملزوم ہوں تو باہم عطف ضروری ہے

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

یعنے تیری وہ عادت اور میری یہ حالت کبھی بدل نہیں سکتی۔

(۵) جب دو امر میں باہم شدت کا تخالف یا نقیض ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے تو بھی عطف کر دیتے ہیں۔

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب ہم کو تسلیم نکو نامی فرہاد نہیں

عشق و مزدوری میں بہت تخالف ہے۔

(۶) متکلم کے نزدیک دوسرا جملہ پہلے جملے کی قید ہو تو بھی عطف جائز ہے۔

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

تم تقریر کرتے تھے اور ہم خاموش رہتے تھے۔ لفظ اور محذوف ہے۔

(۷) دونو جملے خبریہ ہوں یا دونو انشائیہ ان دونوں میں جہت جامع بھی پائی جائے۔

تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھکو نہ دیکھا جوں نگاہ
تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں بھی رہا

دونو مصرعے خبریہ ہیں اور باہم وصل ہیں۔

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجئے فرض اور اس چکنی سپیاری کو سویدا کہیے۔

فصل کے موقعے

فصل کے موقعے بھی غور کرنے کے قابل ہیں۔

(۱) یہ مقصد نہ ہو کہ دوسرے جملے کو پہلے جملے کے حکم میں شریک کریں۔

لوگ مرنے کو بھی کہتے ہیں وصال یہ اگر سچ ہے تو مر جائینگے ہم

دوسرا مصرع پہلے پر عطف نہیں ہے کیونکہ وہ لوگوں کا مقولہ نہیں ہے۔

(۲) دونو جملوں میں کمال انقطاع ہو اور اگر عطف ترک کیا جائے تو خلاف مقصود مطلب سمجھ میں آنے کا اندیشہ بھی نہ ہو مثلاً ایک جملہ خبریہ ہو اور دوسرا انشائیہ۔

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر تو خون تو مرا دامن سے دہو (انشا) ہوا سو ہوا (خبر)

زید عالم ہے عمر سوتا ہے۔ دونو جملوں میں کوئی مناسبت نہیں۔
عطف ناجائز ہے۔

(۳) دونو جملوں میں کمال اتصال ہو۔ یعنے جملہ ثانی جملہ اول کی تاکید معنوی کرے۔

قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

تینوں جملے ایک دوسرے کی تاکید کرتے ہیں یعنے کافر ہو گیا۔
کمال اتصال کی وجہ سے عطف متروک ہو گیا۔

(۴) کمال انقطاع کے مشابہ ہو یعنے مثل خبر و انشا کے مانع ذاتی نہ ہو اور اگر جملہ دوم کو جملہ اول پر عطف کریں تو یہ شبہہ پیدا ہو کہ دوسرا جملہ غیر مقصود پر معطوف ہے

تم نے یہ جانا گئے ہم ستم تم کو بھول
ہم نے یہ سمجھا کہ تم سمجھے غلط

پہلے مصرع میں مسند "جانا" ہے اور دوسرے میں "سمجھا" اور پہلے مصرع میں مسندالیہ معشوق ہے۔ اور دوسرے میں عاشق۔ اگر جملہ اول کو جملہ دوم پر عطف کریں تو جملہ دوم منجملہ خیال معشوق ہو جائیگا۔ حالانکہ وہ خیال عاشق ہے اسلئے عطف کو ترک کیا

(۵) کمال اتصال کے مشابہ ہو اور یہ اوس صورت میں ہوتا ہے کہ جملہ دوم اس سوال کا جواب ہو جو پہلے جملے سے پیدا ہوتا ہے۔

تفاوت قامت یار اور قیامت میں ہے کیا ممنون؟
وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

ایسے ترک عطف کو استیناف کہتے ہیں۔



لکچر (۱۱)

مساوات - ایجاز - اطناب

انسان اپنا مافی الضمیر الفاظ کے ذریعہ سے ادا کرتا ہے بعض لوگوں میں ایسی قدرت ہوتی ہے کہ مطلب کے مطابق الفاظ استعمال کرتے ہیں نہ کم نہ زیادہ۔ بعض لوگ تھوڑا سا مطلب بہت سے لفظوں میں بیان کرتے ہیں بعضوں کا کلام ایسا ناقص ہوتا ہے کہ لفظ ضرورت سے کم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

اخلال جن لوگوں کے کلام میں الفاظ مطلب سے کم و بیش نہیں ہوتے اون کا تو کہنا ہی کیا ہے اور علم معانی کو اون سے بحث ہی نہیں۔ کلام کا ایسا ناقص ہونا کہ مطلب سمجھنے میں دقت واقع ہو عیوب کلام میں سے ہے اور **اخلال** کہلاتا ہے اس کی اصلاح بہ آسانی ممکن ہے بعض صورتوں میں الفاظ باوجود ناقص ہونے کے اکثر مطلب ظاہر کر دیتے ہیں یہہ صورت علم معانی میں داخل ہے کلام میں اداء مطلب کی ضرورت سے کم یا زیادہ الفاظ ہونا بعض صورتوں میں عیب اور بعض میں حسن کلام ہے

اب ذرا تینوں حالتوں کی کیفیت پر غور کرو۔

مساوات - ایجاز - اطناب جب الفاظ اصل مراد کے ساتھ مساوی ہوں نہ کم نہ زیادہ تو اوس کو علم معانی کی اصطلاح میں **مساوات** کہتے ہیں۔ اور اگر اصل مراد سے کم الفاظ ہوں تو **ایجاز** اور الفاظ اصل مطلب سے زیادہ ہوں تو **اطناب**۔ مساوات پر بحث کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ رہا ایجاز اور اطناب تو اگر ایجاز ایسا ہے کہ مطلب ہی سمجھ میں نہ آئے تو سوائے اس کے کیا علاج ہے کہ اس قدر مناسب الفاظ بڑھائے جائیں کہ اون سے اصل

مطلب واضح ہو جائے۔ لیکن بعض ایجاز ایسے ہوتے ہیں کہ باوجود قلت الفاظ کلام میں نقص نہیں آتا۔ اور مطلب صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

ایجاز قصر

ایجاز قصر کلام میں جو الفاظ محذوف ہیں اون کا قائمقام مذکور نہ ہو۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔ بھیگی بلی بتانا۔ ایسے کلام ہیں کہ دو مشہور قصوں کی طرف ایماء کرتے ہیں لیکن الفاظ تھوڑے ہیں۔

ایجاز حذف

ایجاز حذف کلام میں سے کلمہ کا کوئی جز محذوف ہو اور اوس کے قائمقام دوسرے الفاظ موجود ہوں۔

اے ذوق شہید اوسکو کرنے ہیں کئی عاشق
کرنی ہے اگر سبقت کیا دیر لگائی ہے

یعنے اگر سبقت کرنی ہے تو سبقت کرو۔ تو سبقت کرو محذوف ہے۔ اور اوسکی قائمقام الفاظ کیا دیر لگائی ہے بیان ہوئے ہیں۔

ہاں تاال دم ناوک فگنی خوب نہیں ابھی چھاتی میری تیروں سے چھنی خوب نہیں

لفظ ہاں ناوک فگنی کیئے جاؤ کا قائمقام ہے۔

اسی طرح مقدرات ہیں کہ الفاظ کلام میں نہ ہوں لیکن معنے اونکے لئے جائیں۔

بسم اللہ تمام ایزد غالب فرماتے ہیں۔

عذر واماندگی اے حسرتِ دل نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

الفاظ قبول کر مقدر ہیں یعنے عذر قبول کر۔ ایجاز اور اختصار کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خیال اور مفہوم زور دار ہو تو بعض دفعہ ایجاز سے زور بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مخاطب مفہوم کو بہت جلدی سمجھ جاتا ہے (بشرطیکہ خیال اس قدر اہم نہ ہو کہ ایجاز تفہیم مطلب میں خلل انداز ہو لیکن اکثر صورتوں میں ایجاز سے کلام کا اثر گھٹ جاتا ہے۔

ایجاز کے قاعدے یہ ہیں کہ:

(۱) غیر ضروری الفاظ اور جملہ ہائے معترضہ نیز حشو اور زوائد کو کلام سے نکال ڈالا جائے
(۲) الفاظ جامع اور کثیر المعنی استعمال کئے جائیں لیکن اس صورت میں مضمون کی وضاحت کم ہو جائیگی اس لئے موقعہ کا خیال رکھنا چاہئے کہ جیسی ضرورت ہو ویسے الفاظ استعمال کر ناول ہوں یا تاریخیں۔ علمی مضامین ہوں یا تفریحی وہ سب کچھ پڑھ ڈالتا ہے۔ وُہ ہر قسم کی کتابیں پڑھ ڈالتا ہے۔

ابتدائی مکتبوں میں مدرسوں میں کالج میں ہر جگہ جب تک وہ پڑھتا رہا وہ نہایت محنتی اور ہوشیار رہا۔

تمام زمانہ تعلیم میں وہ نہایت محنتی اور ہوشیار طالب علم تھا۔

(۳) کسی اسم اور اوس کے متعلق اوصاف بیان کرنے کے بجائے بعض اوقات اسم صفت کے لانے سے کلام میں اختصار اور زور دونو بڑھ جاتے ہیں جب کوئی ایسا اسم صفت لایا جاتا ہے تو اوس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ موصوف کے تمام اوصاف ذاتیہ یا کم از کم وہ اوصاف جن کا اظہار ہمارا مقصد ہے اس لفظ میں شامل ہیں اگر ایسے اسمارِ صفت ذرا غور سے انتخاب کئے جائیں تو نہ صرف اظہار مقصد میں مدد دیتی ہیں بلکہ بیان کو بھی دل آویز کر دیتے ہیں۔

فوج کے بہادر سپاہیوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

بہادروں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

اطناب — **اطناب** کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ اون میں الفاظ زاید ہوتے ہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں دیتے اوس کو اصطلاح میں **تطویل** کہتے ہیں۔ اگر میں پھر قسم کھاؤں تو تم تب ہی میری زبان کاٹ لینا۔

حشو کے اقسام — "تم تب ہی" تطویل ہیں۔ اسی طرح سے **حشو** بھی ایسے کلمے کو کہتے ہیں جو اصل مراد سے زاید ہو۔ بعض حشو تو کلام میں فساد پیدا کر دیتا ہے اوسکو **حشو مفسد** کہتے ہیں

خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے ۔ اپنے ہاتھوں سے حشو مفسد ہے کیونکہ خدا جسمانیات سے پاک ہے تو اوس کی ہاتھ کہاں ۔ اور اگر ہاتھ بطور استعارہ تسلیم کئے جائیں تو ماننا پڑیگا کہ خدا کبھی غیر کے ہاتھ سے بھی بنواتا ہے

رنج و راحت کا اگر ہوئے نہ خوف پاے درویش آسمان پر ہو

راحت کا خوف نہیں ہوتا ۔

حشو غیر مفسد سے معنی میں فساد نہیں پیدا ہوتا اور کبھی اس سے حسن کلام پیدا ہو جاتا ہے اس کو حشو ملیح کہتے ہیں ۔

عدو آیا ہے نیکر نامہ پر لکھا نصیبوں کا کرینگے لیکے کیا خط مدعی سے مدعا سمجھے (ذوق)

"لکھا نصیبوں کا" حشو ملیح ہے ۔ جن الفاظ کا ہونا نہ ہونا کلام میں برابر ہو وہ حشو متوسط کہلاتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ سلاست سخن کو اس سے نقصان نہ پہونچے ۔

حشو قبیح ایسے زاید الفاظ ہیں جو کچھ فائدہ نہ دیں ۔

یہ نہ سمجھنا کہ اطناب ہمیشہ بیکار ہوتا ہے بلکہ اکثر صورتوں میں اطناب سے کوئی نہ کوئی فایدہ حاصل کیا جاتا ہے مثلاً ابہام کے بعد اطناب تکمیل لذت یا ایضاح کیواسطے کرتے ہیں ۔ ہمارا دوست محسن کیسا صادق الوداد ہے ۔ ہمارا دوست کہنے کے بعد محسن اطناب ہے لیکن ایک تو اوس سے توضیح ہو گئی کہ منجملہ احباب محسن سے مراد ہے دوسرے اوسکے نام لینے سے لذت حاصل ہوئی ۔

توشیح بھی ایک قسم کا اطناب ہی ہے یعنے پہلے چند مبہم باتیں کرنا پھر اونکی تفصیل کرنا ۔

تاراج کاوش غم ہجراں ہوا اسد سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

تکرار سے تاکید مقصود ہوتی ہے کل تم ضرور ضرور مدرسہ جاؤ ۔

تذییل ایک فقرے کے بعد دوسرا فقرہ ایسا بیان کرنا جو پہلے فقرے کا

ہم معنی ہو۔ اس سے بھی تاکید ہی کا فایدہ حاصل ہوتا ہے۔

پان تو لیتا جا فقیروں کے — برگ سبز است تحفۂ درویش

تقدیس اظہار بزرگی وعظمت کے لئے اللہ جل جلالہٗ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تعجب اللہ اکبر! کس قدر روشنی ہے۔ سبحان اللہ کیا عمدہ خوشبو ہے

دعا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ۔ شاباش کیا خوب کام کیا ہے۔

تعظیم حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھ کو تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا۔

تتمیم یعنے الفاظ تو زاید ہوں مگر اون سے خلاف مقصود کا شبہ نہ پیدا ہو۔
میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ایغال آخر کلام میں ایسے الفاظ لانا کہ معنی بغیر اونکے تمام ہو جائیں۔ لیکن ان الفاظ کے لانے سے ایک قسم کا مبالغہ پیدا ہو جائے۔

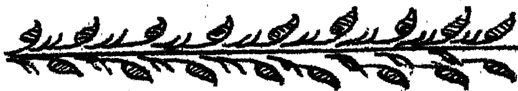
نالہ جاتا تھا پرے عرش کے میرا اور اب — لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے۔ اطناب ہے لیکن نالہ کی نارسائی کو خوب ظاہر کرتا ہے۔

اعتراض تقدیس تعجب دعا وغیرہ کے فقرے جملہ ہائے معترضہ کہلاتے ہیں لیکن اون کے علاوہ اعتراض سے فائدہ کسی شئے کا وصف بیان کرنا بھی ہوتا ہے

خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن
شاہ کی بزم میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

کہ وہ ہے باربد بزم سخن خامہ کی صفت بیان کرتا ہے۔



لکچر (۱۲)

نثر کے اقسام

وزن اور قافیہ دراصل نظم کے لئے اختراع کئے گئے ہیں لیکن ایک زمانہ میں یہ بھی مذاق تھا کہ نثر میں بھی وزن اور قافیہ کا استعمال ہوتا تھا اور اوسے حسن کلام سمجھتے تھے لیکن جوں جوں مذاق ترقی کرتا گیا یہ بات ظاہر ہوگئی کہ نثر میں وزن اور قافیہ کا التزام دراصل کلام کی بدنمائی کا سبب ہوتا ہے بلکہ نثر عاری جو صنایع لفظی سے پاک اور فصیح ہو زیادہ پرلطف ہوتی ہے۔ نثر کا حسن ذاتی یہ ہے کہ الفاظ فصیح اور معانی بلیغ ہوں۔ صنایع و بدایع حسن عرضی کہلاتے ہیں دیکھو قدرتی حسن محتاج زیور نہیں۔ اور بدشکل آدمی کو زیور بھی بدنما معلوم ہوتا ہے ہاں حسن صورت کے ساتھ اگر چند موزوں زیور استعمال کئے جائیں تو اور بھی چار چاند لگ جاتے ہیں یہی حال کلام کا ہے کہ زبان میں سلاست۔ روانی۔ شستگی اصلی جوہر ہیں البتہ اگر تشبیہ و استعارہ یا دیگر صنایع اس طرح برتے جائیں کہ کلام کے حسن ذاتی میں مخل نہ ہوں تو اوس کے لطف کو بڑھا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے جو لوگ قادر الکلام ہیں وہ ان چیزوں کی پروا نہیں کرتے اور رفتہ رفتہ مسجع اور مرجز عبارتیں لکھنے کا دستور جاتا رہا۔ اور ساری کوشش عاری عبارت کو دل آویز کرنے میں صرف ہونے لگی۔ واقفیت پیدا کرنے کے لئے ان کی حقیقت بھی سن لو۔

مسجع — **مسجع** ایسا کلام جسمیں ایک فقرے کا آخری لفظ دوسرے فقرے کے آخری لفظ سے ہم قافیہ ہو۔

مرجز — **مرجز** وہ کلام جسمیں ایک فقرے کے اکثر الفاظ دوسرے فقرے کے اکثر

الفاظ سے ہم وزن ہوں۔ اور قافیہ نہ ہو۔

میر مہدی

میر مہدی مرحوم نے اردوئے معلیٰ کے دیباچہ میں اس طرز تحریر کا اچھا نمونہ پیش کیا ہے۔ "ستائش جہان آفریں آسان نہیں کہ کما حقہ بیان ہو اور نعت حضرت سید المرسلین مشکل ہے زبان کیا حرف بیان ہو وہ دریائے ذخار ہے یہ محیط ناپیدا کنار ہے۔ وہاں ذہن نارسا اور فہم بے سروپا یہاں عقل معترف بعجز و قصور و خرد ناچار و مجبور پھر اس صورت میں قلم مقطوع اللسان کیا نگارش کرے سوائے اسکے کہ اصل مطلب گزارش کرے اور وہ یہ ہے کہ سخنوران خرد پیشہ اور خردمندان درست اندیشہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشہ سے کلام عرب کی شیرینی اور زبان عجم کی نمکینی گوشزد خاص و عام ہے اور ہر عقیل و فہیم اسی بات پر متفق الکلام ہے مگر یہ جو زبان اردو نے ہندوستان میں رواج پایا ہے یہ بھی ترکیب کی خوبی اور حسن کی اسلوبی میں انہی زبانوں کی ہم پایہ ہے۔ اگر فصحائے عرب و عجم کماحقہ اس زبان کی ماہیت پر عبور پائیں تو اپنی زبان سے زیادہ اس کی تحسین فرمائیں۔"

عاری

عاری ایسی عبارت جس میں نہ وزن ہو نہ قافیہ۔

"میر صاحب کی زبان شستہ۔ کلام صاف۔ بیان ایسا پاکیزہ جیسے باتیں کرتے ہیں دل کے خیالات کو جو کہ سب کی طبیعتوں کے مطابق ہیں محاورہ کا رنگ دیکر باتوں باتوں میں ادا کر دیتے ہیں اور زبان میں خدا نے ایسی تاثیر دی ہے کہ وہی باتیں ایک مضمون بن جاتی ہیں اسی واسطے ان میں بہ نسبت اور شعرا کے اصلیت کچھ زیادہ رہتی ہے بلکہ اکثر جگہ یہی معلوم ہوتا ہے گویا نیچر کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اون کے اشعار دلوں پر اثر بھی زیادہ کرتی ہیں۔"

سلیس

اسی طرح بعض عبارتیں سلیس ہوتی ہیں جنکے الفاظ مروج کثیر الاستعمال اور مطالب قریب الفہم ہوتے ہیں بعض دقیق جنمیں الفاظ دقیق الاستعمال ہوتے ہیں اور مطلب بعد غور

دقیق

سمجھ میں آتا ہے بعض رنگین جنمیں مناسبات لفظی زیادہ ہوتے ہیں اور تشبیہات و استعارات وغیرہ کی بھرمار ہوتی ہے۔ محمد حسین آزاد کی کتاب نیرنگ خیال اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے سیر کرنے والے گلشن حال کے اور دوربین لگانے والے ماضی و استقبال کے، روایت کرتے ہیں کہ جب زمانہ کے پیراہن پر گناہ کا داغ نہ لگا تھا اور دنیا کا دامن بدی کے غبار سے پاک تھا۔ تو تمام اولاد آدم مسرت عام اور بے فکری مدام کے عالم میں بسر کرتے تھے ملک ملک فراغ تھا اور خسرو آرام رحمدل فرشتہ مقام گویا اون کا بادشاہ تھا وہ نہ رعیت سے خدمت چاہتا تھا نہ کسی سے خراج باج مانگتا تھا اوس کی اطاعت اور فرمانبرداری اسی میں ادا ہو جاتی تھی کہ آرام کے بندے قدرتی گلزاروں میں گلگشت کرتے تھے ہری ہری سبزے کی کیاریوں میں لوٹتے تھے۔ آب حیات کے دریاؤں میں نہاتے تھے۔ ہمیشہ وقت صبح کا اور سدا موسم بہار کا رہتا تھا۔ آب و ہوا قدرتی غذائیں تیار کر کے زمین کے دسترخوان پر چن دیتی تھی وہ ہزار مقوی اور مفرح کھانوں کے کام دیتی تھی۔ صبا و نسیم کی شمیم میں ہوائی خوشبوئیوں کے عطر مہک رہے تھے۔ بلبلوں کے چہچہے۔ خوش آواز جانوروں کے زمزمے۔ سنتے تھے۔ خوبصورت خوبصورت چرند پرند آس پاس کلیل کرتے پھرتے تھے۔ جابجا درختوں کے جھرمٹ تھے۔ اون ہی کے سایہ میں سب چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ سب کی طبیعتیں خوشی سے مالامال اور دل فارغ البال تھے۔"




علمِ بیان

لکچر (۱۳)

مجاز و حقیقت میں فرق

مجاز

ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کے داہنے ہاتھ میں پھولوں کی چند ڈالیاں ایک ڈورے سے بندھی ہوئی تھیں۔ یہ گلدستہ وہ شخص باغ سے لاتا تھا اور بائیں ہاتھ میں ایک مختصر سی کتاب تھی جس میں اساتذہ کے منتخب اشعار جمع تھے اور سرلوح پر موٹے حرفوں میں لکھا ہوا تھا گلدستہ اس شخص کے ایک ہاتھ میں حقیقت اور دوسرے میں مجاز تھا۔ پھولوں کے ڈالیوں کے مجموعہ پر گلدستہ کا اطلاق حقیقت ہے کیونکہ لفظ گلدستہ کے یہ معنی وضعی ہیں لیکن کتاب میں تو پھول ہیں نہ پتے پھر اوسکو گلدستہ کہنا دلالت غیر وضعیہ ہے اور اس سبب سے کہا ہے کہ ابیات کی رنگینی مضامین شگفتگی بیان۔ تازگی خیالات کو پھولوں کی رنگینی شگفتگی اور تازگی سے تشبیہ دی ہے اس لئے اون کے مجموعہ کو بھی گلدستہ کہدیا یہ ایک صورت مجاز کی ہے یعنے الفاظ کا اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل نہ ہونا۔ چادر تان کر سونا بے خبر سونا گھوڑے بیچکر سونا بے فکر سونا۔ خواب خرگوش گہری نیند پتہ توڑ کر بھاگنا تیز بھاگنا ہاتھوں کے طوطے اڑ جانا سراسیمہ و پریشان ہوجانا۔ کانوں پر ہاتھ دھرنا لاعلمی ظاہر کرنا ٹھیک نکل جانا۔ پینڈی کی بل بیٹھ جانا۔ ابتر حال ہونا اور اسی طرح کے سیکڑوں ہزاروں محاورے ہیں کہ روزمرہ بولے جاتے ہیں۔ سب مجاز ہیں یہ ظاہر ہے کہ جب الفاظ غیر وضعی معنوں میں استعمال ہوں تو یہ ممکن ہے کہ ایک کلام بہ نسبت دوسرے کے زیادہ واضح یا زیادہ دقیق ہو اوپر بیان ہوچکا ہے کہ وہ علم جو اپنے اصول و قواعد بیان کرتا ہے

لہ یہ خیال رہے کہ یہاں حقیقت و مجاز چیزوں کے ناموں کے لحاظ سے کہا گیا ہے ورنہ خود اشیا میں حقیقت و مجاز نہیں ہوتا۔

جسکے ذریعہ سے ایک مطلب مختلف عبارتوں میں اس طرح ادا کر سکیں کہ ایک معنے بہ نسبت
دوسرے کے زیادہ یا کم واضح ہوں۔ علم بیان کہلاتا ہے۔

مجاز کی تعریف

عام طور پر تو الفاظ کی ہر دلالت غیر وضعی مجاز کہلاتی ہے لیکن علم بیان میں
جب الفاظ اپنے غیر حقیقی معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں تو بعض دفعہ ان غیر حقیقی معنوں
میں استعمال کرنے کا کوئی قرینہ ہوا کرتا ہے جس سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ متکلم نے ان الفاظ
کو غیر حقیقی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ علم بیان کی اصطلاح کے موافق ایسی دلالت غیر وضعی
جس میں قرینہ پایا جاتا ہے مجاز کہتے ہیں۔ زید کا ہاتھ کھلا ہوا ہے یعنے زید مسرف
یا سخی ہے۔ قرینہ اس میں یہ ہے کہ اگر ہاتھ میں روپیہ ہو اور اسکو خرچ کرنا نہ چاہیں تو مٹھی
بند رکھتے ہیں اور دیتے وقت کھول دیتے ہیں۔ پس جس شخص کا ہاتھ ہر وقت کھلا رہے
وہ زیادہ سخی ہے اور اگر ایسا کوئی قرینہ نہ پایا جائے تو اس کو کنایہ کہتے ہیں۔ کنایہ

مجاز

مجاز میں غیر حقیقی معنے لینے کا جو قرینہ پایا جاتا ہے وہ قرینہ کبھی علاقہ تشبیہ کا ہوتا
ہے اسکو استعارہ کہتے ہیں۔ اور کبھی سوائے تشبیہ کے اور قرینے بھی ہوتے ہیں جیسے
علاقہ سببیت ولزوم وغیرہ اسکو مجاز مرسل کہتے ہیں کسی کتاب میں دہلی کی موتی مسجد مجاز مرسل
کا ذکر پڑھا تھا۔ شہر کی ساری مسجدیں دیکھ ڈالیں اینٹ پتھر چونے مٹی کی بنی ہوئی ہیں
قلعہ میں گئے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد سنگ مرمر کی نظر آئی۔ سر سے پا تک سفید چمکدار
مرمر آئینہ کی طرح چمک رہا ہے۔ پتھر یہ بھی ہے لیکن صفائی اور خوشنمائی کے آگے موتی کی آب
وتاب بھی ماند ہے معلوم ہوا یہی موتی مسجد ہے اور اس کا یہ نام بہ لحاظ حقیقت نہیں
بلکہ سفید پتھروں کی آب وتاب کو موتی سے تشبیہ دیکر مجازاً موتی مسجد کہا ہے۔ یہی
استعارہ ہے۔ مسجد کو موتی سے تشبیہ دی لیکن ارکان تشبیہ ذکر نہیں کئے۔

مجاز مرسل کی یہ حالت نہیں اوسمیں قرینہ تشبیہ نہیں ہوتا بلکہ سوائے تشبیہ کچھ اور
ہوتا ہے۔ خالد بڑا چوکنّا آدمی ہے قدرت نے تمام انسانوں کو دو کان دئے ہیں

جوکنّا = چار کان والا

وہی خالد کے ہیں لیکن کان قوت سامعہ کا آلہ ہیں اور قوت سامعہ خبریں اور رپورٹیں سننے اور باخبر رہنے کا کام دیتی ہے لہذا چوکنے آدمی سے مراد بہت باخبر شخص ہے یہ مجاز مرسل ہے

استعارہ اور مجاز مرسل میں الفاظ کے وضعی معنی لینے سے کلام مہمل ہو جاتا ہے لیکن کنایہ میں وضعی معنی (اگرچہ وہ مراد نہیں ہوتے) لینے سے کلام مہمل نہیں ہو جاتا۔ احمد کا دسترخوان بہت وسیع ہے۔ دسترخوان کی وسعت مہمانوں کی کثرت پر دلالت کرتی ہے تو خواہ تو یہ مراد لی جائے کہ احمد مہمان نواز شخص ہے یا یہی کہ وہ کپڑا جو کھانا کھاتے وقت احمد کے سامنے بچھایا جاتا ہے بہت لمبا چوڑا ہے یہ کنایہ ہے۔

اس طرح غیر وضعی معنی کی دو صورتیں ہوئیں مجاز اور کنایہ

مجاز کی قسمیں استعارہ اور مجاز مرسل ہیں استعارہ میں الفاظ کا غیر وضعی معنوں میں استعمال ہونے کا قرینہ تشبیہ ہے اس طرح ایک شاخ تشبیہ اور نکل آئی یہ شاخ بجائے خود بہت ہی مہتم بالشان ہے اور علم بیان کی خوبیوں کا طرہ ہے اس لئے اس کا بیان علیحدہ کیا جاتا ہے۔



لکچر (۱۴)

تشبیہ و اطراف تشبیہ

تشبیہ کی تعریف

مجلس احباب میں ایک شخص آیا۔ بدن پر جبہ سر پر دستار۔ ہاتھ میں تسبیح۔ سفید نورانی لمبی داڑھی۔ بغل میں ایک موٹی سی کتاب۔ لب و لہجہ عالمانہ۔ تقریر فصیح۔ سب نے تعظیم کی نووارد بزرگ نے سب سے مصافحہ کیا اور پائین مجلس میں بیٹھنے لگا۔ حضار مجلس نے بڑے اصرار سے صدر میں لاکر بٹھایا۔ باتیں شروع ہوئیں۔ حقایق معانی و دقایق علمی اس صفائی سے بیان کئے کہ لوگوں کا اعتقاد جم گیا اور سب نے تعظیم و تکریم میں بہت مبالغہ کیا۔ اتنے میں دسترخوان بچھنے کا وقت آیا۔ پیرمرد نے کہا کہ جتنی دیر میں دسترخوان چنا جائے میں نماز عشا سے فارغ ہو لوں۔ یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا لوگ اوسکے باہر آنے کے منتظر ہیں کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ صاحب تو کہیں غائب ہوگئے اور اون کی بجائے ایک نوجوان منڈی ہوی داڑھی۔ لمبی لمبی مونچھیں فوجی سپاہیوں کی وردی پہنے ہتیار لگائے کھڑا ہے لوگ حیران ہیں کہ یہ کیا طلسم ہے آخر یہ راز کھلا کہ وہ شخص نہ شیخ ہے نہ سپاہی ہے بلکہ ایک بہروپیا ہے اور جس رنگ کا چاہے روپ بھر لیتا ہے اس بہروپ کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کی طبیعتیں بشاش ہوگئیں اور جلسہ کو تفریح خاطر کا سامان مل گیا۔ کرامت صرف اتنی تھی کہ بہروپیئے نے اپنی اصلی حالت کو چھپا کر شیخ و سپاہی سے مشابہت پیدا کر لی تھی۔ اب دیکھو اس شخص نے کیا کام کیا خود ایک معمولی آدمی تھا لیکن اپنے تئیں زاہد اور سپاہی بتایا اس غرض سے کہ لوگ اس کو زاہد و سپاہی سمجھیں۔ اس مطلب کے لئے اوس نے علما اور سپاہیوں کا سا لباس

پہنا اور اپنی حرکات و سکنات کو بھی بہ تصنع بدلا۔ اصطلاح میں بہروپیہ مشبہ ہے اور شیخ و سپاہی مشبہ بہ غرض اس تشبیہ پیدا کرنے سے یہ تھی کہ لوگ اس شخص کو زاہد یا شجاع سمجھیں اور یہ مغالطہ تفریح طبع کا موجب ہو۔

فطرت انسانی بھی عجب طرح کی واقع ہوی ہے کہ واقعات سے زیادہ محاکات میں اسے مزہ آتا ہے۔ میدان جنگ سے بھاگ جائے لیکن تاریخ کی کتابوں میں بڑی بڑی خونریزیوں کی داستانیں بہت دلچسپی سے پڑھتا ہے مکروہ مناظر دیکھنا پسند نہیں کرتا لیکن اون کی تصویریں بڑے غور سے دیکھتا ہے تماشاگاہوں میں ایکٹروں کی مصنوعی حرکات و سکنات اصل سے زیادہ اوس کا دل لبھاتے ہیں۔ یہی حالت تشبیہ کی ہے کہ وہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے جس سے مشبہ کا اثر بڑھ جاتا ہے اور طبیعت اس سے محظوظ اور متلذذ ہوتی ہے جو تماشا مجلس میں دیکھا گیا۔ کلام کے تھیٹر میں اکثر ہوا کرتا ہے یہاں الفاظ لباس کا کام دیتے ہیں۔ فرض کرو بہروپیے کا نام زید ہے اور اسکو زاہد یا سپاہی ظاہر کرنا مقصود ہے تو یوں کہیں گے زید یا زید کے مانند ہے۔ زید رستم جیسا ہے مطلب یہی کہ لوگ زید کو یا زید جیسا زاہد اور رستم جیسا سپاہی سمجھیں۔ اصطلاح علم بیان میں زید مشبہ یا زید یا رستم مشبہ بہ مانند و جیسا حرف تشبیہ۔ زہد و شجاعت وجہ تشبیہ۔ اظہار زہد و شجاعت غرض تشبیہ ہیں۔

اب ان اصطلاحات کے معنی پر ذرا پھر غور کرو۔

تشبیہ کے معنی ہیں کسی خاص لحاظ سے[1] ایک شئے کو کسی دوسری شئے جیسا ظاہر کرنا

---

[1] کسی خاص لحاظ سے کہنے کی ضرورت اس سبب سے ہے کہ تشبیہ میں ہر لحاظ سے مطابقت کی حاجت نہیں اگر ایک ڈال کے توڑے دو سنگترے رکھے ہوں جو رنگ بو و ذائقہ وغیرہ میں یکساں ہوں تو دونوں میں علم بیان کے لحاظ سے کوئی علاقہ تشبیہ کا نہ ہوگا بلکہ کسی صفت میں مطابقت ہونی چاہیے نہ کہ ہر لحاظ سے یکسانیت زید کا چہرہ چاند کے مانند ہے۔ چہرے کو چاند سے تشبیہ دی ہے۔ چاند کرہ ہے اور چہرہ جسم کا حصہ دونوں کی ماہیت میں اس قدر اختلاف ہے کہ کوئی وجہ توافق سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن چہرے کی

تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا — کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

(انیسؔ)

اوس کے قطروں کو موتیوں سے تشبیہ دی ہے۔

مشبہ و مشبہ بہ — جس چیز کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دیں وہ **مشبہ** اور جس سے تشبیہ دی جائے وہ **مشبہ بہ** کہلاتی ہے اس شعر میں اوس کے قطرے مشبہ اور موتی مشبہ بہ ہیں

وجہ شبہ — جو معنی مشبہ اور مشبہ بہ میں مشترک ہوں وہ **وجہ شبہ** کہلاتے ہیں اوس کے قطروں اور موتیوں میں آب و تاب ایسی چیز ہے کہ دونوں میں پائی جاتی ہے یہی وجہ شبہ ہے

غرض تشبیہ — اب رہی **غرض تشبیہ** وہ یہ ہے کہ مشبہ کی رفعت اور حسن یا تحقیر و ذلت یا رعب و ہیبت وغیرہ صفات ظاہر کئے جائیں۔ اس شعر میں اوس کے قطروں کی خوشنمائی اور چمک دمک ظاہر کرنا غرض تشبیہ ہے۔

حروف تشبیہ — **مانند۔ مثل۔ سا۔ جیسا۔ سوں۔ برابر وغیرہ حروف تشبیہ** کہلاتے ہیں کلام میں یہ کبھی آتے ہیں اور کبھی نہیں۔

اطراف تشبیہ — مشبہ، مشبہ بہ **اطراف تشبیہ** کہلاتے ہیں۔

ارکان تشبیہ — اطراف تشبیہ، وجہ شبہ، غرض تشبیہ، حروف تشبیہ **ارکان تشبیہ** کہلاتے ہیں۔ میر انیس میدانِ جنگ کی حالت بیان کرتے ہیں۔

گرد وں میں مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد — گھوڑوں نے گونجتا تھا وہ سب اودی بنبرد

بقیہ نوٹ صفحہ (۱۱۱) صباحت اور خوشنمائی کو چاند کے نور اور خوشنمائی سے تشبیہ دی ہے اور تشبیہ کے لئے اسی قدر وجہ شبہ کافی ہے۔

تشبیہ کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ بطور استعارہ یا تجرید کے نہ ہو استعارہ کی تعریف اوپر بیان کی گئی ہے۔ تجرید بدیع کی اصطلاح ہے جسکے یہ معنی ہیں ایک شئے صاحب صفت سے دوسری شئے جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہو حاصل کی جائے اور غرض اس سے مبالغہ ہو

داغ دل سے آفتاب روز محشر آشکار — آتش غم ایسی کچھ بھڑکی کہ پل میں ہوگیا

داغ دل کی سوزش کو مبالغہ کے طور پر بیان کرتا ہے کہ اس سے آفتاب روز محشر پیدا ہوگیا۔ یہ تشبیہ نہیں تجرید ہے

آسمان گرد آلود کو شیشۂ ساعت سے تشبیہ دی ہے - آسمان مشبہ۔ شیشۂ ساعت مشبہ بہ وجہ شبہ آسمان کی جسمانی صورت اور اوسمیں گرد ہونا ہے غرض تشبیہ لشکر کی فراوانی کا اظہار حرف تشبیہ مثل ہے - ارکان تشبیہ کے علاوہ پانچویں چیز اقسام تشبیہ ہیں اب اون کی حقیقت پر علیحدہ علیحدہ غور کرو -

اطراف تشبیہ

عالم موجودات جس قدر چیزیں ہیں وہ حواس خمسہ ظاہری یعنے قوت باصرہ سامعہ شامہ ذائقہ لامسہ سے محسوس ہوتی ہیں یہ پانچوں قوتیں حواس خمسہ ظاہری کہلاتی ہیں - اس سبب سے ارکان تشبیہ یعنے مشبہ اور مشبہ بہ بھی جب ایسے ہوں کہ وہ یا اون کا مادہ حواس خمسہ ظاہری کے ذریعہ سے معلوم ہوسکے تو اون کو حسی کہتے ہیں -

لیکن بہت سی چیزیں خصوصاً غیر مادی اشیا ایسی ہیں کہ وہ حواس ظاہری سے معلوم نہیں ہوسکتیں - زندگی و موت - علم و جہل - الم و خوشی - بھوک و پیاس - محبت و مبغضت غیر حسی چیزیں ہیں لیکن اطراف تشبیہ بن سکتی ہیں ان کو عقلی[1] کہتے ہیں -

[1] علما علم بیان نے حسی کے مقابلہ میں اصطلاح عقلی مقرر کی ہے یعنے وہ شئے جو حواس ظاہری سے مدرک نہ ہو - لیکن دراصل حسیات کا ادراک بھی قوت مدرکہ سے جو ایک ذہنی قوت ہے اس طرح ہوتا ہے کہ کان آنکھ ناک زبان اور جلد سے جو آلات احساس ہیں اعصاب کے ذریعہ سے دماغ تک صور محسوسات پہونچتی ہیں اور قوت مدرکہ اون کی تمیز کرتی ہے - اگر دماغ اور آلات حس میں تعلق منقطع ہوجائے تو باوجود آلات حس کی صحت کے محسوسات کا ادراک نہ ہوگا - اس طرح عقل حسیات پر حاوی ہے - کسی شئے کو یہ کہنا کہ حسی نہیں عقلی ہے یہ کہنا ہے کہ حسی ہے بھی اور نہیں بھی ہے - حسی کا نقیض غیر حسی ہے نہ کہ عقلی لیکن اس وجہ سے کہ علم بیان میں یہ اصطلاح اسی طرح مقرر ہوچکی ہے - اور اصطلاحات علمیہ کا بار بار بدلنا زبان کی ترقی کو نقصان پہونچاتا ہے میں نے بھی عقلی ہی رہنے دیا - ع - پیچ کہیں یلی تو یلی ہی سہی -

* * * * * * * * * * * * * * * * * * * *

قواد ذہنی میں سے واہمہ ایسی قوت ہے کہ ایسی اشیا کا تصور کرسکتی ہے

جو فی الواقع موجود نہ ہوں یا اون اشیا کے جو عالم موجودات میں پائی جاتی ہیں

اجزا لیکر ایک نئی تصویر ذہن میں کھینچتی ہے مثلاً ہما اور عنقا عالم موجودات میں

نہیں ہیں لیکن واہمہ نے اون کے لئے پرندوں کی شکل کی تصویر ذہن میں بنائی ہے

جنات اور فرشتے جنت و دوزخ حواس ظاہری سے محسوس نہیں ہوتے لیکن

ذہن میں اون کی تصویریں موجود ہیں اسی طرح ایک ایسا جانور تصور کیا جاسکتا ہے

جس کا سر انسان کا اور دھڑ گھوڑے کا ہو انسان کا سر اور گھوڑے کا دھڑ واقعی

موجود ہیں لیکن ان سے ایک جانور کو ترکیب دینا قوت واہمہ کا کام ہے جب ایسی

چیزوں سے جو قوت واہمہ کی اختراع ہیں تشبیہ دی جائے تو وہ تشبیہ وہمی کہلاتی ہے

لہ علماء علم بیان نے اس بحث کو اس طرح لکھا ہے کہ قواد باطنی میں سے قوت متخیلہ کا کام یہ ہے کہ جو صورتیں

خیال میں جمع ہیں متخیلہ کبھی اون کو باہم مرکب کرتی ہے اور کبھی ایک دوسرے سے جدا۔ جیسے دس سر کا

آدمی یا بن سر کا آدمی۔ اور کبھی بعض چیزیں کہ ان کی کچھ اصل نہیں ہے اپنی طرف سے اختراع کرتی ہے مثلاً

غول کو جانور درندہ کا سا تصور کرنا اور آدمی کے واسطے دانت تجویز کرنا دوسرے قوت واہمہ

کا یہ کام ہے کہ خاص صورتوں میں جو تماس خاص معنی ہیں۔ اون کو ادراک کرے جیسے بیٹے کی محبت

جس چیز کو متخیلہ نے مرکب کیا ہے اوس کو خیالی کہتے ہیں۔ مثلاً یاقوت کا نیزہ یا ایسا جانور جس کے پر زمرد کے ہوں

اور منقار یاقوت کی اور آنکھیں موتی۔ ایسی چیزیں خارج میں نہیں پائی جاتیں مگر متخیلہ نے ان کو ان چیزوں سے ترکیب

کیا ہے مثلاً یاقوت نیزہ پر زمرد منقار یاقوت آنکھیں موتی وغیرہ سب خارج میں موجود ہیں اور جس چیز کو متخیلہ اپنی

طرف سے ایجاد کرے کہ اس کی کچھ اصل نہ ہو اس کو وہمی کہتے ہیں مثلاً غول کے دانت خیال کو علم بلاغت والوں نے

حسی میں داخل کیا ہے کیونکہ حس سے مراد وہ چیز ہے کہ وہ یا اس کا مادہ حواس سے مدرک ہوتا ہے اور وہمی کو

عقلی میں داخل کیا ہے کس واسطے کہ اون کی رائے میں وہمی مثل معقولات کے حواس سے ادراک نہیں کی جاتی لیکن ہے

[illegible] کہ اگر پائی جائے تو البتہ حواس سے مدرک ہو وہمی کو عقلی کہا گیا ہے

[illegible] خیالی اور وہمی کی تقسیم درست نہیں ہے اول تو یہ کہ متخیلہ اور واہمہ علم النفس کی [illegible]

علم النفس میں متخیلہ کا کام یہ دریافت کیا گیا ہے کہ جو تجربات حس نفس ناطقہ کو حاصل ہوتے ہیں وہ ایک عرصہ [illegible]

[illegible] ہیں لیکن اون کا نقش نفس ناطقہ میں ایسا مرتسم ہوجاتا ہے کہ سالہا سال گزرنے کے بعد بھی [illegible]

کی ایک تصویر بعینہٖ ذہن میں آجاتی ہے مثلاً ایک عظیم الشان جلسہ کی تصویر اس طرح ذہن میں [illegible]

[illegible] اس وقت وہاں موجود ہیں یہ فعل قوت خیال کا ہے زمانہ گزشتہ کی [illegible]

ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال — سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمیں کے بال

مرحب تھا لشکرِ شرکیں میں طاقت میں کوہ پیا — گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

زمیں پہ بال اور پہاڑی پہ دیو کا تصور قوت واہمہ کا کام ہے اسلئے مشبہ وہمی ہے

غالب سونے چاندی کے چھلوں کی نسبت کہتے ہیں۔

یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے — لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

چاند اور سورج کو بیچ میں خالی تصور کرنا واہمہ کا فعل ہے یہاں بھی مشبہ وہمی ہے

نحوست بھی سعادت ہوگئی سودا میں زلفوں کے — گلیم تیرہ بختی سر پہ ہم ظل ہما سمجھے

گلیم تیرہ بختی کو ظل ہما سے تشبیہ دی ہے۔ مشبہ تیرہ بختی غیر حسی یعنے عقلی ہے اور ظل ہما مشبہ بہ وہمی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو حسی کی تعریف کے موافق جو مشبہ یا مشبہ بہ وہمی ہونگے وہ حسی کے دائرہ میں داخل ہونگے جنات یا فرشتے جنت و دوزخ یا پہاڑی پہ دیو یا کرۂ آفتاب جو بیچ میں سے خالی ہوں اگر فی الواقع مشاہدہ میں آسکیں تو حس باصرہ سے معلوم ہونگے۔ تیرہ بختی وغیرہ اسماء الصفات وہمی نہیں بلکہ عقلی ہیں اس لئے وہمی کو بھی حسی ہی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ وہم کا مادہ محسوسات کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتا

اب رہی وجدانیات یا تاثرات جیسے بالترتیب چیز کھانے۔ عمدہ شعر سننے۔ حکمت و

بقیہ صفحہ ۱۱۴۔ تغیر و تبدل کے ذہن میں موجود کر دیتی ہے یہ تصویریں صورتہ ہی کہلاتی ہیں اور اصل سے وہی نسبت رکھتی ہیں جو کسی شئے کے سایہ کو اس چیز سے ہو۔ اس طرح متخیلہ کی جو تعریف علماء علم بلاغت نے کی ہے وہ دوسرے اس کا کام [illegible] یعنے وہ تصویروں ہی کو ترکیب دیتی ہے نہ ان کا تجزیہ کرتی ہے اب رہی قوت واہمہ اس کا [illegible] کہ وہ ایسی تصویریں خیالی کھڑی کر دیتی ہے جو فی الاصل موجود نہ ہوں اس طرح واقعات کی ترتیب بدلتی اور ان میں تصرف کرتی ہے الواہمہ خلاق اس طرح جو کام متخیلہ کے سپرد کیا گیا تھا وہ بھی واہمہ کا ہے لہٰذا صرف ایک قوت وہمی رہ گئی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ وہمی کو حسی میں داخل کیا جائے یا عقلی میں حسی کی تعریف یہ ہے کہ وہ شئے یا اس کا اصل مادہ کسی حس ظاہر سے معلوم ہو سکے اور واہمہ کی حالت یہ ہے کہ وہ کسی شئے کا تصور قائم نہیں کر سکتی جس کے اجزا حسی نہ ہوں۔ غول بیابانی۔ اس کے دانت اگرچہ فی الواقع موجود نہ ہوں لیکن اگر کوئی شئے پائی جائے تو حس بصر کے دائرہ میں داخل ہوگی۔ لہٰذا وہمی دراصل حسی ہے نہ کہ عقلی۔ اب رہے اسماء صفات تو واہمہ کا ان پر [illegible] نہیں چلتا۔ مثلاً سبزی۔ تاریکی۔ بلندی وجود عدم۔

و ریاضیات کے مسائل حل کرنے میں فلسفیت کا انبساط دوستوں کی مفارقت سے الم اور ملاقات سے خوش ہونے کی کیفیات وغیرہ جن کا ادراک صرف نفس کر سکتا ہے اور بیان میں نہیں آسکتیں یا تمام اسماء الصفات جیسی وجدانی ۔ ترشی و شیرینی ۔ زہد درندی ۔ رحم و ظلم وغیرہ قواء نفسانی کے نام نفس ناطقہ ۔ شعور ۔ خواہش ۔ ارادہ ۔ تعقل ۔ تمیز ۔ تفکر استدلال وغیرہ سب غیر حسی اور علماء علم بلاغت کی اصطلاح کے موافق عقلی ہیں اس طرح مشبہ و مشبہ بہ کی صرف دو صورتیں رہ جاتی ہیں حسی اور عقلی ۔

حسی اور عقلی کے لحاظ سے اطراف تشبیہ کی چار قسمیں ہوئیں ۔

(۱) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی

(۲) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی

(۳) مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی

(۴) مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی

مثلاً

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے ۔ جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے (انیس)

جناب سے مراد حضرت عباس ہیں کہ دشمنوں نے ان پر چاروں طرف سے برچھیوں کا وار کیا ہے اس حالت کو آفتاب اور اس کی کرنوں سے تشبیہ دی ہے مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہیں اور حس بصر سے تعلق رکھتے ہیں ۔

بلبل خوش نغمہ ہوں لیکن اس گلستاں میں جہاں ۔ نالہ مرغ چمن سے کم نہیں فریاد زاغ

نالہ مرغ چمن کو فریاد زاغ سے تشبیہ دی ہے دونوں حس سامعہ سے تعلق رکھتے ہیں

نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے ۔ پنکھڑی ایک گلاب کی سی ہے

لب کی نزاکت کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی ہے حس لامسہ و باصرہ سے تعلق ہے

چمن میں کس کی بارات تھی تیار تو نسیم ۔ کہ صبح غنچوں کے سب عطر دان کھول دئیے

غنچہ کو عطردان ان کی خوشبو سے تشبیہ دی ہے قوت شامہ سے متعلق ہے ۔

شورِ بلبل بھی یہ رکھتا ہے نمک آج کہ گل بن گیا کثرتِ شبنم سے نمکدان کی شکل

شورِ بلبل کو نمک کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

دہلی میں ایک کنجڑا پکار رہا ہے۔ "عزا انگور کا ہے رنگترے ہیں"

رنگترے کے ذائقہ کو انگور کے مزے سے تشبیہ دی ہے مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہیں اور قوتِ ذائقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مشبہ و مشبہ بہ دونوں عقلی

جب حضرت عباس شہید ہو چکے تو دشمن حضرت علی اکبر کو طلب کرتے ہیں اور بطور طعن کہتے ہیں۔

بھائی کا داغ اور ہے داغِ پسر ہے اور بازو کا درد اور ہے دردِ جگر ہے اور
قوت بدن کی اور ہے نورِ نظر ہے اور سینہ کا زخم اور ہے دردِ کمر ہے اور

بھائی کے مرنے کے رنج کو (مشبہ عقلی) ایک جگہ بازو کے درد سے تشبیہ دی ہے اور دوسری جگہ درد کمر سے (مشبہ بہ عقلی) بھائی کی موجودگی سے انسان کو جو ڈھارس ہوتی ہے (مشبہ عقلی) اوس کو قوت بدن سے (مشبہ بہ عقلی) اور بیٹے کی موجودگی (مشبہ عقلی) کو نورِ نظر (مشبہ بہ عقلی) تشبیہ دی ہے۔

میر انیس لشکرِ یزید کے ایک پہلوان کی کیفیت لکھتے ہیں۔

کندۂ سقر کے قعر کا پتلا گناہ کا دشمن تھا خاندانِ رسالت پناہ کا

پہلوان مشبہ حسی پتلا گناہ کا مشبہ بہ عقلی۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

زندگی مشبہ عقلی ہے اور طوفان مشبہ بہ حسی۔ اسی طرح دلیل کو آفتاب سے تشبیہ دینا کیونکہ ان دونوں سے چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

حسی تشبیہات زیادہ پر اثر ہوتی ہیں کیونکہ اون کا تصور ذہن میں جلد آجاتا ہے اور مشبہ کی صورت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

لیکچر ۱۵

وجہ شبہ

وجہ شبہ کی تعریف

وجہ شبہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ ایسا امر مشترک ہے جو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں پایا جائے۔ تشبیہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام اوصاف ذاتیہ جو مشبہ اور مشبہ بہ میں مشترک پائے جاتے ہیں وجہ شبہ ہوں بلکہ وجہ شبہ صرف وہ امور یا اوصاف ہونگے جن کا اظہار کرنا متکلم کا مقصد ہے اس لئے وجہ شبہ کی صحیح تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے مشترک امور یا اوصاف ذاتیہ میں سے وہ امر یا صفت جسکے اظہار کا قصد کیا جائے

زید شیر کی مانند ہے۔ زید اور شیر میں خواص حیوانیت اور شجاعت مشترک ہیں لیکن متکلم کا مقصد زید کو شیر سے تشبیہ دینے میں حیوانیت کا اظہار نہیں بلکہ شجاعت کا اظہار مقصود ہے اس لئے صرف شجاعت وجہ شبہ ہے۔ وجہ شبہ کا اکثر ذکر نہیں کرتے لیکن بعض اوقات اس کا ذکر بھی کر دیتے ہیں مثلاً میر انیس کے اس شعر میں۔

مرحب شکوہ و شوکت میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

شقی لشکر یزید کے پہلوان کو مرحب اور گیو سے تشبیہ دی ہے اور مرحب سے تشبیہ دینے میں وجہ شبہ شکوہ و شوکت اور گیو سے تشبیہ دینے میں وجہ شبہ طاقت بیان کی ہے ظاہر ہے کہ پہلوان، مرحب اور گیو تمام صفات حیوانیت اور نطق میں اشتراک رکھتے ہیں لیکن شاعر کو صرف شکوہ و شوکت اور طاقت سے مقصد ہے۔

وجہ شبہ کی قسمیں

مشبہ اور مشبہ بہ میں اوصاف مخصوصہ کا اشتراک کبھی تو حقیقتاً ہوتا ہے اور کبھی اضافتاً اور کبھی اعتباراً اس وجہ سے وجہ شبہ کی بھی تین قسمیں ہوئیں حقیقی۔ اضافی اور اعتباری۔ شیر اور انسان میں شجاعت حقیقی صفت ہے۔ دلیل کو آفتاب سے تشبیہ

اس سبب سے دیتے ہیں کہ دونوں میں ازالہ حجاب کی طاقت ہے لیکن یہ صفت اون کی ذات میں مستقر نہیں ہے بلکہ دونو سے متعلق ہے یعنے اضافی ہے۔ رہی صفت اعتباری وہ یہ ہے کہ واقعہ میں اس کا وجود نہ ہو بلکہ قوت واہمہ نے فرض کر لیا ہو مثلاً ذوق کا یہ شعر

نہ موج مے کو ہو پیچش نہ شیشہ لے ہچکی گئی جہان سے یہ بیماری فواق و زحیر

موج مے کو مرض زحیر (پیچش) سے اور شیشہ سے شراب گرنے کی آواز کو مرض فواق (ہچکی) سے تشبیہ دی ہے۔ یہ دو توجہ شبہ میں حقیقتاً نہیں بلکہ فرضی یا اعتباری ہیں۔

وجہ شبہ مفرد اور مرکب

وجہ شبہ کی دوسری تقسیم مفرد اور مرکب اور متعدد ہے اگر وجہ شبہ صرف ایک صفت ہے تو مفرد اور اگر کئی اوصاف اس طرح ملا کر کہ اون سے ایک مجموعی ہئیت تصور کیجا سکے وجہ شبہ قرار دے جائیں تو مرکب ہے وہ امور جو وجہ شبہ قرار دئے جاتے ہیں حسی اور عقلی دونوں ہوسکتے ہیں "پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے" پتوں اور رنگ چہرہ مدقوق میں زردی صفت مشترک ہے وجہ شبہ مفرد ہے۔

ہر سنگ ریزہ نور سے درخوش آب تھا
لہریں جو تھیں کرن تو بھنور آفتاب تھا

سنگ ریزوں کو درخوش آب سے لہروں کو کرن سے اور بھنور کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے سب میں وجہ شبہ صفائی ہے۔ لہذا مفرد ہے۔

اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیاہ کاری کی برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

ڈھالوں کی کثرت اس قدر تھی کہ جب فوج کے سپاہیوں نے اون کو اپنے ہاتھوں پر بلند کیا تو ایسی تاریکی ہوگئی جیسے ابر سیاہ کے چھا جانے سے ہوتی ہے اور جس طرح ابر میں بجلی چمکتی ہے اسی طرح ڈھالوں کے سایہ میں تلواریں چمکتی تھیں۔

تنزیہ خانہ کی تشبیہ وجہ شبہ مرکب ہے

مردم سیاہ پوش ہیں سب اور گھر سفید جیسے بیاض چشم ادھر اور ادھر سفید
وجہ شبہ مرکب ہے۔

وجہ شبہ اگر حسی ہو تو اطراف تشبیہ کا حسی ہونا ضرور ہے لیکن اگر وجہ شبہ عقلی ہو تو اطراف تشبیہ کے لئے ضرور نہیں کہ وہ عقلی ہوں بلکہ ممکن ہے کہ دونو حسی ہوں یا دونو عقلی یا ایک حسی اور ایک عقلی۔ دیکھو اس فقرے میں "عالم بے عمل اوس گدھے کے مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ عالم بے عمل مشبہ عقلی مشبہ بہ گدھا کتابیں لدا ہوا حسی وجہ شبہ یہ ہے کہ باوجود مصیبت اور بوجھ کا تحمل کرنے کے کسی فائدہ مند شے سے فائدہ نہ اٹھانا اور یہ مرکب بھی ہے اور عقلی بھی۔

تشبیہ مرکب میں بہ نسبت تشبیہ مفرد کے زیادہ جدت ہوتی ہے کیونکہ مفرد تشبیہوں کی طرف ہر شخص کا خیال بہت آسانی سے جاتا ہے۔ مفردات کا خزانہ ختم ہو چکا ہے بار بار ان ہی تشبیہوں کا دہرانا مزا نہیں دیتا۔ لیکن چند معمولی چیزوں کی ترکیب سے ایک ایسی ہی مجموعی ہیئت پیدا کر سکتے ہیں جو دل آویز بھی ہو اور نادر بھی۔

وجہ شبہ مرکب کو وجہ شبہ متعدد سے تمیز کرنا ضرور ہے۔

وجہ شبہ مرکب تو یہ ہے کہ کئی اوصاف ملکر ایک ہیئت مجموعی پیدا کریں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اور وجہ شبہ متعدد یہ ہے کہ وہ اوصاف جو وجہ شبہ بن سکتے ہیں ہوں تو کئی لیکن مجموعی طور پر اون سے ایک ہیئت حاصل نہ ہو بلکہ ہر ایک صفت علیحدہ علیحدہ وجہ شبہ ہو۔ رخسار پھول کے مانند ہے رخسار اور پھول میں وجہ شبہ رنگ اور نرمی ہیں یہ دونوں ملکر کوئی ہیئت پیدا نہیں کرتے بلکہ ہر ایک بذات خود وجہ شبہ ہے اور اس لئے جائز ہے کہ اگر چاہیں تو اونمیں سے صرف ایک ہی کو وجہ شبہ قرار دیں

وجہ شبہ متعدد (۱) حسی (۲) عقلی (۳) عقلی اور حسی ہو سکتی ہے۔

(۱) مشبہ اور مشبہ بہ دونو حسی ہوں تو وجہ شبہ عقلی یا حسی ہوگی جیسی زید کی

تشبیہ شیر سے وجہ شبہ شجاعت عقلی ہے۔ گل کی تشبیہ رخسار سے وجہ شبہ رنگ حسی ہے

(۲) مشبہ و مشبہ بہ عقلی ہوں تو وجہ شبہ عقلی ہوگی جیسے قناعت کی تشبیہ تمول سے وجہ شبہ استغنا۔ حرص کی تشبیہ افلاس سے وجہ شبہ حاجت۔ سلطنت کی تشبیہ چوبانی سے وجہ شبہ حفاظت۔

(۳) وجہ شبہ حسی ہو تو مشبہ و مشبہ بہ دونو حسی ہونگے

زلف کی تشبیہ عنبر سے وجہ شبہ خوشبو جلد بدن کی تشبیہ حریر سے وجہ شبہ نرمی

(۴) وجہ شبہ عقلی ہو تو مشبہ و مشبہ بہ دونو حسی یا دونو عقلی یا ایک حسی اور ایک عقلی ہو سکتے ہیں۔

علم کی تشبیہ نور سے وجہ شبہ ہدایت (عقلی) علیٰ ہٰذا القیاس۔

(۵) وجہ شبہ مرکب حسی ہو تو اطراف حسی ہونگے اور اس صورت میں اطراف تشبیہ یا مفرد ہونگے یا مرکب یا ایک مفرد ایک مرکب مثلاً

اطراف تشبیہ مفرد انگر کی تشبیہ چشم خروس سے وجہ شبہ گولائی سرخی و مقدار کی مجموعی ہیئت

اطراف تشبیہ مرکب۔ رقص میں ہے وہ شب اسطرح سے جلوہ گر ؎ جیسے آب موج زن میں عکس ہو خورشید کا

مشبہ مفرد حسی مشبہ بہ مرکب حسی۔ ہے چشم اوسکی یا گل نرگس ہی باغ میں ؎ ہے زلف اسکی یا کہیں آتش پہ جانی ہے

مشبہ مرکب مشبہ بہ مفرد شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہونچی ہے ؎ شمع ساں گرمی نظارہ سے جاتی ہے گل

(۶) وجہ شبہ متعدد تین طرح کی ہوتی ہے۔

سب حسی رخسار و گل

سب عقلی یساں دانہ و سُدہ ایک بار گرہ ؎ کُھلے جو کام سے مرے پڑے ہزار گرہ

بعض حسی بعض عقلی۔ آفتاب صبح محشر داغ ہے دل کے مرے ؎ حکم رکھتا ہے طبیب مرہم کافور کا

بعض دفعہ ایسی چیزوں کو بھی تشبیہ دیدیتے ہیں جو باہم ضد ہوں جیسے بخیل کو کہیں حاتم ہے۔ بزدل کو کہیں رستم ہے لیکن درا صل یہ تشبیہ نہیں استہزا ہے۔

لکچر (۱۶)

غرض تشبیہ

اغراض تشبیہ کا احاطہ کرنا آسان نہیں ہے متکلم کے ذہن میں بہت سی ایسی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک شئے کو دوسری شئے سے تشبیہ دے اپنے اپنے موقعہ پر غور کرنے سے وہ معلوم ہو سکتی ہیں غرض تشبیہ اکثر مشبہ سے متعلق ہوتی ہے اور کبھی مشبہ بہ سے بھی۔ اغراض تشبیہ میں سے جو اکثر مستعمل ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) مشبہ کی رفعت اور حسن کا اظہار جیسے دانتوں کو موتی اور لب کو یاقوت کہنا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد تمام اہل بیت ایک رسی میں قید کیئے گئے بظاہر ذلت کی حالت ہے لیکن تشبیہ نے بدنمائی کی جگہ حسن پیدا کر دیا۔

گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن ۔۔۔ جس طرح رشتۂ گلدستہ میں گلہائے چمن

(۲) تحقیر و تذلیل کا اظہار۔ دشمن کی فوج کا سپاہی۔ آلات جنگ سے آراستہ ہے۔ بظاہر حالت شان و شکوہ کی ہے مگر اس کی تذلیل تشبیہ سے اس طرح پیدا کی۔

کہتی تھی یہ ذرہ بدن بدخصال میں ۔۔۔ پکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال میں

(۳) رعب و ہیبت۔ حضرت عباس کے غصہ کا اظہار۔

پیدا غیض تھا عمرو کی طلب سے دلیر کو ۔۔۔ جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ میں شیر کو

ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال ۔۔۔ سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمیں کے بال

(۴) مبالغہ۔ گرمی کی شدت کا بیان۔

گرداب پہ تھا شعلہ جوالہ کا گماں ۔۔۔ انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں

(۵) جس جگہ مشبہ کے ممتنع ہونے کا دعوےٰ کرسکتے ہوں وہاں اس کے وجود کا امکان ظاہر کرنا۔

تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جوں نگاہ
تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

اس دعوے کو کہ یا وجودیکہ آنکھوں میں کوئی شخص ہو اور پھر دکھائی نہ دے۔ نگاہ کی تشبیہ نے کیا عمدگی سے ثابت کیا ہے۔

کیا تماشا ہے کہ مثل سرمہ تو اپنا فروغ
جانتے اپنی حقارت کو ہیں شہرت والے

حقارت کو سبب شہرت سمجھنا خلاف عادت ہے لیکن سرمہ کی تشبیہ نے اس امکان کو ظاہر کر دیا۔

مجھ میں اور ہمیں ربط ہے گویا برنگ بوو گل
وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

لخت دل اور اشک تر دونو بہم دونو جدا
ہیں رواں دو ہمسفر دونو بہم دونو جدا

وصل کی شب نکہت و گل کی طرح ہم اور وہ
رہتے ہیں باہم گر دونو بہم دونو جدا

شکل عکس و آئینہ تیرا خیال اور میرا دل
آئینے میں سیمبر دونوں بہم دونو جدا

ذوق ہیں سینہ میں اوراق جلاجل کی طرح
دل جگر با شور و شر دونو بہم دونو جدا

(۶) مشبہ کے حال کی توضیح مقصود ہو یا قوت و ضعف و زیادتی اور کمی کے متعلق مشبہ کی مقدار ظاہر کرنا چاہیں ایسی تشبیہوں میں مشبہ بہ مشبہ سے زیادہ واضح اور مشہور ہوتا ہے۔

آم تو گڑ کے مزے کے ہیں — یعنے بہت میٹھے ہیں۔

خانصاحب تو بنئے ہیں۔ — یعنے بہت کفایت شعار ہیں۔

دل کیا ہے پتھر ہے۔ — دل کی سختی کی مقدار ظاہر کی ہے۔

وہ لو وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب
کالا انگارہ رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب

گرمی کی شدت کا اظہار کیا ہے۔ — سودا زمانہ کی شکایت میں کہتے ہیں۔

رکھتا ہے پرغرور کو جوں نیزہ سر بلند
جوں جادہ خاکسار کو دے ہے زمیں پہ ڈال

پرغرور کو سربلند رکھنا اور خاکسار کو زمین پر ڈالنا نیزہ اور جادہ کی تشبیہ نے ظاہر کر دیا۔

(۷) مشبہ کا حال سامع کے دلنشین ہو جائے مثلاً سعی بے فائدہ کو نقش بر آب سے تشبیہ دیں کیونکہ دونوں جلد مٹ جاتے ہیں یا کسی امر کے دلنشین ہونے کو پتھر کی لکیر سے تشبیہ دیں کہ وہ نہیں مٹتی۔ — مشبہ کا حال سامع کے ذہن نشین کرانا

دل کو ہر چند میں سمجھایا کہ او خانہ خراب　　جان اس ہستیِ موہوم کو تو نقش بر آب

کتابوں میں لکھا گیا ہے بہت لکھ لکھ کے دھو ڈالیں　　(جرأت)

ہمارے دل میں ہے نقش حجر یہ تیرا ستانا　　(ظفر)

(۸) مشبہ کو نادر اور ظرفہ ظاہر کرنا مقصد ہو۔ یہ کیفیت وہمی تشبیہات میں عموماً دو طرح پائی جاتی ہے ایک تو یہ کہ مشبہ بہ فی نفسہ نادر ہو۔ دوسرے یہ کہ مشبہ بہ فی نفسہ نادر نہ ہو لیکن مشبہ جب ذہن میں آتا ہو تو اوس کے ساتھ مشبہ بہ کا تصور کم آتا ہو۔ — مشبہ کا ندرت و ظرافت ظاہر کرنا

یہ چہرۂ مہروش ہے ایک سنبل مشکفام دو
حسن بتاں کے دور میں ہے سحر ایک شام دو

سحر ایک اور شام دو ہونا خلاف عادت ہے لیکن تشبیہ نے اس کا سماں دکھا دیا۔

کیا کہوں ان ابروئے پیوستہ کے دل بسمل ہے　　ایک طعمہ مچھلیاں دو کشمکش آپس میں ہے

دو مچھلیوں کا ایک طعمہ پر لڑنا کوئی نادر بات نہیں لیکن دل و ابرو کے ساتھ تشبیہ نے اس کو نادر بنا دیا۔ سودا کہتا ہے۔

زلفیں یوں بکھری ہوئی چہرے پہ بانکے تھیں دل
جس طرح ایک کھلونے پہ لڑیں دو بالک

ایک کھلونے پر دو بچوں کا ہٹ کرنا معمولی بات ہے لیکن زلف و دل کی تشبیہ کس قدر نادر ہے۔

غرض تشبیہ کبھی مشبہ بہ کی طرف بھی راجع ہوتی ہے۔ ایک تو اس طرح پر کہ وجہ شبہ

جس چیز میں ناقص ہو اوسکو مشبہ بہ کریں اور ادعا یہ کیا جائے کہ وہ مشبہ بہ مشبہ سے ناقص نہیں بلکہ کامل ہے اس کو **تشبیہ مقلوب** کہتے ہیں۔

پڑ گیا عکس مقرر ہے کسی کا اوس پر
مہر مانند رخ یار درخشاں ہے آج

مہر مشبہ رخ یار مشبہ بہ ہے۔ ظاہر ہے کہ رخ یار مہر سے کم درخشاں اور فروزاں ہے

دوسری صورت وہ ہے جس کو **اظہار المطلوب** کہتے ہیں۔ یعنے جس چیز کی طرف اہتمام زیادہ ہو اوسی کو مشبہ بہ کریں۔ اور غرض ایسی تشبیہ سے اوس اہتمام کا ظاہر کرنا ہوتی ہے۔

کوندے ہے جو بجلی تو یہ سوجھے ہے نشے میں
ساقی نے مۓ تیز سے آتش یہ اڑائی

شراب کی رغبت کے سبب سے بجلی کے چمکنے کو مۓ تیز سے جو آگ پر اڑائی جائے تشبیہ دی ہے

تنور حسن رخ سے لیتے گرسنے کب کے اتار
ذرا بھی لگتی اگر قرص آفتاب میں سیخ

مثل قرص مشبہ بہ۔ آفتاب مشبہ۔ متکلم کے نزدیک روٹی اہم چیز تھی اس لئے اسی کو مشبہ بہ بنایا۔



لکچر (۱۷)

اقسام تشبیہ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ارکان تشبیہ حسب ذیل ہیں۔ اطراف تشبیہ۔ وجہ تشبیہ۔ غرض تشبیہ حروف تشبیہ ان ہی ارکان کے لحاظ سے تشبیہ کی قسمیں مقرر کی گئی ہیں۔

اقسام تشبیہ اطراف تشبیہ کے لحاظ سے

(۱) مشبہ اور مشبہ بہ دونو مفرد ہوں اور اون میں کوئی قید نہ لگی ہو یہ تشبیہ مطلق کہلاتی ہے۔

صبح رخسار یار کی سی ہے — شام زلفوں کے تار کی سی ہے

(۲) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مفرد ہوں لیکن اونمیں کوئی قید بھی لگی ہو۔

تار شعاع مہر بھی رنگ شفق میں روز — ماتم میں ہیں میرے مژہ خونچکان صبح

شعاع آفتاب (مشبہ) کو مژہ (مشبہ بہ) سے تشبیہ دی ہے لیکن شعاع کے ساتھ یہ قید ہے کہ شفق سے رنگین ہو اور مژہ کے لئے یہ شرط ہے کہ خونچکاں ہو۔

(۳) مشبہ اور مشبہ بہ میں سے ایک مقید ہو اور دوسرا غیر مقید۔

دل کا یہ احوال ہے غم سے ترے اے مہتاز — جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا

دل مشبہ مفرد۔ انگور کا دانا مرجھایا ہوا مشبہ بہ مفرد مقید (ذوق)

(۴) طرفین تشبیہ دونو مرکب ہیں۔

پیکان تیر الماس گوں منہ سرخ سوفار تیکے تو — گویا لگا کر پر اڑا نور سحر رنگ شفق

(۵) مشبہ مفرد۔ مشبہ بہ مرکب

بکر ساقی مجھے مائل کہ مینا میری نظر میں — لگے ہے مثل خاکستر کہ اسمیں آگ پنہاں ہے

مشبہ مرکب مشبہ بہ مفرد

(۶) مشبہ مرکب مشبہ بہ مفرد۔

نہیں یہ شیشۂ مے ہے کسی میخوار کا دل — محتسب دیکھ نہ کر دل شکنی خوب نہیں

شیشہ کو صورت بلندی اور رقت میں دل کے ساتھ تشبیہ دی ہے

تشبیہ ملفوف

(۷) طرفین تشبیہ دو تو متعدد اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو تشبیہ ملفوف یعنے اول چند مشبہ ایک جا ذکر کریں اور بعد اس کے چند مشبہ بہ۔

بہا کے افشاں جو جبیں پر نچوڑ زلفوں کو بعد اسکے — دکھاؤ عاشق کو اس ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

یار و مہتاب و گل و شمع بہم چاروں ایک — میں کتاں۔ بلبل۔ پروانہ بہم چاروں ایک

تشبیہ مفروق

دوسری قسم وہ ہے جس کو تشبیہ مفروق کہتے ہیں یعنے اول ایک مشبہ اور مشبہ بہ ذکر کریں اور بعد ازاں دوسرا مشبہ اور مشبہ بہ۔

شوخی اس چہرہ میں یوں ہیں گل ہیں ہو جیسے حمرت — ناز یوں چشم میں نرگس میں ہو جیسے نکہت

زلف سنبل رخ ہے گل اور چشم بادام سیاہ — قد ہے سرو بوستاں لب ہی یاقوت یمن

تشبیہ جمع

(۸) طرفین تشبیہ میں ایک واحد ہو اور دوسری متعدد۔ اس صورت میں اگر مشبہ واحد اور مشبہ بہ متعدد ہو تو اس کو تشبیہ جمع کہتے ہیں۔

غالب مرحوم کو مولوی کرم حسین نے ایک چکنی ڈلی نذر کی اور کہا کہ اسکی تشبیہات کچھ بیان فرمائیے غالب نے تیرہ شعر کا ایک قطعہ لکھا جسمیں اکتیس (۳۱) تشبیہات بیان کی ہیں۔

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے

مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھئے — حرزِ بازوئے شگرفان خود آرا کہئے

مسی آلودہ سرِ انگشتِ حسیناں لکھئے — داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہئے الخ

چکنی ڈلی مشبہ واحد ہے اور مشبہ بہ متعدد ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشبہ متعدد اور مشبہ بہ واحد ہو اسکو تشبیہ تسویہ کہتے ہیں — تشبیہ تسویہ

دل کو میاں خط و زلف تو جو رکھے تو عدل ہے۔
ایک یہ مرغ ناتواں جسکے لئے ہیں دام دو

مشبہ خط و زلف مشبہ بہ دام۔

مرا روز سیاہ اور زلف تیری — شب تاریک ہے برسات کی سی

(۹) تشبیہ عکس یہ ہے کہ مشبہ کو مشبہ بہ اور پھر مشبہ بہ کو مشبہ قرار دیں۔ — تشبیہ عکس

میں ہوں لاغر تری کمر کی طرح — ہے کمر تیری جیسا میں ہوں نزار

تشبیہ کی تقسیم باعتبار وجہ شبہ کے

(۱) تمثیل وہ تشبیہ جسمیں وجہ شبہ کئی امور سے حاصل ہو لیکن وصف حقیقی نہ ہو بلکہ اعتباری ہو جیسے تشبیہ مرکب میں ہوتا ہے۔ — تمثیل

بلند ہمت اگر ہوں نہ زیر چرخ ضعیف — ہلال عید ہو عالم کا کیونکر روزہ کشا
جو ناتواں نہ کریں دستگیری دشمن — تو خار و خس نہ کرے شعلہ کو کبھی برپا
فتادگی میں بھی عزت ہے دیکھ اے سرکش — کہ نیک دیدنے کیا نقش پا کو راہ نما

(۲) غیر تمثیل تمثیل کے خلاف یعنے جسمیں وجہ شبہ چند امور سے حاصل نہ ہوئی ہو اور وہمی اور اعتباری نہ ہو بلکہ حقیقی ہو۔ — غیر تمثیل

بن گیا عکس سے اوس شوخ گلستان رو کے — صفحہ آئینہ تصویر چمن کا کاغذ (ذوق)

(۳) تشبیہ مجمل جسمیں وجہ شبہ مذکور نہ ہو۔ — مجمل

گلبرگ تر سمجھ کے لگا بیٹھی ایک چونچ — بلبل ہمارے زخم جگر کے کھرنڈ پر (انشا)

(۴) تشبیہ مفصل جسمیں وجہ شبہ مذکور ہو۔ — مفصل

ہے نازکی سے قامت جاناں سمن کی شاخ — میں سوز عشق سے ہوں چنار کہن کی شاخ

(۵) قریب و مبتذل جسمیں مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف بلا تامل جلد خیال منتقل ہوجائے — قریب مبتذل

ایسی تشبیہات چونکہ کثرت سے استعمال ہوتی رہتی ہیں اون میں کوئی ندرت اور حسن باقی نہیں رہتا۔ آتش کہتے ہیں۔

زلفیں سنبل ہیں تو پھر نرگس شہلا آنکھیں
جس نے دیکھا تیرے مکھڑے کو وہ گلشن سمجھا

کس قدر بدمزہ شعر ہے۔

(۲) بعید و غریب ۔ جس میں مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف غور و فکر کے بعد ذہن منتقل ہو جیسا کہ وہمی اور عقلی تشبیہوں میں ہوتا ہے۔

ہوا یہ دوڑتا ہے اسطرح سے ابر سیاہ ۔۔۔ کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر

وجہ شبہ کا زیادہ مرکب ہونا تشبیہ کو زیادہ غریب و بعید بنا دیتا ہے۔ اور اس قسم کی تشبیہ زیادہ بلیغ خیال کیجاتی ہیں ورنہ قریب تشبیہیں ایسی مبتذل ہوتی ہیں کہ اونمیں کچھ لطف نہیں آتا۔ البتہ جو لوگ قادر الکلام ہیں ایسے تصرف کرتے ہیں کہ مبتذل کو غریب بنا دیتے ہیں۔

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونو کو بلا سمجھے ۔۔۔ اسے تیر قضا اوسکو پر تیر قضا سمجھے

نگاہ کی تشبیہ تیر کے ساتھ ایک مبتذل تشبیہ ہے۔ لیکن مژہ کو پر تیر قرار دینے نے ایک جدت اور حسن پیدا ہو گیا۔ اہل فن کے نزدیک مبتذل کو غریب کر دینا کیا بڑی بات ہے بعض دفعہ ایک شرط لگا کر حسن پیدا کر دیتے ہیں اور اسکو تشبیہ مشروط کہتے ہیں۔

سرو گر باغ میں رواں ہوگا ۔۔۔ تیرے قامت سا بے گماں ہوگا

اقسام تشبیہ بلحاظ غرض تشبیہ

(۱) مقبول وہ تشبیہ جس سے غرض تشبیہ اچھی طرح حاصل ہو۔

باغ میں مجھ کو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر ۔۔۔ ہر گل تر ایک چشم خونفشاں ہو جائیگا

(۲) مردود وہ تشبیہ جس سے غرض تشبیہ اچھی طرح حاصل نہ ہو آتش کہتے ہیں۔

دکھلا کے ساق پا جسے مارا ہے یار نے
گنبد بنا ہے قبر پر اُس کی بلور کا

ساق پا سے بلور کا گنبد نہیں بن سکتا۔ اگر چھاتیاں دکھا کر مارتا تو بلور کا گنبد بننا مناسب تھا۔

اقسام تشبیہ بہ لحاظ حروف تشبیہ

(۱) موکد جسمیں حرف تشبیہ محذوف ہو۔

آگئیں تم کو لگانی انگلیوں پر فندقیں
نوک مژگاں پر مرے اشک جگر گوں دیکھکر

اسکی ایک قسم یہ ہے کہ حرف تشبیہ کو حذف کر کے مشبہ بہ کو مشبہ کی طرف مضاف کر دیں۔

شہ بلند نگہ شہریار و الاجاہ
خدیو مہر کلاہ خسرو سپہر سریر

یعنے کلاہ مثل مہر۔ سریر مثل سپہر

اسی کی ایک صورت تشبیہ کنایہ ہے یعنے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کنایتاً تشبیہ دیں۔ اسمیں نہ تو مشبہ کو ذکر کرتے ہیں اور نہ حرف تشبیہ بیان کرتے ہیں۔

میں ہوں کیوں تلخ کام گرچہ سدا
لعل شیریں ہے تیرا شکر بار

(۲) مرسل وہ تشبیہ جسمیں حرف تشبیہ مذکور ہو۔

تپ محبت میں سخت جانی کا یہ اثر ہے دل طپاں پر
کہ مثل سوہان پڑ گئے ہیں ہزاروں کانٹے مری زباں پر

اٹھائے سوز غم ہر نفط ہیں خون کے دعوے کوئی غلط ہیں
کہ مثل قط گیر خط یہ خط ہیں ہنوز باقی ہر استخواں پر

اہل سخن کا کمال دیکھو بعض دفعہ ایک چیز کو دوسری چیز سے اس طرح تشبیہ دیتے ہیں کہ بظاہر تشبیہ نہیں معلوم ہوتی اسکو تشبیہ اضمار کہتے ہیں ؎

تیرہ کس واسطے ہے میرا بخت
گر ہے وہ زلف تیرہ چوں شب تار

گر جام حیات اپنی نہیں قسمت وا شد دل
دریا میں ہمیشہ رہے بھر کیوں نہ گئے ہم

ایک اور صورت تشبیہ تفضیل ہے وہ اس طرح کہ ایک چیز کو کسی دوسری شے سے تشبیہ دیں پھر اس سے پھر کر مشبہ کو مشبہ بہ پر ترجیح و تفضیل دیں۔

تو ہے گل اور نہیں کہ ہے دایم   تجھ سے خرم رخ گل و گلزار
تمام رات ہوی کر گیا کنارا چاند   لو اتر و بام سے تم جیتے اور ہارا چاند

پہلے معشوق اور چاند یکساں تھے اور رات بھر کے امتحان کے بعد چاند ہار گیا اور معشوق کی فضیلت ثابت ہوی۔

تو مسیحا ہے بلکہ اوس کو بھی   تیرے لب سے ہے مایۂ اعجاز

پہلے معشوق کو مسیحا سے تشبیہ دی اور پھر معشوق کو مسیحا پر فضیلت دی۔

تشبیہ کا بیان ختم کرنے سے پہلے اضافت تشبیہی کا سمجھ لینا بھی ضرور ہے اضافت تشبیہی کی ترکیب تو فارسی ہے لیکن اردو میں بھی مروج ہے۔ چنانچہ مار زلف کمان ابرو۔ گل رخسار اردو میں بھی بے تکلف مروج ہے۔ اضافت تشبیہی میں مشبہ بہ کو اول لاتے ہیں اور ایک اضافت حرف تشبیہ۔ وجہ شبہ۔ حرف ربط کا کام دیتی ہے گل رخسار کے معنی ہیں رخسار جو رنگ و نزاکت میں گل کے مانند ہے۔

رخسار مشبہ۔ گل مشبہ بہ۔ رنگ و نزاکت وجہ شبہ۔ مانند حرف تشبیہ۔ ہے حرف ربط اضافت نے وجہ شبہ حرف تشبیہ حرف ربط کی کفایت کردی۔ کلام میں جہاں اختصار مد نظر ہوتا ہے اضافت تشبیہی بہت کام دیتی ہے۔ غالب کہتے ہیں۔

کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر   سبز مثل خط نوخیز ہو خط پرکار

اندیشہ کو مانی سے تشبیہ دی ہے۔ تشبیہات کے لئے ضرور ہے کہ شاعر کا مشاہدہ وسیع اور اسکو حقایق اشیا سے اچھی واقفیت ہو تاکہ وہ مختلف چیزوں میں صحیح وجہ شبہ دریافت کرسکے اور یہ بھی اسکو معلوم ہو کہ کون کونسی چیزیں باہم تشبیہ دینے کے قابل ہیں ورنہ وہ نئی تشبیہات نہیں پیدا کرسکے گا اور جو تشبیہات استعمال کریگا اونمیں بھی غلطیاں کریگا۔ آتش کی ناواقفیت دیکھو۔ فرماتے ہیں

شام تک ڈھونڈا کیا زنجیر پھانسی کیلئے   صبح تک میں نے خیال گیسوے پیچاں کیا

پھانسی زنجیر سے نہیں رسّی سے دی جاتی ہے۔

روئے گل پر دیکھکر شبنم کو کہتا ہے وہ گل — کیا ہی پھبتی ہے یہ کیڑا لگ گیا بانات میں

بانات میں نہ صفائی ہوتی ہے نہ نرمی۔ شبنم کی تشبیہ کیڑے سے بے جوڑ ہے۔ وجہ شبہ کیا ہے؟

آتش: قدم وہ ہوں مری ٹھوکر جو کھائے کوہ — پتھر ہوں نرم ہو کے روئی کے پہل تمام

پتھر کو حرارت پہونچا کر روئی کا پہل بنایا ہے ورآنحالیکہ روئی کا پہل گداختگی سے پیدا نہیں ہوتا۔ موم یا رانگ بنانا چاہئے تھا

ہربرٹ اسپنسر اپنی کتاب فلسفہ تعلیم میں لکھتا ہے۔ سائنس کسی صنعت میں پورا کمال حاصل کرنے کے لئے ہی ضروری نہیں ہے بلکہ فنون لطیفہ کو پوری طرح سمجھنے کے لئے بھی درکار ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ایک مہذب شہری آدمی ایک دہقان کی نسبت عمدہ نظم سے زیادہ لطف اٹھاتا ہے وجہ یہ کہ اوسکو مختلف اشیاء اور حرکات سے بہت زیادہ واقفیت ہوتی ہے اور اسی واقفیت کی بدولت نظم میں اسکو بہت سی باتیں نظر آتی ہیں جو دہقان کو نظر نہیں آسکتیں۔ تصویر کی پوری خوبی اسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے جبکہ اصل چیزوں کو پوری طرح سمجھ لیا جائے۔ کسی صنعت کے کام میں جس قدر زیادہ اہلیت ظاہر کیجاتی ہے صاحب ادراک وشعور کو اسی قدر زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس شخص نے جوانی کے زمانہ میں پودوں اور کیڑوں کو جمع نہ کیا ہو وہ اس دلچسپی کی آدھی قدر بھی نہیں جانتا جو گلی کوچوں میں خاردار جھاڑی کی قطاروں سے حاصل ہوسکتی ہے جس شخص نے معدنی اشیا ء تجرہ کی کبھی تلاش نہ کی ہو اوسکو ان شاعرانہ خیالات کا تصور بہت کم ہوسکتا ہے جو ان مقامات میں پیدا ہوتے ہیں جہاں یہ خزانے زمین کے اندر پائے جاتے ہیں جس شخص نے سمندر کے کنارے پر خوردبین کے ذریعہ سے آبی حیوانوں کے حوض کا معائنہ نہ کیا ہو ابھی اس کو یہ بات سیکھنی ہے کہ سمندر کے کنارے پر سب سے اعلیٰ درجہ کی پر لطف چیزیں کونسی ہیں۔ سائنس تمام قسم کے فنون اور شاعری کی

سہیلی ہے اور اگر صحیح طور پر خیال کیا جائے تو سائنس بجائے خود شاعری ہے۔

لکچر (۱۸)

استعارہ

دلی میں آموں کی فصل میں ایک کنجڑا آواز لگا رہا ہے "پال والے ہی کا لڈو واہ" چھبیے میں تو آم رکھے ہیں مگر کہتا ہے لڈو یعنے لڈو میں مطلب یہ ہے کہ آم ایسے میٹھے اور شیریں ہیں گویا لڈو ہیں۔

یہ یاد رہے زبان اور اس کے محاسن صرف ونحو کے قواعد یا علم معانی و بیان کے اصول کے تابع نہیں ہوتے بلکہ یہ قواعد اور اصول زبان کی روش کو دیکھکر منضبط کیے جاتے ہیں خوش نوائی دلی کی خاک کا خاصہ ہے ان پڑھ دوکاندار بھی باتیں نہیں کرتے حسن بیان کا مینھ برسا دیتے ہیں۔ ذرا اس جملہ ہی پر غور کرو "پال والے ہی کا لڈو واہ" بیچتا ہے آم اور کہتا ہے لڈو یعنے آم اور لڈو میں تشبیہ کا علاقہ قایم کرتا ہے۔ آم مشبہ لڈو مشبہ بہ وجہ شبہ شیرینی۔ غرض تشبیہ آموں کی خوش ذائقگی کا اظہار اور اس میں اس قدر مبالغہ کرتا ہے کہ مشبہ یعنے آموں کا نام ہی نہیں لیتا گویا متکلم کے نزدیک آم نہیں عین لڈو ہیں لیکن پھر بھی سامع کو دھوکے سے بچاتا ہے اور پال والے کا کہہ کر یہ قرینہ قایم کرتا ہے کہ لفظ لڈو مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنے وہ لڈو نہیں جو حلوائی کے ہاں ہوتے ہیں بلکہ وہ قدرتی لڈو جو پال ڈالنے والے تیار کرتے ہیں یعنے آم۔ علم بیان میں اس طرز بیان کو استعارہ کہتے ہیں استعارہ کے لغوی معنے تو عاریت طلب کرنا ہے اصطلاح میں وہ لفظ جو غیر وضعی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کا علاقہ ہو نیز مشبہ یا مشبہ بہ کو حذف کرکے ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے

ہیں لیکن کوئی ایسا قرینہ بھی ساتھ ہی ظاہر کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے کہ متکلم کی مراد حقیقی معنوں کی نہیں ہے۔ معنی مشبہ کو مستعار لہٗ (مانگا ہوا اسکے واسطے) معنی مشبہ بہ کو مستعار منہ (مانگا ہوا اس سے) اس لفظ کو جو مشبہ بہ کے معنی پر دلالت کرے مستعار وجہ شبہ کو وجہ جامع کہتے ہیں۔

نہیں ممکن کہ کاٹ فکر لکھے شعر سب اچھے ‏ ‏ ‏ برستا ہے بہت نیساں گہر ہوتے ہیں کم پیدا

فکر کو کشتی سے تشبیہ دی ہے۔ کشتی مستعار منہ قوت فکر مستعار لہ لفظ فکر مستعار انشاء کی قوت وجہ جامع۔

یہ خیال رہے کہ جب مشبہ کو حذف کر کے مشبہ بہ کو ذکر کرتے ہیں تو متکلم کا مقصد یہ ہوتا ہے گویا مشبہ بہ عین مشبہ ہے اور اس لحاظ سے بعض علماء استعارہ کو مجاز عقلی کہتے ہیں یعنے جو چیز واقع میں نہ ہو اسکو واقعی فرض کر لینا عقل کا کام ہے لیکن اصل استعارہ میں یہ دعوےٰ کہ مشبہ عین مشبہ بہ ہے بطور مبالغہ ہوتا ہے نہ بطور حقیقت۔

آفتاب روز مشتاقاں ہو یارب جلوہ گر
شام تنہائی بسر ہوتی ہے کیونکر دیکھیے

بے وقوف سا بے وقوف آدمی بھی باور نہ کریگا کہ یہ دعا مستجاب ہوگی اور نظام شمسی میں اس قدر تغیر پیدا ہو گا کہ آفتاب شام کے چھپتے بجائے غروب ہونے کے طلوع ہو کائنات کا انتظام درہم برہم ہو جائے تو بلا سے لیکن شاعر کو شب تنہائی کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ فی الحقیقت لفظ آفتاب سے شاعر کی مراد بھی کرہ آفتاب نہیں نہ وہ گردش سیارات میں خلل دینا چاہتا ہے بلکہ اسکی مراد اپنا معشوق ہے جسکے آنے کی وہ دعا مانگ رہا ہے لیکن شاعر کے خیال میں معشوق میں نورانیت اور حسن جو آفتاب اور معشوق میں وجہ جامع ہے اس قدر کامل ہے کہ وہ معشوق کو آفتاب کہتا ہے اور روز مشتاقاں نے مجازی معنے مراد ہونے کے قرینہ کو اور بھی ظاہر کر دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استعارہ

مجاز لغوی ہے نہ مجاز عقلی یعنے وہ لفظ جو اپنے معنے موضوع لہ پر استعمال نہیں ہوا۔

تشبیہ کی طرح بعض لحاظوں سے استعارہ کی مختلف قسمیں ہیں۔

اقسام استعارہ بہ لحاظ اطراف تشبیہ

(۱) **استعارہ تصریحیہ یا استعارہ بالتصریح** وہ استعارہ جسمیں مشبہ محذوف اور مشبہ بہ مذکور ہو اور مشبہ بہ سے مشبہ مراد لیجائے۔ غالب نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں

تم ثمر نورس ہو اوس نہال کے جسنے میری آنکھوں کے سامنے نشو و نما پائی ہے نہال سے مراد نواب مذکور کے والد ہیں جنکو نہال سے تشبیہ دی ہے اور نام نہیں لیا اور مشبہ بہ نہال سے اون کو تعبیر کیا ہے۔

(۲) **استعارہ بالکنایہ** مشبہ بہ ترک کیا جائے اور مشبہ مذکور ہو اور وہ شئے کہ مشبہ بہ سے تعلق رکھتی ہے مشبہ کے واسطے ثابت کریں۔

جو سوئے جیب ہیں ہم سرنگوں سبب یہ ہے
کہ دل کے زخم کو مژگاں سے ہے رفو کرتے

مژگاں کو سوئی سے تشبیہ دی ہے لیکن مشبہ بہ کا نام نہیں لیا اور رفو جو سوزن کا کام ہے مژگان سے منسوب کیا۔

ایک مدت تک تو ناسخ غم یہ غم کھایا کیا آخر اکدن گور کے منہ کا نوالا ہو گیا

گور کو حیوان کھانے والے سے تشبیہ دی ہے اور منہ اور نوالا لوازمات حیوان سے ہیں

(۳) **استعارہ وفاقیہ** ایسا استعارہ کہ طرفین استعارہ کا اجتماع ایک شئے میں ہو سکتا ہو یعنے مستعار لہ اور مستعار منہ باہم متضاد نہ ہوں مثلاً صاحب علم کو آنکھوں والا کہیں۔ علم اور آنکھیں ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہیں۔

(۴) **استعارہ عنادیہ** مستعار لہ اور مستعار منہ کا ایک شئے میں جمع ہونا محال ہے جیسے مشبہ کو زندہ کہنا دہان و کمر کو عدم کہنا۔

تقسیم استعارہ بہ لحاظ وجہ جامع

(۱) وجہ جامع مستعار لہٗ اور مستعار منہ دونوں کے مفہوم میں داخل ہو۔ یعنے انکے معنے کا جزو ہو جیسے اڑنا بہ معنی دوڑنا کہ قطعہ مسافت دونو کے معنوں میں داخل ہے۔

غنچے تیری غنچہ دہنی کو نہیں پاتے ۔۔۔ ہنستے ہیں مگر تیری ہنسی کو نہیں پاتے

حرکت واشدگی کھلنے اور ہنسنے دونو میں پائی جاتی ہے۔

(۲) وجہ جامع دونو کے یا دونو میں سے ایک کے مفہوم سے خارج ہو۔ جیسے کسی شخص کو شیر کہنا کہ وصف شجاعت مرد اور شیر دونو کے مفہوم سے خارج ہے۔

(۳) استعارہ عامہ مبتذلہ جس میں وجہ جامع بلا تامل و غور معلوم ہو جائے۔

گیا تھا کہہ کے اب آتا ہوں قاصد کو تو موت آئی ۔۔۔ دل بیتاب ہاں جا کر کہیں تو بھی نہ رہ رہنا

موت آنا۔ دیر لگانا۔

(۴) استعارہ غریبہ جسمیں وجہ جامع بہ تامل و غور معلوم ہوتی ہو۔

جسکی آواز سے ہوں رونگٹے سوہان کے کھڑے ۔۔۔ وہ محبت نے دیا سلسلہ پا ہمسم کو

(۵) استعارہ خاص یہ ہے کہ استعارہ عامہ مبتذل میں تھوڑا سا تصرف کرکے تازہ بنا لیا گیا ہو۔

وہ سیب مرصع کہیں مل جائے تو ہو جائے ۔۔۔ فی الفور علاج دل بیمار محبت

سیب کی تشبیہ تھوڑی سے مبتذل ہے عرق آلود ہونے کے لحاظ سے مرصع کہا اور ندرت پیدا کی۔

سجا نے قصد ہی کس خون گرفتہ کا کہ رہتی ہے ۔۔۔ علم شمشیر زہرا لود سر پر چشم فتاں کے

ابرو کو شمشیر سے استعارہ کیا ہے استعارہ مبتذل ہے لیکن ابرو کی سیاہی کے لحاظ سے زہر آلود کہا جس سے یک گونہ غرابت پیدا ہو گئی۔

تقسیم استعارہ بہ لحاظ لفظ مستعار

استعارہ اصلیہ

(۱) اصلیہ وہ استعارہ کہ جس میں وہ لفظ کہ مشبہ بہ پر دلالت کرتا ہے اسم جنس ہو۔ یعنے ایسی بہت سی چیزوں پر صادق آسکتا ہو۔ جو کوئی وصف مشترک رکھتی ہیں۔
جیسے استعارہ گل کا واسطے رخسار کے۔

استعارہ تبعیہ

(۲) استعارۂ تبعیہ وہ ہے کہ لفظ مستعار فعل یا مشتقات فعل ہو۔ یاد رہے کہ فعل یا مشتقات فعل کے معنے میں یہ صلاحیت نہیں کہ تشبیہ کے وصف سے موصوف ہو سکے بلکہ فعل کا مصدر مشبہ ہوتا ہے۔ پس فعل کے تئیں مستعار کہنا بطریق تبعیت ہے نہ بطریق اصل کے۔ ایک مظلوم چلا رہا ہے ہائے ظالم مار ڈالا۔ مطلب یہ ہے کہ ضرب شدید پہنچائی۔

پیمانہ نکلے آ کسی بادہ کش کے کام
انسان بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

مٹی خراب کی استعارہ ہے بہ معنی ذلیل و رسوا کیا۔ حقیقتاً تشبیہ دونو مصدروں میں ہے مار ڈالنا۔ ضرب شدید پہنچانا۔ مٹی خراب کرنا۔ ذلیل و رسوا کرنا۔

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں اب مر بھی

مر بھی یعنے خاموش ہو۔

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

نقش پا میں کہنے کی صلاحیت نہیں۔ معلوم ہوا کہنا بطور استعارہ ہے یعنی علانیہ نقش پا سے شوخی ظاہر ہوتا۔ ۱

۱ علمائے علم بیان نے استعارہ تبعیہ کے ضمن میں حرف کو لفظ مستعار میں داخل کیا ہے لیکن راقم کے نزدیک درست نہیں حرف کی تعریف یہ ہے کہ بغیر ملے دوسرے لفظ کے مستقل معنی نہ رکھتا ہو جیسے میں۔ تک۔ سے۔ جیسے تک۔ گھر میں۔ گھر تک۔ گھر سے۔ جب کہیں ان الفاظ کے معنی نہیں ظاہر ہوتے پس ظاہر ہے کہ جو شے مستقل معنے ہی نہ رکھتی ہو وہ کسی شئے سے تشبیہ بھی نہیں دی جا سکتی اور جب تک مستعار لہ مستعار منہ میں علاقہ تشبیہ نہ ہو استعارہ کیونکر قائم ہو سکتا ہے حروف میں یہ بھی قابلیت نہیں کہ کسی اور طرح مجازی معنی ظاہر کریں۔ علماء ذکر کرتے ہیں کہ حرف کے معنے کا متعلق مشبہ ہوتا ہے۔ مثلاً کہیں کہ ہم نے اپنے مطلب سے ہاتھ دھویا یعنے اپنی غرض کو ترک کر دیا۔ پس مستعار لہ اس جگہ مطلب کا ترک کر دینا ہے اور مستعار منہ ہاتھ دھونا یعنے بہ اعتبار ظاہر کے یہ ہے کہ لفظ سے کا مستعار لہ واقع ہوا ہے اور ہاتھ دھونا مستعار منہ اور واقع میں مستعار لہ نہیں بلکہ اس کا متعلق ترک کرنا مستعار لہ ہے پس سے کا لفظ متعلق کے اتباع سے مستعار ہے

استعارہ تبعیہ کے قرینے مشتقات فعل میں حسب ذیل ہوتے ہیں :-

(۱) فاعل کہتی تھی ماہی بریاں کہ دیران قضا ، داغ دیتے ہیں اسے جسکو دم دیتے ہیں

(۲) مفعول مومیائی ہو حمایت تری حق میں جسکے ، سخت گیری سے فلک توڑے کسی کی گردن

(۳) وہ لفظ جس پر کوئی حرف داخل ہو۔

کھجائے سر جو کبھی مفسدان سرکش کا ، علاج خارش سر ہو بہ ناخن شمشیر

(۴) حالت جیسے مارڈالنا یعنی ضرب شدید پہونچانا۔

دیگر اقسام استعارہ

استعارہ مطلقہ جس میں نہ مستعار لہ کے مناسبات وصفات مذکور ہوں نہ مستعار منہ کے استعارہ مطلقہ
میں نے شیر دیکھا مراد مرد شجاع۔

استعارہ مجردہ مستعار لہ کے مناسبات وصفات مذکور کریں۔ میدان جنگ کا شیر دیکھا استعارہ مجردہ

استعارہ مرشحہ مستعار منہ کے مناسبات وصفات مذکور کریں۔ استعارہ مرشحہ

جنگل لرز رہا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

شیر مستعار منہ ہے اور شیر کے دہاڑنے سے جنگل میں ہیبت کا چھا جاتا اوسکے لوازمات سے ہے

چہرۂ راز سے پردہ نہ اٹھاؤں کب تک ، گو غم پردہ نشیں ہے پہ چھپاؤں کب تک

کبھی مستعار منہ اور مستعار لہ دونو کے مناسبات ذکر کرتے ہیں۔ یعنے تجرید اور ترشیح کو ذکر کر دیتے ہیں۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے ، ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

خامہ مستعار لہ اس کے مناسبات کیا لکھئے۔ مستعار منہ انسان نادم۔ اسکے مناسبات

کہا گیا۔ خود اس بیان سے بھی ظاہر ہے کہ حروف میں استعارہ بننے کی قابلیت نہیں ہے پس سیدھی سی بات یونہی کیوں نہ کہی جائے کہ استعارہ حروف میں نہیں ہوتا۔ رہا متعلقات حروف میں استعارہ اوسکی کیفیت وہی ہے جو فعل اور متعلقات فعل کی ہے۔

انگشت بدنداں۔

دہ نہ آئے شب وعدہ تو تعجب کیا ہے   رات کو کس نے ہے خورشید درخشاں دیکھا

خورشید درخشاں مستعار منہ اوس کے مناسبات رات کو نہ دکھائی دینا۔

معشوق مستعار لہٗ اوس کی مناسب شب وعدہ نہ آنا۔

تمثیل یہ سبیل استعارہ ایسا استعارہ جس میں ذکر مشبہ بہ کا اور ارادہ مشبہ کا ہو یا بیشے اور وجہ جامع کئی چیز سے حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح مستعار منہ اور مستعار لہ بھی کئی چیز سے حاصل ہوتے ہیں اوس کو محض تمثیل یا مجاز مرکب بھی کہتے ہیں یعنے دو صورتوں میں ایک صورت کو دوسری کے ساتھ تشبیہ دی جائے پھر دعویٰ کیا جائے کہ مشبہ کی صورت مشبہ بہ کی جنس میں سے ہے اور اوسکے واسطے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو مشبہ بہ پر دلالت کریں ایسے فقروں کو مثل کہتے ہیں۔   تمثیل

ٹپکتے درد ہیں آنسو کی جاگہ   الٰہی چشم یار زخم کہن ہے

درد میں ایسی کوئی شئے نہیں جس میں ٹپکنے کی خاصیت پائی جائے لیکن درد کو آنسوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور اسپر ٹپکنے کا اطلاق کیا گیا اور دوسرے مصرع میں چشم کو زخم کہن کہا۔

انگلی پکڑتے پہونچا پکڑنا   کسی شخص سے اس سبیل کے انصرام کے بعد مطالب مشکل کے حل کرنے کا طالب ہونا۔

چھڑی کھاتے پہونچا اتنا   تھوڑی سی مشقت سے شدید صدمہ پہونچا۔

چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا۔   چلتے کام میں ہرج ڈالنا۔

چھاتی پر مونگ دلنا۔   سخت ایذا رسانی کرنا۔

چراغ گل ہونا۔   بد اقبالی پیدا ہونا۔

سب اسی قسم کے استعارے ہیں یعنے ایک قسم کی مجموعی حالت کو دوسری قسم کی مجموعی

حالت سے استعارہ کیا گیا ہے۔ ذوق کہتے ہیں

مرے نالوں سے چپ ہر باغ میں مرغ خوش الحان ہیں — صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانہ میں
دل جو گھر غم کا ہو گیا اور نہیں ہو سرمایۂ عیش — وہ مثل ہے کہ کہاں گھونسلے میں چیل کے ماس

استعارہ تخئیلیہ وہ استعارہ جس میں مشبہ بہ کے خواص کو مشبہ کے واسطے ثابت کیا جائے گویا مشبہ بعینہٖ مشبہ بہ کی جنس سے ہے۔

نہ جانے دل میں ترے کیوں نہیں اثر ورنہ — یہ آہ وہ ہے کہ پتھر کے پار ہوتی ہے

آہ کو تیر سے تشبیہ دی۔ تیر کے خواص میں سے اجسام کو چھید کر نکل جانا۔ وہی صفت آہ کی بیان کی گئی ہے۔ استعارہ تخئیلیہ میں غیر ممکن الوقوع خیالات باندھے جاتے ہیں مثلاً شراب کو آتش سیال کہنا۔

آ گیا اصلاح پر ایسا زمانے کا مزاج — تازیانِ خامہ بھی آتا نہیں حرف دوا

استعارہ تحقیقیہ وہ استعارہ کہ اسمیں جو معنی مراد ہوں وہ بطور تحقیق ہوں نہ بطریق تخئیل خواہ حسی ہو یا عقلی۔

ساقی قدح شراب دیدے — مہتاب میں آفتاب دیدے

آفتاب سے مراد شراب ہے۔

استعارہ محتمل التحقیق والتخئیل ایسا استعارہ جسمیں احتمال تحقیق اور تخئیل دونو کا ہو

عشق نے جب سے کی جگہ دل میں — عقل کے واسطے جگہ نہ رہی

اگر عشق کو کوئی شخص فرض کریں اور اس کے لئے گھر ثابت کریں تو استعارہ بالکنایہ اور تخئیلیہ ہے اور اگر عشق کے ثبات اور تمکن کو گھر کرنے سے تشبیہ دیں تو استعارہ تحقیقیہ ہے

مستعار منہ اور مستعار لہٗ یا دونو حسی ہونگے یا دونو عقلی یا ایک حسی دوسرا عقلی

استعارہ کے اگر دونو طرف حسی ہوں تو وجہ جامع کا حسی ہونا ضرور ہے ورنہ باقی صورتوں میں وجہ جامع عقلی ہوگی یا عقلی اور حسی سے مرکب۔

چرخ پر بیٹھ رہے جان بچا کر عیسیٰ ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا

بیٹھ رہنا مستعار منہ حسی یا نہ رہنا مستعار لہ عقلی وجہ جامع سکون عقلی

کبھی استعارہ کے دونو اطراف عقلی ہوتے ہیں۔

سوتے مردے جگائینگے ہم مستعار منہ سوتا مستعار لہ مرگ۔ وجہ جامع عدم ظہور فعل۔ جگانے اور جلانے میں مستعار منہ جاگنا مستعار لہ زندگی اور جامع ظہور فعل یہ دونو عقلی ہیں

اضافت استعارہ

اضافت تشبیہی کی طرح اضافت استعارہ بھی ہے وہ اس طرح کہ کسی لفظ کے مجازی معنوں کے لوازمات سے کچھ لیکر اوس کو اصل لفظ کی طرف مضاف کرتے ہیں مثلاً دست عقل پائے فکر۔ عقل اور فکر کو انسان فرض کیا۔ ہاتھ اور پاؤں انسان کے لوازمات میں سے ہیں۔ ان کو عقل و فکر کی طرف مضاف کیا اور دست عقل اور پائے فکر کہدیا

اضافت تشبیہی اور اضافت استعارہ میں یہ فرق ہے کہ اضافت تشبیہی میں اگر مضاف مضاف الیہ کو الٹ کر بیچ میں حرف تشبیہ ڈال دیں تو مطلب ٹھیک رہتا ہے لیکن اضافت استعارہ میں مطلب بگڑ جاتا ہے۔ مار زلف کو فارسی میں زلف چو مار اور اردو میں سانپ جیسی زلف کہہ سکتے ہیں۔ لیکن دست عقل کو عقل ہمچو دست کہنا غلط ہے

استعارہ اور جھوٹ میں فرق یہ ہے کہ استعارہ میں ایسا قرینہ پایا جاتا ہے کہ کوئی لفظ اپنی معنی غیر موضوع لہ پر دلالت کرتا ہے لیکن دروغ میں ایسا قرینہ نہیں ہوتا بلکہ متکلم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ دھوکہ کھائیں اور اسکے الفاظ سے حقیقی معنی مراد لیں

استعارہ کی خوبی یہ ہے کہ تشبیہ کامل طور پر پائی جائے اور وجہ جامع مستعار لہ اور مستعار منہ میں شامل ہوتا کہ جس غرض کے واسطے تشبیہ دی گئی ہے وہ بخوبی ظاہر ہوجائے لیکن لفظوں سے ذرا بھی تشبیہ نہ معلوم ہو بلکہ مستعار منہ عین مستعار لہ سمجھا جائے اگر الفاظ سے تشبیہ معلوم ہوگی تو یہ غرض جاتی رہیگی۔

یہ نہ سمجھنا کہ تشبیہ و استعارہ کلام میں ضرور حسن پیدا کر دیتے ہیں بلکہ ان کا لطف متکلم کی قوت واہمہ زور قلم اور استعمال کے طریقہ پر منحصر ہے ورنہ کلام میں ابتذال پیدا ہو جاتا ہے۔ مرزا دبیر یزید کی فوج کے ایک سپاہی کی نسبت لکھتے ہیں۔

وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پہ　　غل رن میں اٹھا کوہ چڑھا کبک دری پہ

تلوار کے متعلق کہتے ہیں۔

جب خوں میں بھری فوج کے انبوہ سے نکلی　　غل یہ تھا کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی

دیو پری پر سوار کوہ کبک دری پر چڑھا ہوا لال پری خون میں بھری ہوئی خیال تو کرو کیسا شرمناک تصور پیدا کرتے ہیں۔ آتش کے ان شعروں کو دیکھو چند تشبیہیں اور استعارے بیان کئے ہیں معنی بدمزہ ہے

یاد میں ابرو و قد کے اڑ گئی آنکھوں کی نیند　　گہ کنواں جھانکا کبھی تلوار کو عریاں کیا
داغ شب فراق جو جیتا نہ چھوڑتا　　کھاتا ہمارا مغز خروس سحر کہاں
باغ میں پی ہے شراب اس گلبدن نے بارہا　　چھینٹے اکثر گئے ہیں لالہ کی دستار کے
دکھا کے حسن زنخدان یار کا عالم　　ہماری آنکھوں نے دل کو کنوئیں میں ڈال دیا



لکچر (۱۹)

مجاز مرسل

مجاز مرسل کی تعریف

کوئی کلمہ اپنے مجازی معنے یعنے معنیٰ غیر موضوع لہ میں مستعمل ہوا ور معنیٰ حقیقی اور مجازی میں علاقہ سوائے تشبیہ کے کچھ اور ہو یہ علاقے حسب ذیل ہوتے ہیں۔

(۱) سبب کا ذکر کریں اور مسبب مراد لیں جیسے ہاتھ سبب ہے اقتدار اور قدرت کا آگ سبب ہے حرارت گرمی کی۔

کہتے تھے راہ میں کہ نہ زور اپنا چل گیا افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

پانی تھا آگ گرمیٔ روز حساب تھی ماہی جو موجِ سیخ تک آئی کباب تھی

(۲) مسبب کا ذکر کریں اور سبب مراد رکھیں۔
آگ جل رہی ہے در آنجا لیکہ لکڑی جل رہی ہے آگ مسبب ہے اور لکڑی سبب

(۳) کل بجائے جزو کے استعمال ہو انگوٹھی انگلی میں پہن لو۔
انگوٹھی سارے انگلی میں نہیں بلکہ ایک پور میں پہنی جاتی ہے۔ زید قلعہ میں رہتا ہے در اصل قلعہ کے ایک گوشہ کے مکان میں رہتا ہے۔

(۴) جزو بجائے کل استعمال کرنا مجھے اپنا منہ دکھا جاؤ یعنے مجھ سے مل جاؤ۔

(۵) عام بجائے خاص استعمال کرنا۔ کیا عمدہ جانور ہے یعنے گھوڑا۔

(۶) خاص بجائے عام استعمال کرنا۔ یوسف کہنا اور مرد حسین مراد لینا۔

(۷) ظرف بجائے مظروف استعمال کرنا۔ جیسے قارورہ کہ شیشی کے معنے رکھتا ہے بمعنی پیشاب استعمال کرنا۔ پرنالہ چل رہا ہے۔

[illegible] کا پانی [illegible] ہے۔ اسی طرح نہر بہہ رہی ہے۔

(۸) مظروف بجائے ظرف استعمال کرنا۔ گلاب بجائے شیشہ گلاب

(۹) ملزوم بجائے لازم۔ تن بدن میں آگ لگ گئی یعنے حرارت پیدا ہوگئی۔

(۱۰) لازم بجائے ملزوم۔ ابھی تک انگیٹھی میں حرارت باقی ہے یعنی آگ موجود ہے

(۱۱) کسی شئے کا بلحاظ حالات ماضی ذکر کرنا۔ جیسے مشتِ خاک مراد انسان، یتیم ایسے لڑکے کو کہنا جس کی عمر (۱۸) سال سے زاید ہو۔

(۱۲) کسی شئے کا بہ لحاظ حالت مستقبل ذکر کرنا۔ حضرت عباس شہید ہو چکے ہیں حضرت امام حسین علیہ السلام اون کی مفارقت پر اظہار حسرت فرما رہے ہیں تو جب عباس کو دیکھا کہ [illegible] ملی تو وہ بے خواستہ کہتی ہیں۔

کیا لیتے ہیں شاہ شہدا کس سے ہوئی یاس
اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس

اوس وقت تک حضرت امام حسین علیہ السلام شہید نہیں ہوئے تھے لیکن بہ لحاظ حالات مستقبل انکو شاہ شہدا کہا۔

(۱۳) کسی چیز کو بہ لفظ آلہ استعمال کرنا۔ جیسے بدزبان بمعنی بدکلام۔

(۱۴) کسی چیز کا اوس کے مادہ کے نام سے ذکر کرنا جیسے تلوار کو آہن کہنا۔

لکچر (۳۰)

کنایہ

کنایہ کنایہ لغت میں پوشیدہ بات کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح علم بیان میں ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس کے لازمی معنی مراد ہوں اور اگر حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو بھی جائز ہو

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

سر پہ چڑھنا سے گستاخ ہونا اپنے تئیں دور کھینچنا مراد ہے اور حقیقی معنی یعنے ٹوپی سر پر رکھنا مراد ہو سکتے ہیں۔

لمبے قد کا آدمی۔ لمبی داڑھی کا آدمی۔ لازمی معنے ان فقروں کے بیوقوف آدمی ہیں اور اگر درازی قد یا درازی ریش بھی مرادلیجائے تو بھی جائز ہے۔

کنایہ کے اقسام حسب ذیل ہیں۔

(۱) کنایہ میں کوئی صفت ہو اور اس سے موصوف کی ذات مراد لیجائے یعنے کسی ذات میں کوئی صفت بالخاصہ پائی جائے اور جب اوس صفت کا ذکر کریں تو موصوف ذہن میں آجائے جیسے چراغ ہے کالے کے آگے جلتا ہے۔ کالا صفت ہے لیکن اس سے مار سیاہ مراد لیگئی ہے

کنایہ قریب جب موصوف سے صرف ایک صفت خصوصیت رکھتی ہو تو کنایہ قریب ہے یعنے جلد ہی ذہن میں آجاتا ہے۔ لیکن اگر کئی صفتیں ملکر کسی موصوف کے لئے خاص ہوں تو یہ خاصہ مرکبہ کہلاتی ہیں اور کنایہ بعید کہلاتا ہے۔

ساقی وہ دے ہمیں کہ ہوں جسکے سبب بہم
محفل میں آب و آتش و خورشید ایک جا

آب و آتش و خورشید کی ہیئت مجموعی کی صفت شراب میں پائی جاتی ہے۔

(۲) کنایہ سے فقط صفت مطلوب ہو۔

زندگی کی کیا رہی باقی امید ہوگئے موئے سیاہ موئے سفید

موئے سفید سے پیری اور موئے سیاہ سے جوانی مراد ہے۔

(۳) کنایہ سے کسی امر کا اثبات یا نفی مطلوب ہو۔

زید و عمر دونو ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں یعنے دونو یکساں ہیں۔ ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی۔ مطلب یہ کہ سب کے حالات و خواص یکساں ہیں۔

ہے کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

دونو چاکوں میں فاصلہ نہ رہنے سے یہ مراد ہے کہ کپڑے بہت پھٹ جائیں۔

لمبے قد کا آدمی ہے یعنے عقل نہیں ہے۔

بچھیا کا باپ ہے یعنے بے وقوف ہے۔

(۴) **تعریض** ایسا کنایہ جس میں موصوف مذکور نہ ہو مثلاً نا اہل شخص کو جتائیں کہ انسان وہ ہے جس میں انسانیت ہو۔ دراصل تعریض نہ حقیقت ہے نہ مجاز بلکہ ایسا کلمہ ہے جو اپنے معنوں پر رمز کے ساتھ دلالت کرے۔

حضرت علی اکبر نے میدان جنگ میں جانے کی اپنی والدہ سے اجازت لے لی اور حضرت زینب سے نہ پوچھا۔ اس وجہ سے ان کو کسی قدر ملال ہوا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی پھوپھی یعنے حضرت زینب سے بھی پوچھ لو۔ وہ تو مجھری مشفی ہی تھیں فرمانے لگیں۔

میں پیا کا ہے کو مری چھاتی پہ سوئے کب جاگی میں تا صبح جو یہ جونک کے رہئے

[illegible] مشکلیں نہیں دھوئے ان کے لئے کب میں نے پسر ہاتھ سے کھوئے

یوں روتے ہیں کیوں لئے حضرت کو قلق ہے　　حقدار ہیں کیا ہے کو مرا کوئی ناحق ہے

مطلب یہ کہ میں نے تمام خدمات ادا کی ہیں اور میں حقدار ہوں۔

(۵) **تلمیح** ایسا کنایہ جس میں ملزوم تک واسطے بہت ہوں جیسے کہیں کنوئیں میں بھانگ پڑی ہے "کنوئیں میں بھنگ پڑی۔ اس نے پانی میں اثر کیا وہ پانی تمام آبادی کے لوگوں نے پیا۔ پانی کا اثر پینے والوں پر ہوا اور سب کی عقل جاتی رہی۔

(۶) **رمز**[1] ایسا کنایہ جس میں ملزوم تک بہت واسطے نہ ہوں لیکن تھوڑا سا خفا ہو۔ حضرت غالب فرماتے ہیں ؎

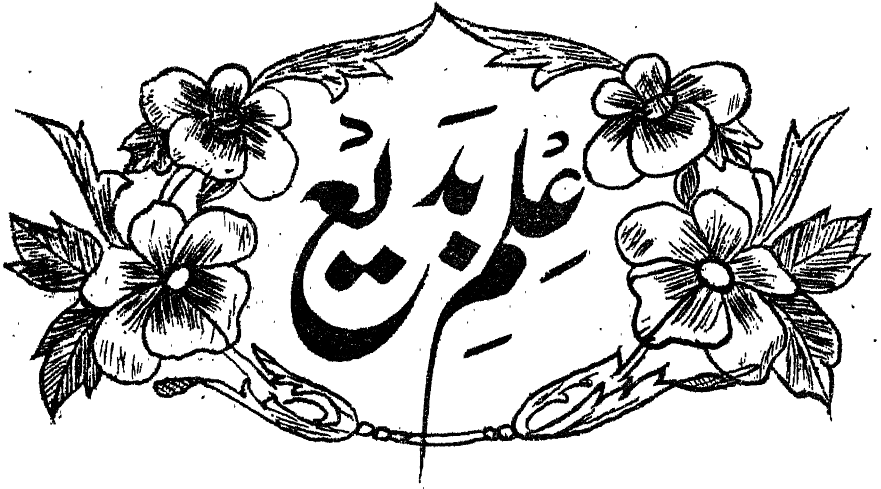
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے　　دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

گھر یاد آیا یعنے خوف معلوم ہوا۔

(۷) **ایماء و اشارہ** ایسا اشارہ جس میں نہ واسطوں کی کثرت ہو۔ نہ زیادہ پوشیدگی ہو جیسے سفید داڑھی والا بہ معنی بڈھا۔

---

[1] رمز۔ معنی نزدیک سے اشارہ کرنا۔


علمِ بدیع

لکچر (۲۱)

صنایع معنوی

علم بدیع کی تعریف اور اقسام

کسی جوہری کی دوکان میں جاؤ اور دیکھو کہ حسن ظاہر کی آرایش کے لئے کیا کیا مرصع زیور تیار ہیں۔ علم بدیع کے جواہرخانہ کی سیر کرو اور اون نادر صنعتوں کو دیکھو جو کلام کی آرایش کے لئے تیار کی گئی ہیں اون کی دو قسمیں ہیں صنایع معنوی و صنایع لفظی صنایع معنوی تو وہ ہیں جن سے معانی میں خوبی اور حسن پیدا ہوتا ہے اور صنایع لفظی لفظوں میں دلچسپی اور حسن پیدا کرتے ہیں اور اس علم کو جس سے تحسین و تزئین کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں علم بدیع کہتے ہیں۔ لفظ معنی کا تابع ہے پہلے صنایع معنوی کو بیان کرنا مناسب ہے

صنعت طباق

[1] صنعت مطابقت ایک کلام میں ایسے دو لفظ جمع کریں کہ ایک لفظ کے معنے دوسرے لفظ کے متضاد ہوں۔

جفائیں دیکھ لیاں بے وفائیاں دیکھیں   بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

صرف و نحو میں تم نے پڑھا ہوگا کہ الفاظ کی تین قسمیں ہیں اسم فعل۔ حرف تضاد ان تینوں میں واقع ہوسکتا ہے یعنے دو اسموں دو فعلوں اور دو حرفوں میں اور کبھی ایک اسم اور ایک فعل میں بھی۔ عالم اور جاہل چلنا اور بیٹھنا سے اور تک متضاد ہیں جو علم و عدم علم۔ حرکت و سکون ابتدا اور انتہا کو ظاہر کرتے ہیں بعض متضاد الفاظ تو ایسے ہوتے ہیں کہ اون میں حرف نفی ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا مثلاً تندرست و بیمار۔ عالم و جاہل متضاد ہیں مگر ان میں کوئی علامت نفی نہیں ہے۔ اسیطرح حیا دار

---

[1] اس کو تطبیق و تضاد و تکافو اور طباق بھی کہتے ہیں۔

اور بے حیا حیا اور بے جا جا۔ حق و ناحق ہیں۔ یہ الفاظ ہیں کہ مثبت الفاظ پر علامت نفی بڑھا دینے سے بنتے ہیں اور متضاد معنی پیدا کرتے ہیں۔ جب ایسے دو الفاظ میں طباق ہو کہ باوجود متضاد ہونے کے ان میں حرف نفی نہ ہو تو طباق ایجابی کہلاتا ہے اور اگر حرف نفی ہو تو طباق صلبی جب ایک مصدر سے دو فعل مشتق ہوں اور ان میں سے ایک مثبت ہو دوسرا منفی یا ایک امر ہو دوسرا نہی تو ہمیشہ طباق سلبی کی صورت واقع ہوگی

طباق ایجابی
طباق سلبی

اب ذرا مثالوں پر غور کرو۔

دو اسم ؎ مری قدر کر اے زمین سخن — کہ میں نے تجھے آسمان کر دیا۔

دو فعل ؎ کھلتا نہیں کچھ آپ نے کیوں باندھے ہیں ہتیار

دو حرف ؎ وہ مرغ ناتواں ہوں کہ صحن چمن سے میں
بے پر دیاں پہونچ نہ سکوں آشیاں تلک

ایک اسم اور ایک فعل ؎
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند — مشکل کشا کے لعل نے کھولے تمام بند

طباق ایجابی ؎ استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان

طباق سلبی ؎ فرماؤگے جو تم تو اٹھا لونگا میں پہاڑ
پر غیر کی نہ جائیگی مجھ سے اٹھائی بات

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

طباق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کلام میں ایسے دو کلمے جمع ہوں جن میں باہم تضاد نہ ہو لیکن ان میں سے ایک کو دوسرے کی ضد کے ساتھ کسی طرح علاقہ ہو مثلاً سبب و مسبب کا علاقہ۔ دراصل ایک قسم کا ایہام ہے۔

او مسیحا نہ لی خبر تو نے — وہ جو بیمار تھا لے مر ہی گیا (گویا) مرنے اور مسیحا میں

کوئی تضاد نہیں ہے لیکن مردے کو زندہ کرنا حضرت مسیح کا معجزہ تھا اسلئے زندہ ہونے اور مرنے میں تضاد ہے۔ تدبیج طباق کے اقسام میں سے ہے۔ لغوی معنی اراستہ کرنا اور اصطلاح بدیع میں بطور مدح یا ذم کئی رنگ ذکر کرنا تاکہ اوس سے بطریق کنایہ یا بطریق ایہام مقصد حاصل ہو کنایہ کا بیان علم بیان میں مفصل ہو چکا ہے تدبیج کنایہ کی مثال یہ ہے۔

تدبیج

تدبیج کنایہ

نگاہ قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے اور   سیاہ مستی مے سے ہے رنگ جاناں سرخ

رنگ زرد ہوتا کنایہ خوف کھانے سے اور چشم کی شرمی کنایہ غصہ سے ہے۔

ایہام

ایہام کے لغوی معنے وہم میں ڈالنا ہے۔ صنعت ایہام یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب دوسرے بعید متکلم بعید معنے مراد لے۔ ایک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں۔ رنگ کے معنی ایک تو معمولی رنگ سرخ و سفید دوسرے طرز بیان یہی معنی مراد ہیں یعنے سو طرح سے باندھوں۔

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے   اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے

تعریف میں چشمہ کو سمندر سے ملادوں   قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملادوں

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح   ہر خار کو بھی نوک زباں تھی خدا کی مدح

ایہام مجرد

ایہام مجرد ایسا کلام جسمیں ایہام قریب (جو معنی مراد نہ ہوں) کے مناسبات مذکور نہ ہوں ؎

بیٹھے ہیں تیرے سایہ میں شیخ و برہمن   آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا (درد)

سایہ کے دو معنی ہیں ایک قریب (دھوپ کا نہ ہونا) دوسرے سایہ معنی حمایت اس شعر میں قریب معنی کے مناسبات مذکور نہیں۔

ایہام مرشحہ

ایہام مرشحہ[1] ایسا کلام جسمیں ایہام قریب کے مناسبات مذکور ہوں ؎

---

[1] اسکو توریہ بھی کہتے ہیں۔

کونسا دل ہے وہ کہ جسمیں آہ　　خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

گھر کرنا کہ قریب معنی گھر بنانا۔ اور معنی بعید متصرف ہونا۔ یہاں مراد بعید معنے سے ہے لیکن مناسبات معنی قریب کے بیان ہوئے ہیں۔

ایہام تضاد — ایہام تضاد۔ کلام میں ایسے دو امور بیان کرنا جن میں آپس میں تضاد نہ ہو لیکن ایسے الفاظ میں اون امور کو بیان کرنا کہ اونکی حقیقی معنوں میں تضاد پیدا ہو جائے

مجھے خندہ گل پہ آتا ہے رونا　　کہ اس طرح ہنسنے کی خو تھی کسو کی

خندہ گل پھول کھلنے اور شاعر کے رونے میں کوئی تضاد نہیں۔ لیکن پھول کھلنے کو خندہ گل سے تعبیر کیا اور ہنسنے اور رونے میں تضاد ہے۔

صنعت مقابلہ کلام میں دو یا زیادہ الفاظ ایسے لانا جنکے معنی میں باہم کوئی ضد نہ ہو اور پھر ہر ایک ایسے لفظ کے مقابل میں علی الترتیب ایسے الفاظ لانا جنکے معنی ان الفاظ کی ضد ہو

کٹی ہے گویا شب جوانی بس آن پہونچی ہے صبح پیری　　بہت سی کی تونے بت پرستی بس ایکدو دن خدا کو کر

کٹی آن پہونچی۔ شب صبح۔ جوانی۔ پیری۔ بت خدا۔ ایک دو۔

مراعات النظیر — مراعات النظیر۔ کلام میں کئی ایسی چیزیں مذکور ہوں جو باہم کسی قسم کی مناسبت رکھتی ہوں لیکن یہ مناسبت بطور تضاد نہو۔ یہ متناسب چیزیں کبھی دو ہوتی ہیں کبھی دو سے زیادہ۔

خط بڑھا کاکل بڑھے زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے۔
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے۔

آیا یا تونے تو سر تن سے اس شامت کے مارے کا۔
ارے احسان مانوں سر سے میں تنکا اتاریگا۔

سر۔ تن میں مناسبت ہے۔

خاک آئینہ سے ہے نام سکندر روشن　　روشنی دیکھتا گر دل کی صفائی کرتا۔

خاک۔ آئینہ۔ سکندر۔ روشن۔ صفائی سب باہم مناسبت رکھتے ہیں۔

تشابہ الاطراف اور ایہام التناسب اس صنعت میں داخل ہیں۔

تشابہ الاطراف — **تشابہ الاطراف** کی تعریف یہ ہے کہ کلام کے آخر میں ایسے الفاظ لائیں جنکے معنے کو ابتداء کلام کے الفاظ کے ساتھ مناسبت ہو۔

یہاں کے سفید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے۔
رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا

رات اور شام کو سیہ سے اور صبح و دن کو سفید سے مناسبت ہے۔

ایہام التناسب — **ایہام التناسب** یعنے فی الاصل تناسب تو نہ ہو لیکن کسی لفظ کے دوسرے معنے سے تناسب کا وہم پیدا ہو جائے اس طرح کہ کلام میں ایسے الفاظ جمع ہوں جن کے معنی کو باہم کوئی مناسبت نہ ہو۔ مگر ان الفاظ میں سے دوسرا لفظ ایک اور معنی ایسے رکھتا ہو کہ اسکے معنی کو پہلے لفظ کے معنی کے ساتھ مناسبت ہو۔ سودا۔

سرو گلشن ہی نہ کچھ مفتوں ہے   بید بھی قد کا ترے مجنوں ہے

سرو و مجنون۔ مجنون بہ معنی دیوانہ سرو سے مناسبت نہیں رکھتا لیکن درخت مجنون کو سرو سے مناسبت ہے۔

بید مجنوں دیکھ کر مجنون کا آتا ہے خیال   آب شیریں گر پیوں فرہاد یاد آئے مجھے

بید مجنون اور مجنون شیریں اور فرہاد کے دوسرے معنی میں یک گونہ تناسب ہے

صنعت مشاکلت — **صنعت مشاکلت**۔ ایک کلام میں دو چیزوں کا بیان ہو اور جن الفاظ سے ایک شے کا ذکر کیا جائے انہی الفاظ سے دوسری شے کا ذکر کریں اور اس وجہ سے دونوں ایک جگہ بیان کئے جائیں۔

بدی کی بدی سہل ہووے جزا   جو تو چاہے کر بہ سے کا بھلا

برائی کے بدلے سزا دینا بدی نہیں ہے لیکن اس کو بھی یہاں بدی سے تعبیر کیا یعنے ایسا کام جس سے دوسرے کو اذیت پہونچے۔ گھوڑے کو دو نہ لگام منہ کو دانہ

لگام دو۔ خاموش رہنے کو منہ کو لگام دینے سے تعبیر کیا۔

صنعت مزادجہ

صنعت مزادجہ مزادجہ کے لغوی معنے دو چیزوں کا ملانا ہے اور علم بدیع میں کلام میں دو معنی واقع ہوں۔ ہر معنے میں ایک شرط ہو دوسرا جزا لیکن اس طرح کہ پہلے معنے پر جو امر مترتب ہو دوسرے معنی پر بھی وہی مترتب ہوں ؎

آہ کیجے تو آن جاتی ہے۔ ورنہ کیجے تو جان جاتی ہے

آہ کا کرنا نہ کرنا دو امر ہیں اور دو نوں امر پر کسی شئے کا جانا مترتب ہوا ہے اول آن کا جانا اور دوسرے پر جان کا جانا۔

صنعت ارصاد

صنعت ارصاد یہ صنعت صرف شعر میں کام آتی ہے۔ لغوی معنے راستے میں نگہبان بٹھانا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ اگر شعر کا قافیہ۔ اور قافیہ کا آخری حرف معلوم ہو تو کسی قرینہ سے یہ تاڑ جائیں کہ مصرع ثانی کا قافیہ یا آخری لفظ کیا ہوگا لیکن اسکے لئے یہ ضرور ہے کہ شعر میں کوئی ایسا لفظ آئے جو اس شناخت کے لئے قرینہ کا کام دے

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم
دھوئے دھبے جامہ احرام کے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پہلے شعر میں لفظ زمزم اور دوسرے میں نکما احرام اور کام کا پتہ دیتے ہیں

صنعت عکس و تبدیل

عکس و تبدیل ایک کلام پہلے ایک امر دوسرے سے مقدم بیان کریں۔ پھر موخر امر کو مقدم بیان کرکے مقدم کو موخر کردیں۔

نثار اس طرز گفتگو پر نہیں کہیں داغ سا سخنور
ہنسا دیا ہے رُلا رلا کر رلا دیا ہے ہنسا ہنسا کر

نکالوں کس طرح سینہ سے اپنے تیر جاناں کو
نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو

صنعت رجوع

صنعت رجوع پہلے ایک بات کہیں پھر اوسے خود ہی ناقص ٹھہرائیں اور

دوسری بات اس طرح کی کہیں جس سے پہلی پر فوقیت پائی جائے۔

ماہ ہے تو پر کہاں ہے ماہ کی یہ چشم و زلف — سرو ہے تو پر کہاں اوسمیں یہ رفتار و ادا

صنعت استخدام

صنعت استخدام کلام میں اول ایک ایسا لفظ لائیں جس کے دو معنی ہوں اور ان دو نو معنی میں سے ایک معنی مراد لیں پھر ایک ضمیر لائیں جو اس لفظ کی طرف راجع تو ہوتی ہو لیکن ضمیر کی مراد اوس دوسرے معنی کی طرف ہو جو پہلے نہیں لئے گئے۔

سایہ فگن ہو میں نے کہا ہم پہ لے پری — بولا کہ اس کے سایہ سے پرہیز چاہیئے

پری بمعنی معشوق۔ دوسرے پری حقیقی۔ ضمیر "اوس" کی حقیقی پری کے معنے ظاہر کرتی ہے کیونکہ اس کے سایہ سے پرہیز کیا کرتے ہیں۔

لف و نشر

لف و نشر لغت میں لف بمعنی لپٹنا اور نشر بمعنی پراگندہ کرنا ہے۔ اور اصطلاح علم بدیع میں یہ ہے کہ پہلے کئی چیزیں بیان کریں اوس کے بعد ہر ایک کے منسوبات اور متعلقات کا ذکر بغیر تعین کریں۔ تعین کی ضرورت اسلئے نہیں ہے کہ سامع اون منسوبات کو خود ہی سمجھ لیگا کہ کس کس سے متعلق ہیں اگر یہ منسوبات اوسی ترتیب سے بیان ہوں جس طرح کہ وہ چیزیں جن سے یہ متعلق ہیں بیان ہوئی ہیں تو **لف و نشر مرتب** ہے ورنہ **غیر مرتب** لف و نشر مرتب بہ نسبت غیر مرتب کے زیادہ لطیف ہوتا ہے اگر لف کی ترتیب کو نشر میں الٹ دیں تو اوسکو **لف و نشر معکوس الترتیب** کہتے ہیں لف و نشر کو پراگندہ ذکر کریں

لف و نشر مرتب

آتش و آب و باد و خاک نے لی — وضع سوز و نم و رم و آرام

لف و نشر معکوس الترتیب

دوستے تاباں زلف مشکیں قامت رعنا ترا
سرو ہے سنبل ہے اور خورشید عالمتاب ہے

لف و نشر مختلف الترتیب

شرمندہ ہے زلف و رخ و قامت سے چمن میں — گلبرگ تر و سرو سہی سنبل سیراب

صنعت تفصیل — کلام میں کئی چیزیں بیان ہوں اس طرح کہ اونکی متعلقات و مناسبات بھی ساتھ کے ساتھ بیان ہوتے جائیں۔

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر — پہنچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
قبضہ سے تیغ بر سے زرہ ہات سے سپر — برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر

صنعت جمع — ایک حکم کے تحت میں چند چیزوں کو جمع کرنا۔

نیند اوسکی ہے دماغ اوس کا ہے راتیں اسکی ہیں — تیری زلفیں جسکے بازو پر پریشاں ہو گئیں

صنعت تفریق — ایک طرح کی دو چیزوں میں فرق ظاہر کرنا۔

اوس رخ روشن سے میں تشبیہ تجھکو دے تو دوں — پر سیاہی تجھ میں اے ماہ میں تھوڑی سی ہے

صنعت تقسیم — کلام میں پہلے کئی چیزیں ذکر کرنا اور پھر جو شئے اونکے ساتھ نسبت رکھتی ہو اوسکو بہ تعین بیان کرنا کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایک چیز اور اوس کے مناسبات ذکر کریں اور پھر دوسری چیز اور اس کے مناسبات۔

زلف اوس مہوش کے رخ پر اک دخاں ہے آگ پر
اور رخ اوس مہوش کا شعلۂ زیر دخاں
ہائے یوں ہو اوس دخاں سے تیرہ اپنا روز عیش
اور اوس شعلہ سے یوں روشن ہو شام دشمناں

تیرا ہنسنا میرے رونے کے برابر ہو گیا — اوس نے مارا خلق کو اوس نے ڈبویا اک جہاں

لف و نشر اور تقسیم میں یہ فرق ہے کہ لف و نشر میں تعین نہیں ہوتا اور تقسیم میں تعین ہوتا ہے۔

جمع و تفریق — صنعت جمع و تفریق کو ایک جگہ اکٹھا کرنا۔

مسلمان اور کافر سجدہ سب کرتے ہیں پتھر کو — اوسے وہ کعبہ کہتے ہیں یہ اسے بت نام کرتے ہیں

پہلے مسلمان اور کافر کو جمع کیا اور پھر دونو کا فرق بیان کر دیا۔

تفاوت قامت یار اور قیامت میں ہے کیا مومن — وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

جمع و تقسیم

جمع و تقسیم۔ جمع و تقسیم کے اکٹھا کرنے کو کہتے ہیں۔

اسیر اے دوست تیرے عاشق و معشوق دونو ہیں — اسے عشق آہنی زنجیر کا اوس کو طلائی کا

تجھے اور تیرے دشمن کو سدا ہے اوج عالم میں — تجھے تخت خلافت پر اوسے دار سیاست پر

صنعت جمع و تفریق و تقسیم

صنعت جمع و تفریق و تقسیم تینوں صنعتوں کے اکٹھا کرنے کو کہتے ہیں لیکن ایسی صورت عموماً قطعہ میں واقع ہوتی ہے۔

(جمع) مری آہ اور ترے کاکل ہیں سنبل شکل میں لیکن
(تفریق) وہ خار سوختہ یہ شاخ سرو جویباری کی
(تقسیم) سدا اُس خار سے دوزخ کو ہے امید آتش کی
سدا اُس شاخ سے جنت کو خواہش آبیاری کی

صنعت تجرید

مبالغہ

صنعت تجرید اول ایک شے کا ذکر کریں جس میں کوئی خاص صفت ہو اور پھر اس امر کے بہ مبالغہ جتانے کے واسطے کہ یہ صفت اس چیز میں ایسی کامل ہے کہ اس شے سے دوسری چیزیں جو اس صفت سے موصوف ہیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ایک اور شے ویسی ہی صفت رکھنے والی اس طرح بیان کریں گویا پہلی شے سے حاصل ہوئی ہے۔

چہرۂ انور سے تیرے ماہ کامل آشکار — اور گیسوے معنبر سے شب یلدا عیاں

دیکھنا آئینہ ہر دم یہ نہیں ہے بے وجہ — ظاہراً وہ بھی ہیں عاشق پر کسی مہ پارہ کے

معشوق سے ایک مہ پارا ایسا حاصل ہوا کہ اس پر خود معشوق عاشق ہو گیا

اپنے سے خطاب کرنا بھی صنعت تجرید میں داخل ہے گویا متکلم۔ اپنی ذات میں ایک غیر شخص کی موجودگی خیال کرتا ہے۔

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے　　عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

مبالغہ کسی شخص یا کسی شئے میں کسی وصف یا کیفیت کا بیان خواہ بطور تعریف ہو یا مذمت اس طرح کرنا کہ نفس الامر میں وہ وصف اوس حد تک اس شئے میں نہ پایا جاتا ہو۔

مبالغہ سے اصل مطلب تو یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہ وصف اس چیز میں انتہائی درجہ پر ہے لیکن اس خیال نے بڑھتے بڑھتے اتنی ترقی کی کہ اوس کو امکان سے باہر کر دیا اور بد مذاقی کی وجہ سے لوگوں کو اوسی میں مزہ آنے لگا۔ تاہم جو لوگ مذاق سلیم رکھتے تھے انھوں نے اس کی روک تھام کی اور مبالغہ کی تین قسمیں کیں۔

تبلیغ ایسا مبالغہ جو عادت اور عقل کے مطابق ہو۔

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے ہرگز　　جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

اغراق عقل کی رو سے ممکن ہو لیکن عادت کے خلاف ہو۔

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ　　ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر

یار کی ستم شعاری اس وجہ کی ہے کہ جب اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ اُس کے ظلم کرنے میں بھی ہمیں لذت حاصل ہوتی ہے تو اوس نے ستم کرنا ہی چھوڑ دیا۔ عقل کی رو سے کسی شخص میں یہ خصلت ہونی ممکن ہے لیکن عادت یہی ہے کہ جس شخص پر ظلم کرنا ہوتا ہے تو اُسے طرح طرح سے ستائے ہی جاتے ہیں۔

غلو نہ عقل کی رو سے ممکن ہو نہ عادت کے موافق ہو۔

تو آب سے گر سلب کرے طاقت سیلان　　تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت

ڈھونڈھے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی　　باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت

تبلیغ تو بہت پسندیدہ اور مرغوب صنعت ہے۔ اغراق بھی نہ اچھا ہے نہ بُرا لیکن غلو کو تمام ارباب کلام ناپسند کرتے ہیں کیونکہ غلو کلام کی تاثیر کھو دیتا ہے

لیکن جو صاحب کمال زبان پر قدرت رکھتے ہیں وہ غلو کو بھی بامزہ کر دیتے ہیں وہ اس طرح کہ کوئی لفظ یا قرینہ ایسا بڑھا دیتے ہیں جس سے غلو امکان کے قریب ہو جائے یا اسمیں کوئی لطافت پیدا ہو جائے۔ ذوق اکبر شاہ ثانی کی ہجو میں کہتے ہیں سے

نام کو اللہ اکبر کیا تیری توقیر ہے داخل ہر خطبہ ہے اور شامل تکبیر ہے

صنعت مذہب الکلامی کلام میں کوئی دعویٰ کیا جائے اور ساتھ ہی کسی دلیل سے اس دعوےٰ کو ثابت کریں۔

یہ ضرور نہیں ہے کہ قیاس کے مقدمات صحیح اور یقینی ہی ہوں یہ ظاہر ہے کہ اس طریق سے دلیل تو کیا خاک دلیل رہ سکتی ہے۔ لیکن خیر ایک لطیفہ بنجاتا ہے۔

ہوتی نہ یا دزلف تو خط شکستہ میں لکھتے الف خطوں کی نہ پیشانیوں میں ہم

دعوےٰ یہ ہے کہ ہم کو یا دزلف رہتی ہے دلیل یہ کہ اسی وجہ سے خط شکستہ میں الف خطوں کی پیشانیوں پر لکھتے ہیں۔

صحبت عیسیٰ نبائے خر کو انساں کسطرح تربیت سے واقعی نااہل کب دانا بنے

دعوےٰ یہ ہے کہ نااہل تربیت سے دانا نہیں ہوسکتا۔ دلیل یہ ہے کہ دیکھ لو خر عیسیٰ مدتوں حضرت عیسیٰ کی صحبت میں رہا مگر اسمیں ذرا بھی انسانیت نہ پیدا ہوئی

حسن التعلیل تمام مظاہر قدرت کی کچھ نہ کچھ علت ہوتی ہے جنکی وجہ سے وہ ظہور میں آتے ہیں لیکن صنعت حسن التعلیل میں یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر نتیجہ کا صحیح سبب اور ہر معلول کی صحیح علت بیان کی جائے بلکہ کسی چیز کی ایک ایسی علت فرض کر لیجاتی ہے جو در اصل اوسکی علت نہیں۔

بھلائی جو کرے دنیا میں وہ ہوئے پامال بسان جادہ کسی کو تو راہ مت بتلا

راستہ کی پامالی کی یہ وجہ ہے کہ وہ راہ نمائی کرتا ہے اسلئے دنیا میں جو لوگ نیکی کرتے ہیں وہ پامال ہوتے ہیں۔

چرخ پر بیٹھ رہے جان بچا کر عیسیٰ — ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا

فراق خلد سے گندم ہے سینہ چاک اب تک — الٰہی ہو نہ وطن سے کوئی غریب جدا

تاکید المدح بما یشبہ الذم ظاہر الفاظ سے ہجو معلوم ہو لیکن دراصل مدح ہو

نہیں ہے مجھ میں برائی کچھ اور اسکے سوا — کہ میں برا ہوں رقیبوں کی چشم بد بیں میں

لفظ اسکے سوا سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی برائی ذکر کی جائے گی لیکن چشم بد بیں میں برا ہونا صفات حسنہ ظاہر کرتا ہے نہ کہ برائی۔

ترا عدل سارے جہاں پر ہے لیکن — رہے ہے ترا ظلم دائم ستم پر

دائم ظلم رہنا برا ہے لیکن ستم پر ظلم رہنا اچھا ہے۔

تاکید الذم بما یشبہ المدح۔ ظاہر الفاظ سے مدح معلوم ہو لیکن دراصل مذمت مقصود ہو۔

فلک بے بہرہ آب و خور سے کب رکھے غیر کو — سدا کھانے کو غم خون جگر پینے کو دیتا ہے

استتباع کسی شخص کی اس طرح مدح کرنا کہ ایک مدح سے دوسری مدح پیدا ہو

آتش قہر سے ہو جائے جہاں خاک سیاہ — موجزن گر نہ رہے مہر کا دریا تیری

قہر کی تعریف سے مہر کی تعریف پیدا ہوئی۔

ادماج لغوی معنی لپیٹنا۔ اصطلاح میں ایک مدعا سے دوسرا مدعا ضمناً پیدا ہو ایک کلام سے دو معنی حاصل ہونا۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم تو نے کیا کی

اول غفلت کی شکایت ہے اور پھر جفا کی۔

توجیہ یا محتمل الضدین کلام ایک ہی ہو لیکن مدح و ذم دونو پہلو اس سے نکل سکتے ہوں۔

کیا ہی تاثیر ہے واللہ تری صحبت کو — یک بیک لحظہ میں ہو جاتا ہے احمق دانا

احمق عقلمند ہو جاتا ہے یا عقلمند احمق ہو جاتا ہے دونو معنی نکل سکتے ہیں۔

الہزل الذی یراد بہ الجد یعنی ہر کلام بطور تمسخر ہو لیکن مراد اس سے ہزل نہ ہو بلکہ سوائے اس کے کچھ اور ہو۔

تجاہل العارف جان بوجھ کر انجان بن جانا۔

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

القول بالموجب کسی شخص کے کلام کے معنے خلاف مراد قایل لینا۔ بشرطیکہ کوئی قرینہ ویسا پایا جائے۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہئے غیر سے تہی
سنکے ستم ظریف نے مجھکو اٹھا دیا کہ یوں

صنعت تعجب کلام میں کسی چیز پر تعجب ظاہر کریں اور اسی سے کوئی غرض مقصود ہو۔

یہ نالے وہ ہیں کہ پتھر کے پار ہوتے ہیں
عجب ہے دل میں ترے کچھ اثر نہیں ہوتا

یہاں مقصد معشوق کی سنگدلی کا بیان کرنا ہے۔

تنسیق الصفات موصوف ایک ہو لیکن کئی صفتیں اسکی متواتر بیان کیجائیں
مقتدائے خدا شناسان حق ہیں۔ پیشروئے مشتاقان اہل یقیں قدوۂ ایزد پرستان حقیقت گزیں۔ زبدۂ رموز داناں۔ حقایق آگاہ مولوی محمد انوار اللہ دام فیضہٗ

تلمیح اثنائے کلام میں کسی مشہور قصہ یا مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا۔

عشق و مزدوری عشرتکدہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکو نامی فرہاد نہیں

ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

سوال و جواب یا مراجعہ ایک یا دو بیت میں سوال و جواب ہوں۔

پوچھا کہ طلب ؟ کہا قناعت
پوچھا کہ سبب ؟ کہا کہ قسمت

حسن طلب ممدوح سے کوئی چیز بطور پسندیدہ طلب کرنا۔ غالب نے سہل لئے

اور اس کے لئے بادشاہ سے بارہ دن کی رخصت کس انداز سے چاہتے ہیں

سہل تھا مسہل ولیکن سخت مشکل آپڑی　　مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد　　تین مسہل تین تبریدیں یہ کتنے دن ہوئے

تلمیع ایک مصرع یا شعر ایک زبان میں ہو اور دوسرا مصرع یا شعر دوسری زبان میں

ہم نے دیکھا ہے داغ دل قائم　　وقنا ربنا عذاب النار

جامع اللسانین کوئی کلام بغیر تغیر نقاط کے دو زبان میں پڑھا جائے

مثال فارسی و ہندی　　یار آجائے تو بہتر

متضمن اللسانین کوئی کلام نقطوں کے بدلنے سے دو زبان میں پڑھا جائے

بیا بیا حب من حالیا بپاکی باش　　(فارسی)

پیا پیا جب میں جا لیا پیا کے پاس　　(اردو)

اقتباس و تضمین اپنے کلام میں کوئی آیت یا حدیث یا کسی مشہور خاص کا مقولہ یا شعر یاد دلانا

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ　　آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں



لیکچر (۲۲)

صنائع لفظی

تجنیس یا جناس تجنیس کے لغوی معنے ایک دوسرے کے مانند ہونا اور اصطلاحی معنی کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں مختلف

تجنیس کی کئی قسمیں ہیں۔

تجنیس تام ایسے دو کلمے جو پڑھنے اور لکھنے میں باہم مشابہ ہوں لیکن معنی مختلف رکھتے ہوں۔

یا نہ ہوں میں مضمون جو اپنی شعر تجنیس کا کوئی
ہو زمین شعر میں عالم زمین شعر کا

اگر دو لفظ اسم یا فعل یا حرف ہوں تو اوسکو تجنیس تام مماثل کہتے ہیں۔

تم رات کو نہ آئے جو اپنے قرار پر
یہ ظلم تم نے کیا کیا اُس بے قرار پر

قرار بمعنی اقرار اور دوسرا قرار بہ معنی آرام۔

تجنیس مستوفی دو کلمے ایک نوع کے نہ ہوں۔ بلکہ نوع دونو کی علیحدہ ہو۔ یعنے ایک اسم ہو اور دوسرا فعل۔

شمشیر کو اپنی جب جلا دے
سوختہ مردہ کو جلا دے

تجنیس مرکب تجنیس کے الفاظ میں سے ایک مرکب ہو اور دوسرا مفرد اگر یہ دونو لفظ لکھنے میں موافق ہوں تو تجنیس مرکب متشابہ ہے اور متشابہ نہ ہوں تو تجنیس مرکب مفروق۔

جو کوئی کسی کو یار کل پا دیگا
یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاویگا
تجنیس مرکب مفروق

اس دار مکافات میں سن اے غافل
جو آج کریگا وہی کل پاویگا

تجنیس مرکب متشابہ

تجنیس مرفو ایک لفظ دوسرے لفظ کے کسی جزو سے ملکر کسی اور لفظ کے ساتھ متشابہ ہو

پردا نہیں تمہارے رخ شمع ساں پہ ہم
پروا انہیں ہے جان کے جانے کی بھی ہیں
پائے نہ تیغ عشق سے ہمنے کہیں پناہ
قرب حرم میں بھی ہیں تو قربانیوں میں ہم

تجنیس محرف عبارت میں دو لفظ یا زیادہ ایسے لائیں کہ عدد حروف میں موافق ہوں اور حرکات میں مختلف جیسے عِلم - عَلم - گُل - گِل

بچھنکے ہے ایک جنبش مژگاں میں وہ پری
اس اپنے ناتوان کو پرے کوہِ قاف سے

تجنیس زاید یا ناقص تجنیس محرف میں اگر حرفوں کی تعداد میں اختلاف ہو یعنے ایک دوسرے سے کوئی حرف زیادہ ہو تو اس کو تجنیس ناقص بھی کہتے ہیں اور زاید بھی ناقص بہ لحاظ کم حرف ہونے کے اور زاید بہ لحاظ زیادہ حرف ہونے کے یہ حرف خواہ اول میں زیادہ ہو یا بیچ میں خواہ آخر میں - شکوہ - کوہ - وجود جود - زہرہ زہر - آئین - آئینہ زار نزار قامت قیامت -

چشم کا کام اشکباری ہے
چشمہ فیض ہے کہ جاری ہے

تجنیس مطرف ایسی تجنیس زاید جس کے آخر میں ایک حرف زیادہ ہو - آئین - آئینہ -

تجنیس مذیل ایسی تجنیس زاید جس کے آخر میں دو حرف زیادہ ہوں - غم غمگین - یم یمین -

تجنیس مضارع دونوں الفاظ کے حروف تو مختلف ہوں لیکن قریب المخارج ہوں جیسے علہ - حار - بحر - بہر

مجنس لاحق۔ دونو الفاظ کے حروف مختلف ہوں اور قریب المخارج بھی نہ ہوں
جنگ۔ سنگ۔ شاد۔ شاہ۔

تجنیس قلب وہ تجنیس جس میں دونو لفظوں کے حروف کی ترتیب ایک دوسرے کا عکس ہو۔ مہتاب رائے کے نام کا سجع کسی نے کہا ہے۔

نہ کیونکر کہ ہے سب کارالٹا ہم الٹے بات الٹی یارالٹا

تجنیس قلب کی کئی قسمیں ہیں۔

قلب کل حروف کلمے کے علی الترتیب مقلوب ہوں۔
کان۔ ناک۔ حور۔ روح۔ تیغ
فقط اس لفافہ پہ ہے کہ خط آشنا کو پہونچے تو لکھا ہے اس نے انشا یہ تیرا ہی نام الٹا

قلب بعض کلمے کے حروف بے ترتیب قلب ہوں جیسے
رفیق۔ فریق۔ ربیع۔ عربی

قلب مستوی قلب کی حسب ذیل دو صورتیں قلب مستوی کہلاتی ہیں ایک تو یہ کہ اگر کسی کلمہ کو قلب کریں تو وہی کلمہ حاصل ہو جائے جیسے لفظ درد۔ شاباش آنا۔ قلق وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ ایک عبارت کے قلب کرنے سے دوسری عبارت حاصل ہو اور اگر اس دوسری عبارت کو قلب کریں تو پہلی عبارت بنجائے وہ آیا ہے یہ آیا ہو۔ مرزا دبیر فرماتے ہیں آرام ہمارا ہے یہ آرام ہمارا

مجنس مجنح جناح بمعنی بازو۔ مجنح بازو دار
الفاظ مقلوب میں سے ایک مصرع یا بیت کے اول اور دوسرا اوس کے آخر واقع ہو۔

رام ہوتا تھیں بتوں سے بھی ہے وہ کافر تمھاری زلف کا مار

مجنس مزدوج یا مجنس مکرر حروف مقلوب پاس پاس ہوں۔

بات کی تاب نہیں ہونے کی ہر وہم کو۔

تجنیس خطی دو لفظ لکھنے میں ہم شکل ہوں اور تلفظ میں مختلف۔ گمان کمان۔ شاک ساک۔ جنگ۔ خنگ۔ زخم رحم

اشتقاق کلام میں ایسے دو لفظ لانا کہ ایک مادے سے مشتق ہوں۔ مقرب قریب۔ مشرف۔ شریف۔

رد العجز علی الصدر یہ صنعت شعر سے تعلق رکھتی ہے اور اوس کے سمجھنے سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ علم عروض کی اصطلاح میں پہلے مصرع کے جزو اول کو صدر اور جزو آخر کو عروض دوسرے مصرع کے جزو اول کو ابتدا اور جزو آخر کو عجز کہتے ہیں اور صدر اور عروض ابتدا اور عجز کے درمیانی الفاظ کو حشو کہتے ہیں۔ رد العجز علی الصدر کی تعریف یہ ہے کہ جو لفظ شعر کے حصہ عجز میں واقع ہوا ہے وہی صدر یا عروض یا ابتدا یا حشو میں مکرر لایا جائے۔ یہ الفاظ خواہ بعینہ مکرر ہوں یا ایک دوسرے کے مجنس ہوں یا ایک دوسرے سے مشتق ہوں یا مشتق کے مشابہ ہوں۔

شاخ نبات کو نہ قلیاں نہ منہ لگائے
ایسی ملاحت سے لگی اس دہن کی شاخ

رد العجز علی الصدر مع التکرار عجز اور صدر میں وہی لفظ مکرر لایا جائے۔

آدمی کا مارنا اچھا نہیں
مظہر ذات خدا ہے آدمی

رد العجز علی الصدر مع التجنیس عجز کے لفظ کا مجنس صدر میں بیان کیا جائے

مانگ اپنی سنوارتا ہے آج
جس نے دل کل لیا تھا ہم سے مانگ

رد العجز علی الصدر مع الاشتقاق عجز کے لفظ کا کوئی مشتق صدر میں بیان کیا جائے۔

قرین صدق ہے ملنا تمہارا غیروں سے
رقیب رکھتے ہیں گھر سے تمہارے گھر مقرون

رد العجز علی الصدر مع شبہ الاشتقاق جو لفظ عجز میں واقع ہو اوس کا

سبب استحقاق صدر میں پیدا ہو۔

دیار ملک سے ہم کو کسی کے ہے کیا کام　　ہم اور تیری گلی سر ہے اور تری دیوار

اسی طرح حشو صدر ابتدا پر رد عجز کی کیفیت سمجھ لینی چاہیئے۔

مثلاً رد عجز حشو پر۔

دل دیوانہ پری رخوں کا ہے　　جو نصیحت کرے وہ دیوانہ

رد عجز عروض پر

مری نظروں میں ہے صورت تری جیسی شیریں　　کوہ کن کی بھی نہیں نظروں میں ایسی شیریں

رد عجز ابتدا پر

کہا میں کب کہ مرے نالہ رسا سے ڈر　　خدا سے ڈر ارے ظالم ذرا خدا سے ڈر

معاد ایک صنعت ہے جسمیں مصرع اول کا آخر لفظ مصرع دوم کے شروع میں مصرع دوم کا آخر لفظ مصرع سوم کے شروع میں۔ مصرع سوم کا آخر لفظ مصرع چہارم کے شروع میں لاتے ہیں۔

رباعی

آتا نہیں کیوں میرا وہ آسایش جاں　　جاں جس پہ فدا کرتے ہیں اور ایمان
ایمان ہے مرا محبت اوس کی دائم　　دائم اوسکو بھی مجھ پہ ہے لطف پنہاں

لزوم مالایلزم شعر میں کسی ایسے امر کو لازم کر لینا جسکی پابندی ضرور نہ ہو

اب کے یہ سردی پڑی ہر ایک تارا جم گیا　　کاسۂ چرخ بریں سارا کا سارا جم گیا
چاند سے مکھڑے کو اوسکی دیکھ کر گرداگرد سے　　چار چار انگشت سورج کا کنارا جم گیا

یار و مہتاب و گل و شمع بہم چاروں ایک　　میں گلستاں بلبل و پروانہ بہم چاروں ایک
اہ کس کس سے بچے دل کہ ہوئے ہیں تیرے　　غمزہ و ناز و ادا عشوہ صنم چاروں ایک

پورے قصیدے میں چار چیزیں بیان کرنے کا التزام ہر شعر میں کیا ہے۔

بعض لوگ حروف ہجی میں سے کوئی حرف چھوڑ دیتے ہیں کہ پوری عبارت میں وہ

حرف نہ آئے اور بعض کلام میں ایک لفظ بار بار لاتے ہیں لیکن ایسے التزام بے لطف ہوتے ہیں۔ صنعت منقوطہ۔ مہملہ۔ رقطا۔ خیفا سب اسی قسم میں داخل ہیں۔

منقوطہ کلام میں جس قدر الفاظ آئیں سب نقطہ دار ہوں۔

مہملہ یا غیر منقوطہ کلام کے تمام الفاظ بے نقط ہوں۔

وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا　　معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمرو دل آرا　　صمصام کا اک وار ہو اکس کو گوارا
واللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو او سدم ہوس ملک عدم ہو

مدار کار دو عالم حصول ہر مامول　　مراد اہل دعا ہر طرح سے وہ مسئول
اساس طارم عالم عماد ملک مدام　　ملوک دہر درا کردہ کرم مشمول

رقطا۔ کلام کے تمام الفاظ میں ایک حرف نقطہ دار اور دوسرا بے نقطہ ہو۔

دے صبا بو رخ جاناں کی　　رہے کب تک مری شورش جاں کی

خیفا۔ ایک کلمہ تمام منقوطہ ہو اور دوسرا مہملہ

مقطع سارے حروف لکھنے میں جدا جدا ہوں۔

موصل سارے حروف لکھنے میں ملے ہوئے ہوں۔

در و داغ و رخ زرد آور دہ دل　　(مقطع)
فیض منی میں گئے ہیں سب مل　　(موصل)

صنعت موازنہ دو فقروں یا مصرعوں کے اخیر الفاظ ہموزن ہوں لیکن ان کا حرف اخیر مختلف ہو۔ غافل۔ فارغ۔

مماثلت ایک فقرے یا مصرع کے سارے الفاظ دوسرے فقرے یا مصرع کے سارے الفاظ کے ہم وزن ہوں۔

یار بھر دیں نہ کر سیر بہار　　شوخ گل رخ بن نہ پی جام شراب نہ نکلے

ذوالقافیتین یا ذوالقوافی ایک شعر میں دو یا زیادہ قافیہ ہوں اور اگر دو قافیوں
درمیان ردیف بھی ہو تو ذوالقافیتین مع الحاجب کہتے ہیں۔ حاجب اس ردیف
کو کہتے ہیں کہ جو دو قافیوں میں آتی ہے۔

آ جا کہ اب نہ عاشق بے جاں میں نہیں تاب　　اور نام کو باقی نہیں تر گاں میں کہیں آب
اشک خوں سے جہاں سب ہم روتے　　جا بجا لالہ ستاں سب ہم بوتے

صنعت ذوالبحرین ایک شعر دو بحروں میں پڑھا جائے۔

ضعف سے پاؤں پر سر آیا ہے آہ　　ہو گئے نالوں سے ہم اپنے تباہ

اول بحر رمل مسدس۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلات
دوم بحر رمل مسدس مخبون فاعلات فاعلاتن فعلات

سیاقۃ الاعداد کلام میں اعداد ذکر کرنا۔

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے　　اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

توشیح چند اشعار ایسے ہوں کہ ہر مصرع کا پہلا حرف لیکر ترتیب دیں تو ایک
نام پیدا ہو جائے۔

واسع الشفتین کلام میں ایسے حروف لانا جنکے پڑھنے میں لب سے لب نہ ملیں
ب۔ پ۔ م کے ترک کرنے سے یہ صنعت حاصل ہو سکتی ہے

آیا نہیں جو کر کے اقرار ہنستے ہنستے　　کچل دے گیا ہے شاید عیار ہنستے ہنستے

واصل الشفتین کلام میں ایسے حروف لانا جنکے پڑھنے میں لب سے لب مل جائیں۔

اب ہم ابھی ملیں۔

فوق النقاط کلام میں سب حروف کے نقطے اوپر ہوں۔

اس قدر کم ہمت اے دل تو نہ تھا　　عشق آفت زا کا گر کرتا گلا

تحت النقاط کلام میں سب حروف کے نقطے نیچے ہیں۔

صدمے صدا ہی سہے صد مرحبا — شہ دل دنگ ... ہیں ... اسطے

جامع الحروف ایسا کلام جس میں تمام حروف تہجی موجود ہوں۔

توافق چار مصرعے اس طرح سے کہیں کہ جس مصرعے کو چاہیں اسکو پہلا یا دوسرا تیسرا یا چوتھا قرار دے دیں۔

مقتول ہوں میں اس شوخ دغا کار دلے — عاشق ہوں میں اس نازو ادا کار دلے
شیدا ہوں میں اس حور وفا کار دلے — کشتہ ہوں میں اس طرز ادا کار دلے

مبادلۃ الراسین کلام میں دو لفظ ایک طرح کے ہوں لیکن پہلا حرف بدلا ہوا ہو جیسا عجیب ... ۔

براعۃ الاستہلال شروع قصیدہ یا مثنوی کی عبارت میں ایسے الفاظ لانا جس سے معلوم ہو جائے کہ آگے فلاں مضمون بیان ہوگا۔

تضمین المزدوج کلام میں دو لفظ مسجع لائے جائیں جیسا نس سانس

محرف نقطوں کے بدلنے سے دوسرا لفظ بن جائے۔

بلند پلید یا بو یا یو

تزلزل تبدیل حرکت سے دوسرا لفظ ہو جائے پلنگ پلنگ

ارسال المثل کلام میں کوئی ضرب المثل لائیں۔

قتل اوس نگاہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا — یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

صنعت سجع پہلے فقرے کا آخر کلمہ دوسرے فقرے کے آخر کلمے کا ہم قافیہ ہو۔ نظم میں قافیہ اور نثر میں سجع ایک ہی سے ہیں۔ بیماری کی وجہ سے رنگ زرد ہے اور جوڑ جوڑ میں درد ہے۔

شہسوار طریقہ انصاف — نو بہار حدیقہ اسلام

سجع مطرف وہ ہے کہ ہم قافیہ الفاظ ہم وزن نہ ہوں جیسے شیشہ اور اندیشہ

ترصیع ایسا کلام جس میں پہلے فقرے میں جو الفاظ آئے ہیں وہ دوسرے فقرے کے الفاظ کے ساتھ علی الترتیب ہم وزن ہوں اور آخر الفاظ ہم قافیہ بھی ہوں۔

گل و بلبل و بوستان عجیب   مل و قلقل و دوستان غریب

متوازی ایسا کلام کہ الفاظ آخر فقرہ ہم قافیہ تو ہوں لیکن ترصیع کی طرح الفاظ ہم وزن نہ ہوں لیکن کچھ ایسا بڑا بول نہیں جو رائی کو پربت کر دکھاؤں اور جھوٹ سچ بہ تکرار افسانیاں بناؤں۔ صحیح ہے نہ ہو سکتا تو بھلا منہ سے کیوں نکالتا میں ڈھب سے ہوتا اس بکھیڑے کو ٹالتا۔

تشطیر ہر مصرع مسجع ہو لیکن پہلے مصرع کے تمام سجعات دوسرے مصرع کے سجعوں سے مختلف ہوں۔

سینہ ہے داغ عشق سے اپنا شگفتہ باغ   اور دل ہے رنج ہجر سے سو غم کا ایک گنج

تصریع مصرع اول کا پہلا جزو (صدر)، مصرع ثانی کے جزو اخیر کے ساتھ (ضرب)، حرف اخیر میں موافقت رکھتا ہو۔

دل اس رنجور کا عشق بتاں ہیں   سدا رہتا ہے درد و غم کی منزل

مقصود بالتمثیل دل اور منزل ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ غزل یا قصیدے میں تین تین سجع ایک طرح کے مذکور کرتے ہیں اور چوتھا قافیہ ہوتا ہے۔



لکچر (۲۳)

عیوب کلام

ایک زبان اور اوس کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں جب جا کر انسان بات کرنے کے قابل ہوتا ہے یوں تو بات سب ہی کر لیتے ہیں مگر بات کرنا یہی ہے کہ سننے والوں کو لطف بھی آئے اور دلوں پر جادو کا اثر کرے۔ کلام پر ایسی قدرت بہت مشکل سے حاصل ہوتی ہے اول تو قدرتی فیضان اور زبان کے صحیح مذاق کی حاجت ہے۔ دوسرے زبان کے عیوب و محاسن کا پہچاننا لازم ہے قدرت کا کام تو قدرت ہی انجام دیگی تعلیم سے ناممکن ہے کہ کوئی ایسی قابلیت پیدا کر دے جو کسی شخص میں ودیعت نہ ہوئی ہو البتہ تعلیم اون جوہروں کو چمکا دیتی ہے جو طبیعت میں موجود تو ہیں لیکن بے علمی کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتے۔ نیز اون غلطیوں سے بچاتی ہے جو لاعلمی کی وجہ سے واقع ہونی ممکن ہیں بے مذاق اشخاص بھی اگر کلام کے عیوب و محاسن سے واقفیت حاصل کر کے غلطیوں سے بچنے کی کوشش کرینگے تو اون کا کلام اور کچھ نہیں تو صحیح اور بے عیب تو ہو جائیگا مثلاً علم معانی کے مطالعہ سے وہ اون خطاؤں سے بچ سکینگے جو مرادی معنی کے ادا کرنے میں واقع ہوتی ہیں۔ علم بیان کے جاننے سے اوس کلام کے معنی اونکی سمجھ میں آجائیں گے جس کے الفاظ غیر وضعی اور مجازی طور پر استعمال ہوئے ہوں اسی طرح علم بدیع سے محاسن کلام معلوم ہونگے۔

کلام کی ادنیٰ خوبی یہ ہے کہ اگر اسمیں محاسن نہ ہوں تو بے عیب تو ہو اسلئے عیوب کلام کا معلوم کرنا ضرور ہے۔

عیوب کلام یہ ہیں:-

(۱) **تنافر حروف** کلام میں ایسے حروف جمع ہوں کہ ان کے تلفظ میں کسی قدر دشواری یا گرانی معلوم ہو۔ مومن خاں کہتے ہیں:-

چور ہے شیشۂ دل سنگ ستم سے پہلے

حرف س کی مسلسل آواز اچھی نہیں معلوم ہوتی اسی طرح آتش کے اس شعر میں ش کی آواز

دل قصر شہنشہ ہے وہ شوخ اس میں شہنشاہ

عرصہ یہ دو عالم کا جلو خانہ ہے اس کا

(۲) **تنافر کلمات** کلمے اگرچہ بجائے خود فصیح ہوں لیکن کلام میں وہ اس ترتیب سے آئیں کہ ان میں سلاست نہ رہے۔ ناسخ کہتے ہیں:-

شکل نہیں نظر پڑی آیا نہیں پیام بھی | عمر ہوئی کہ ایک سی حالت چشم و گوش ہے

شعر میں کوئی نقص نہیں معلوم ہوتا لیکن ذرا غالب کے شعر سے مقابلہ کرو:-

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال | مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

بات وہی ہے لیکن لفظوں کی عمدہ ترتیب نے غالب کے کلام میں لطف پیدا کیا۔
آتش کہتے ہیں:-

مستی کا ان لبوں کی فسانہ کہاں نہیں | مجلس نہیں ہے وہ جو نہیں حیراں ہے انداز

الفاظ "وہ جو نہیں ہے" نے کلام کو کیسا بدمزہ کر دیا۔

(۳) **غرابت** کلام میں ایسے غیر مروج اور غیر مانوس الفاظ کا واقع ہونا جو اہل زبان کے محاورہ روزمرہ کے موافق نہ ہوں۔

خسرواں کو تھا تنزل دل میں میرے | کارواں شہر سمرقند کا رکھتا اتراق

تو ہے وہ نسل خواقین یہ تتار آفاق | جیسے توران سے کیا ہند میں آکر قشلاق

ہو گیا تیغ سیہ تاب سے ہے سر مہ گلو | دم نہ ماریگا ترے آگے حسو دیقیاق

[illegible]

ایک خورشید لقا ماہ طلعت جوان از شفق تا بہ رخسار ثلق سرخی رخسار شفق

(۴) مخالفت قیاس لغوی اور عیوب تراکیب یہ ہے کہ الفاظ زبان اردو کی قواعد صرف کے خلاف ہوں اور ان کو جملوں میں باہم اس طرح ترکیب دیا گیا ہو جو اردو کی نحو میں جائز نہیں ہے۔

"سودا میں اس چمن میں ہوں جوں غنچہ دل گرفتا"

دل گرفتہ ہونا چاہئے۔ خواجہ آتش فرماتے ہیں۔

موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی فرعون کو تو نے غرق کیا رود نیل کا

نیل میں چاہئے۔

سوزش دل سے زباں کو نہ ہوئی آگاہی اف کیا منہ سے نہ ہم نے نہ کھلا راز اپنا

اف مونث ہے اف کی چاہئے۔

عبد اللہ خاں مہر لکھنوی کہتے ہیں۔

کسی چھلے کے گھنگرو دست رنگیں میں نظر کرلے جسے موتی کی گچھی دیکھنی ہو شاخ مرجان میں

نظر کردن فارسی کا محاورہ ہے اردو میں دیکھنے کے موقعہ پر نظر کرنا نہیں کہتے

صرف و نحو کی غلطیاں قواعد اردو کے مطالعہ سے بہ آسانی دور ہو سکتی ہیں زیادہ وضاحت کی حاجت نہیں۔

(۵) الفاظ بے محل اور بے موقعہ استعمال کرنا۔ الفاظ کے برمحل استعمال پر علم معانی کا انحصار ہے خواہ اسکل سے معنی سمجھ لئے جائیں لیکن الفاظ کے بے موقعہ اور بے محل استعمال سے اکثر غلط فہمی اور تفہیم مطالب میں دقت واقع ہوتی ہے الفاظ کا برمحل استعمال بہت ضروری ہے۔

لیکن اکثر لوگ اسی کا خیال نہیں رکھتے کہ جو مطلب انکو ظاہر کرنا ہے وہ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا بھی ہے یا نہیں مثال کے طور پر ہم مولوی عبد الحلیم صاحب شرر کی

کتاب یوسف نجمہ میں سے چند ایسی غلطیاں بیان کرتے ہیں۔

صفحہ (۳) "اُس شخص کی ٹھڈی اس قدر سوکھی تھی کہ گوشت کا نام بھی نہ تھا حتیٰ کہ اُس ٹھڈی کے اثر سے گال بھی بالکل پچکے ہوئے تھے جنکے اوپر سے جبڑوں کا درمیانی شگاف صاف نمایاں تھا خشک ہونے کے علاوہ اوسکی ٹھڈی لمبی اسقدر تھی کہ وہ شخص انسانیت کے نوعی تناسب کی حد سے گزارا ہوا معلوم ہوتا تھا"

خط کشیدہ فقرہ مہمل ہے۔ انسانیت اسم صفت ہے اور نوع اسماء ذات کی ہوتی ہے نہ اسماء صفات کی۔ دوسرے تناسب نوعی کے یہ معنی ہیں کہ وہ تناسب جو کسی جنس کے انواع میں پایا جاتا ہے جیسے حیوانات ذو حوافر میں بیل اور بھینس کے جسموں میں پایا جاتا ہے اور انسان کے اجسام میں انسان خود نوع ہے حیوان کی اور انسان کے انواع نہیں ہوتے بلکہ اقوام ہیں۔ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ اوس شخص کے اعضاء انسان کے جسمانی تناسب کی حد سے گزرے ہوئے تھے۔

(صفحہ ۳) اگرچہ عموماً سب کے پہلے بچے ماں باپ کا نام لیتے ہیں"

کس قدر خلاف واقعہ ہے۔ بچے ماں باپ کا نام نہیں لیتے بلکہ ماں باپ کو اماں اور ابا کہتے ہیں۔ ماں باپ کا نام اگر زبیدہ اور خالد ہو تو کونسا بچہ اس نام سے پکاریگا۔

(صفحہ ۹) "ایک سوار نے مجھے چمکارا اور مجھے خوف کے اضطراب سے یاد نہیں رہا کہ اوس نے کچھ پوچھا بھی تھا جس کا جواب میری طرف سے سکوت ہی سکوت تھا"

دیکھو الفاظ ہیں معنی ندارد پوچھنا اور سوال کرنا تو یاد نہیں جواب (اگرچہ سکوت ہو) کیونکر یاد رہا۔ کہنا یہ چاہتے تھے کہ خوف و اضطراب میرے دل پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ اگر اس سوار نے مجھ سے کچھ پوچھا بھی ہوگا تو میں اس کا کچھ جواب نہ دے سکا ہوں گا۔"

(صفحہ ۳) اُب دوسرے سفر میں ہمیں جاتے جاتے دور پر ایک گاؤں نظر آیا جس کی مسجد کے اونچے میناروں کو چاندنی دور ہی سے چمکا چمکا کے اور ابھار ابھار کے دکھا رہی تھی۔ ابھارنا کہتے ہیں کسی پست چیز کو ذرا بلند کرنا چاندنی میں یہ قدرت نہیں کہ کسی شئے کو ابھار سکے۔ مطلب یہ ہے کہ چاندنی نے مسجد کے میناروں کو نمایاں کر دیا تھا

صفحہ (۱۸) " ہمارے دروازے پر بھی کئی آدمی تھے جو کبھی کبھی بدل جاتے تھے"

بدل جانا محاورے میں یکایک غصہ میں آجانے یا آمادہ فساد ہو جانے کو کہتے ہیں بدل جاتے تھے یا تبدیلی ہو جاتی تھی کہنا چاہیئے۔

صفحہ (۲۵) " اپنی عہد طفلی کی مجنونانہ حرکتوں میں سے ایک واقعہ کا تماشا ضرور ہی بچوں کی حرکتیں طفلانہ ہوتی ہیں " یوسف " پاگل نہیں تھا اس لئے مجنونانہ کہنا غلط ہے طفلانہ حرکت اور مجنونانہ حرکت میں بہت فرق ہے۔ بچہ کی حرکتیں اگرچہ پختہ و دانشمند آدمی کی سی نہیں ہوتیں لیکن اون میں بچپنے کی دانش اور ذکاوت پائی جاتی ہے چنانچہ بچہ کی حرکات کو دیکھ کر یہ پیشین گوئی کیا کرتے ہیں کہ یہ بڑا ہو کر ذہین اور طباع ہوگا برخلاف مجنونانہ حرکت کے کہ اس میں حماقت کا اثر پایا جاتا ہے۔

(صفحہ ۳۰) " مولوی صاحب اپنے اوس صفاتی وصف کو جس کی وجہ سے وہ اسم بامسمے تھے الخ

وصف ذات میں ہوتا ہے نہ کہ صفات میں ذاتی وصف یا شخصی وصف کہنا چاہیئے

(صفحہ ۳۴) " ہم دونوں کی عمر اس قدر تھوڑی تھی کہ اگر کسی کو بدگمانی ہوئی بھی تو فوراً جاتی رہی "

کم سنی کا ترجمہ تھوڑی عمر کر دیا لیکن مصنف کو یہ خیال نہ رہا کہ محاورے میں کم سنی کہنا درست ہے اور تھوڑی عمر غلط ہے۔ کم عمری میں مرجانے کے موقعہ پر تھوڑی عمر کہتے ہیں اور بچپنے کی اظہار کے لئے چھوٹی عمر کہا جاتا ہے۔

(صفحہ ۶۸) یوسف اور اوسکے ساتھی ایک دن قزاقوں کے ہاتھوں میں پھنس گئے قزاقوں میں سے "ایک قوی ہیکل شخص نے کہا" "اچھا تم سب اپنے تئیں ہمارے سپرد کردو" یوسف نے جواب دیا ہم کب آپ کے پیرو نہ تھے۔ ہم سب حاضر ہیں دیکھو لفظ پیرو کے بے محل استعمال نے معنے میں کیا فرق پیدا کر دیا۔ پیرو کے معنی ہیں خیالات اعتقادات یا افعال میں کسی شخص کی تقلید کرنا۔ اس لحاظ سے یوسف کے اس فقرے کے یہ معنی ہوئے کہ ہم کب قزاق نہ تھے لیکن در اصل یوسف کا مطلب اظہار تقلید نہیں بلکہ اظہار اطاعت ہے اس لئے یوں کہنا چاہئے تھا ہم کب آپ کے مطیع نہ تھے۔ ان مثالوں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ بے محل اور بے موقعہ الفاظ کے استعمال سے مطلب میں کس قدر فرق آ جاتا ہے

(۶) حشو قبیح۔ کلام میں ایسے الفاظ بے ضرورت لانا جو تفہیم مطلب میں کچھ مدد نہیں دیتے مولوی نذیر احمد صاحب کتاب مبادی الحکمتہ کو اس فقرے سے شروع کرتے ہیں "الحمد للہ کہ اردو اب وہ اردو نہیں رہی جسمیں میر حسن کی مثنوی میر امن کی چار درویش مرزا رفیع السودا کے کلیات کے سوائے علمی کتاب ڈھونڈو اور نہ ملے" اس قدر کہنا کافی تھا "الحمد للہ کہ اردو اب وہ اردو نہیں رہی جسمیں علمی کتاب ڈھونڈو اور نہ ملے" یہ الفاظ "میر حسن کی مثنوی میر امن کے چہار درویش مرزا رفیع السودا کے کلیات کے سوائے" حشو قبیح ہیں کہ تفہیم مطلب میں کچھ مدد نہیں دیتے آتش کے شعر ہیں۔

مقسوم کا جو ہے سو وہ پہونچیگا آپ سے
پھیلائیے نہ ہاتھ نہ دامن پسارئیے

نازک دلوں کو شرط ہے آتش خیال یار
شیشہ خدا جو دے تو پری کو اتارئیے

خط کشیدہ الفاظ حشو ہیں اور کیسے بدمزہ۔

(۷) تغیر اصل لفظ کو بدل کر استعمال کرنا۔
جیسے المضاعف کو المضاف کہنا"

"درد درماں سے الصاف ہوا" (آتش)

اردو اور فارسی الفاظ کو باہم مضاف مضاف الیہ بنانا۔ جیسے ظرف مٹی خوشبوئے پھول۔ آوازِ چیل۔ آتش کہتے ہیں۔

گوشِ بتاں کے پردے پھٹے اسکے شور سے — رحمت خدا کی ہو اثر واہ آہ پر

دار ہندی اور آہ فارسی ترکیب ناجائز ہے۔

ہندی و فارسی الفاظ کو عربی الفاظ کے طور پر بنانا۔

ملبب ۔ بمعنی لبالب — مزیب ۔ زیبا

اتواپ — توپیں — آتش کہتے ہیں۔

کلفت ایام سے پروا نہیں کچھ حسن کو — خوبرویوں کو مزیب ململجی پوشاک ہے

(۸) کسی لفظ کے اصلی معنوں سے انحراف کرکے اوسکو اور معنوں میں استعمال کرنا۔ دلی اہل زبان کسی ٹھوس چیز کے چھوٹے سے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اہل لکھنو چھالیہ کو۔ اہل دکن گوشت کی بوٹی کو۔ چپ بہ معنی خاموش ہے۔ حیدرآباد میں بہ معنی بے وجہ آتا ہے "چپ بکواس کرتے ہو!" برو! اہل زبان بہ معنی پودا بولتے ہیں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات اہل لکھنو بمعنی معصوم بچہ کہتے ہیں۔

(۹) ضعف تالیف ۔ کلام میں ضمیریں اور حروف ربط اہل زبان کے محاورے کے خلاف مقدم موخر ہونا اوس کے ملازم نے زید کو مارا۔ یعنے زید کے ملازم نے اوسکو مارا۔

نظم میں یہ قید نہیں ہے کہ ضمیر مرجع سے پہلے نہ آئے۔ یجوز للشاعر مالایجوز لغیرہ

غالب کہتے ہیں ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا میری جو شامت آئے — اٹھا اور اٹھکے قدم میں نے پاسبان کیلئے

دریا جاری ہی بہت زور و شور سے ہے — اصل محاورے کے موافق دریا بہت زور و شور سے جاری ہے ہونا چاہئے حرف "ربط" ہے اور اصل فعل جاری میں فاصلہ جائز نہیں۔

(۱۰) **کثرتِ تکرار اور کثرتِ اضافات** کلام میں ایک لفظ یا چند کلموں کا بار بار آنا یا اضافتوں کی کثرت۔ لیکن یہ چیزیں اگر لفظاً میں ثقیل ہوں تو عیب ہیں ورنہ نہیں مولوی عبدالحلیم صاحب شرر کتاب یوسف نجمہ (صفحہ ۴۲) میں لکھتے ہیں۔

"یہ کمی ایسی نہ تھی جس کا صدمہ زیادہ استقلال سے عرصہ تک رہا ہو چند ہی روز میں سب لوگ بھول گئے اور چند ہی روز میں وہی خوشی کے چہچہے اور فارغ البالی کی خوشیاں مطمئن طبیعتوں پر غالب آ گئیں" الفاظ چند ہی روز میں مکرر آنے سے کلام کی فصاحت کم ہو گئی اگر اس کی جگہ پھر لکھ دیتے تو کلام زیادہ فصیح ہو جاتا۔ غالب لکھتے ہیں۔

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا تماشائے بہ یک کف بردن صد دل پسند آیا

اضافتوں کی کثرت نے شعر کو گورکھ دھندا بنا دیا۔ یہ غلط سمجھنا کہ ہر جگہ تکرار الفاظ اور اضافتیں مخل فصاحت ہوتی ہیں بلکہ ایک انشا پرداز کا قلم ان ہی چیزوں سے کلام میں جان ڈال دیتا ہے۔

غالب ہی کے کلام کو دیکھو فرماتے ہیں۔

نیند اوس کی ہے دماغ اوس کا ہے راتیں اوس کی ہیں۔
تیری زلفیں جسکے بازو پر پریشاں ہو گئیں

کون کہہ سکتا ہے کہ لفظ "اوس" کی تکرار یہاں بدمزہ ہے۔

اشک آتش و خون آتش و ہر لخت دل آتش آتش پہ برستی ہے پڑی متصل آتش

ان اشعار میں کثرتِ اضافات کیسی پر لطف ہے

نازشِ ایام خاکستر نشینی کیا کہوں پہلوئے اندیشہ وقف بسترِ سنجاب تھا
نفا کو سوتپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر

(۱۱) **تعقید** کلام کی دلالت معانی پر صحیح اور واضح نہ ہو بلکہ تامل اور غور کے بعد مطلب ظاہر ہو سکے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔
تعقید لفظی الفاظ کی تقدیم و تاخیر یا حذف وغیرہ کی وجہ سے مطلب ظاہر نہ ہونا

لگتی مرچیں سی کبابوں کو ہیں کیا کیا سنکر
دل بریاں سے مرے سوز محبت کے مزے

الفاظ کی ترتیب یہ ہونی چاہئے "میرے دل بریاں سے سوز محبت کے مزے سنکر کبابوں کو کیا کیا مرچیں لگتی ہیں"

قاتل کبھی نہ تونے اٹھائے ہزار حیف
آکر فرار گشتہ تیغ نظر پہ ہاتھ

قاتل ہزار حیف فرار گشتہ تیغ نظر پہ آکر کبھی تونے ہاتھ نہ اٹھائے حذف کی مثال لو۔ غالب کہتے ہیں۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا میری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

اس شعر میں الفاظ ذیل محذوف ہیں پہلے مصرع کے شروع میں یار کے دروازہ پہ گیا" دوسرے مصرع کے آخر میں اسپر وہ سمجھ گیا کہ یہ گدا نہیں بلکہ غالب ہے اس وجہ سے اس نے مجھے وہاں ٹھیرنے نہ دیا۔

ناسخ کے اس شعر میں تعقید نے معنی ہی بدل دئے۔

نہیں آتا نظر مرہم لگائے کس جگہ کوئی
دہان یار گویا منہہ ہے میرے زخم پنہاں کا

الفاظ کی ترتیب سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دہان یار کو زخم پنہاں کے منہہ سے تشبیہ دی ہے اور دہان یار پر مرہم لگانا چاہتا ہے۔ درانحالیکہ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ میرا زخم پنہاں دہان یار کی طرح نظر نہیں آتا اس وجہ سے اسپر مرہم نہیں لگایا جاسکتا۔

تعقید معنوی۔ کلام میں بہت سے بعید لوازم اور کثیر واسطے ہوں لیکن وہ کلام میں مذکور نہ ہوں اور اون کے سمجھنے کے لئے بہت غور و تامل کرنا پڑتا ہو۔

غالب کا شعر ہے۔

نظر لگے نہ کہیں اون کے دست بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

لوازم اس شعر میں یہ ہیں کہ زخم کاری لگا ہے جس سے یار کے دست و بازو کی قوت ظاہر ہوتی ہے لوگ زخم کی گہرائی دیکھ کر عش عش کرینگے۔ جس سے اوس کے دست و بازو کو نظر لگنے کا اندیشہ ہے۔

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ اب مآل سعی اسکندر کھلا (غالب)

مشہور ہے کہ اسکندر آئینہ کا موجد تھا شاعر کے نزدیک اس نے آئینہ کی اختراع میں تمام جد و جہد اس وجہ سے کی تھی کہ تمام دنیا میں یہاں تک اس کا رواج ہو کہ جب بہادر شاہ کا زمانہ آئے تو آئینہ اون کے سامنے پیش ہو اور وہ اصل موجد کی صناعی کی داد دیں۔ اسکندر کی آئینہ سازی کی غایت کتنے واسطوں سے پوری ہوتی ہے۔

(۱) دنیا میں آئینوں کا رواج پانا۔

(۲) اسکندر کے زمانہ سے بہادر شاہ کے عہد تک تمام صناعوں کا اوسی نمونہ کے آئینے بنانا

(۳) بہادر شاہ کو آئینہ دیکھنے کی ضرورت پیش آنا۔

(۴) لوگوں کا آئینہ پیش کرنا۔

(۵) بہادر شاہ کو یہ معلوم ہونا کہ آئینہ کا اصل موجد اسکندر ہے۔

(۶) بہادر شاہ کا اس ایجاد کو پسند کرنا اور اوس کی داد دینا۔

مومن خاں کہتے ہیں۔

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے صیاد کی نگاہ سوے آشیاں نہیں

(۱) میرے واسطے کسی نہ کسی بلا میں مبتلا رہنا لازم ہے۔

(۲) جب ایک بلا سے فرصت ملتی ہے تو دوسری اوس سے سخت تیز واقع ہوتی ہے

(۳) اس وجہ سے جب میں صیاد کو اپنی آشیاں کی طرف متوجہ نہیں پاتا۔

(۴) تو مجھ کو آسمان سے بجلی گرنے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔

تعقید لفظی ہو یا معنی اس کے یہ معنی نہیں کہ کلام کے الفاظ اپنے معنی پر دلالت نہ کریں

ایسا کلام تو مہمل ہوگا بلکہ یہ معنے ہیں کہ الفاظ معنے پر دلالت تو کرتے ہیں مگر یہ دلالت صریح اور واضح نہیں ہوتی۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ تعقید ہر جگہ حسن کلام کو کھودے بلکہ انشا پرداز کا زور قلم کبھی کلام میں لطافت اور زور بھی پیدا کر دیتا ہے انشائے ابوالفضل کو دیکھو صفحے کے صفحے جملۂ معترضہ سے رنگتا چلا جاتا ہے لیکن اظہار معانی کے لئے الفاظ لعل و گہر سے زیادہ چمکتے اور اثر میں تیر و نشتر سے زیادہ چبھتے ہیں۔

ایسا کلام جو اہل زبان کے روزمرہ کے موافق ہو اور جو تنافر حروف غرابت و مخالفت قیاس لغوی و نحوی اور تعقید وغیرہ تمام عیوب کلام سے پاک ہو کلام فصیح کہلاتا ہے کلام کے اس وصف کو فصاحت کہتے ہیں اور ایسا کلام جس میں فصاحت اور مقتضائے حال کی موافقت پائی جائے۔ کلام بلیغ کہلاتا ہے اور کلام کے اس وصف کو بلاغت کہتے ہیں اس طرح بلاغت کی تعریف میں ذیل کی شرطیں داخل ہیں۔

(۱) اہل زبان کے روزمرہ اور محاورے کے موافق ہو۔

(۲) فصیح ہو۔

(۳) مقتضائے حال کے موافق ہو۔

بلاغت کی ان تینوں شرطوں پر علیحدہ علیحدہ غور کرو۔

محاورہ اور روزمرہ

زبان کا با محاورہ ہونا اس کی لطافت کو زیادہ کرتا ہے۔ ہر زبان کا محاورہ اسی کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے دوسری زبان میں اس کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے اون کا صحیح استعمال زبان دانی کی دلیل ہے اور زبان دانی کی سادگی اور اصل حسن بھی محاورے ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۲) محاورے کی غلطیاں کئی طرح ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ محاورہ جن معنی غیر موضوع لہ پر استعمال ہوتا ہے ناواقفیت کی وجہ سے اوسکے سوا دوسرے

معنوں میں اور اس کا استعمال کیا جائے یا یہ کہ محاورے کے الفاظ بدل دیئے جائیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ محاورے کے الفاظ کے حقیقی معنے لئے جائیں۔ اس غلطی میں اہل لکھنو اکثر پڑتے ہیں کیونکہ وہ لفظی رعایتوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔

مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی المتخلص بہ نظم شرح اردو دیوان غالب صفحہ ۱۸۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔ خواجہ علی حیدر آتش کا طرز سخن مصرع لگانے ہی پر منحصر ہے اور لکھنو کے شعرا کو انھوں نے اس طرف مائل کیا ورنہ اکثر لوگ موزوں طبع غزل کہہ لیا کرتے تھے مگر مصرعوں کے نامربوط اور دولخت ہونے سے بے خبر رہتے تھے خدا بخشے آغا حجو شرف کو وہ ذکر کرتے تھے کہ میر وزیر علی صبا ایک غزل استاد کو دکھانے لائے میں بھی اس وقت موجود تھا ایک شعر صبا نے پڑھا۔

فصل گل میں مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل ایسی بے پر کی اڑاتا تھا نہ صیاد کبھی

آتش نے یہ شعر سنکر کہا کہ بے پر کی اڑانا تم نے باندھ لیا اور مصرع لگانے میں اس کا خیال نہ رکھا۔ یوں لکھ لو۔

پر کتر کر مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل ایسی بے پر کی اڑاتا نہ تھا صیاد کبھی،

اب ذرا دیکھو شیخ حجو شرف۔ وزیر علی صبا اور خود خواجہ صاحب سب ہی تو محاورے کے معنوں سے ناواقف تھے بے پر کی اڑانا بے اصل بات کہنے گپ اڑانے کو کہتے ہیں لیکن پہلے مصرع میں واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ پر کتر کر بے پر بتا دیا۔ شعر بامعنی رہے یا بے معنی ہو جائے۔

خود خواجہ آتش فرماتے ہیں۔

اس قدر شوق قبائے تنگ و چست اچھا نہیں جامہ سے باہر نہ وہ محبوب گل اندام ہو

جامہ سے باہر ہونا برافروختہ ہونے کے معنے میں آتا ہے شوق قبائے تنگ و چست سے اسے کیا مناسبت ہے؟ شاید اس طرح جامہ سے باہر ہو جائے جیسے صافی سے

کوئی چیز چھن جاتی ہے۔ لیکن اس کے لئے کل اندام نہیں بلکہ مائع یا سیال ہونا چاہئے تھا۔

آتش

وہم و خیال کے بھی نہ ہاتھ آئے وہ کمر
حجت کا ادھر دہن کی کسی کو دہن نہ ہو

کسی کو دہن نہ ہو خلاف محاورہ ہے کس کا منہ ہے یا منہ نہیں کہنا چاہیئے۔

ناسخ

دیکھ کر طاق حرم کو جو چڑھاتا ہے بھوں
عشق ہے تجھکو دلا اوس صنم بے دین کا

محاورہ ناک بھوں چڑھانا ہے۔

محاورے کے الفاظ اپنے معنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہوتے ہیں اگر وہ معنی نہ لئے جائیں تو کلام بے معنی ہو جاتا ہے اگر معنی غیر موضوع لہ قائم رہیں اور پھر بھی الفاظ کے معنی موضوع لہ کی رعایت کلام میں باقی رہے تو حسن کلام بڑھ جائیگا۔ چند ایسی مثالوں پر غور کرو۔

ذوق

محفل میں شور قلقل مینا سے غل ہوا — لا ساقیا پیالہ کہ توبہ کا قتل ہوا
تھا ذوق پہلے دلی میں پنجاب کا سا حسن — پر اب وہ پانی کہتے ہیں ملتان بہ گیا
ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا — خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا
نالہ اس زور سے کیوں میرا دہائی دیتا — اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا
توسن وحشت اگر اپنا زمیں چڑھ جائے — ابھی افلاک کو دیں خاک بیاباں چڑھا
آنکھ تو لڑ گئی پہ کوئی بھی اس دل کے سوا — ذبح مژگاں کے نہ منہ پر سر میدان چڑھا
اگر رفعت ال نہ سر اپنا آستان یار پر دیکھا — تو سربازی کا اپنے کیا تماشا اپنا سر دیکھا

محاورے کی دوسری قسم یہ ہے کہ کلمہ ایک اسم اور ایک فعل سے مرکب ہوا اور فعل اپنے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہو۔ ایسے محاوروں میں ہر اسم کے لئے خاص خاص افعال مقرر ہیں اگر ایک فعل کی بجائے دوسرا فعل رکھدیں یا فعل کو

اپنی حقیقی معنوں میں لیں تو کلام غلط ہو جاتا ہے مثلاً دل سے اتارنا کی بجائے دل سے نکالنا قفل اتارنا کی بجائے قفل نبانا۔ قسم کھانا کی بجائے قسم کہنا۔ بتیا دڈالنا کی جگہ بتیا دینا وغیرہ کہنا غلط ہے۔ بعض دفعہ ایک فعل کی جگہ دوسرا فعل لگا دینے سے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً بچن ڈالنا۔ سوال کرنا۔ بچن ہارنا۔ قول دینا۔ زبان دینا۔ تیوا چڑھنا۔ [illegible] ہونا۔ بخار نکالنا۔ دل کا جوش نکالنا۔ دل کا غبار نکالنا۔ بسیرا لینا۔ [illegible] سونا۔ بسیرا بولنا۔ خوش آواز پرندوں کا شام کے وقت [illegible]۔ دھجیاں لگنا مفلس یا غریب ہو جانا۔ دھجیاں اڑانا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہونا۔ لڑائی اٹھانا۔ شکست دینا۔ لڑائی باندھنا۔ خواہ مخواہ کسی سے تکرار کرنا۔ چونکہ اردو زبان میں ایسے محاورے کثرت سے ہیں ان کا علم حاصل کرنا اردو دانی کے لئے بہت ضروری ہے۔

آتش کہتے ہیں۔

کیا کیا طرارے توسن چلاوے نے کئے۔ بوسہ لیا جو میں نے تڑپ کر [illegible]

صحیح محاورہ طرارے بھرنا ہے۔

شام سے تا صبح نیند آئی نہ اکدم تجھ بغیر آگ نالوں نے لگائی اشک نے طوفان کیا

طوفان برپا کیا چاہیے۔

دم رقص ہاتھوں کو اتنا نہ پیسو کہیں [illegible]

ہاتھ پیسنا کوئی محاورہ نہیں ہے۔

بادہ خواروں پہ عنایت چاہیے پیر مغاں ان مریدوں کو بھی اپنے رنگ میں کھینچے پیر مغاں

رنگ میں کھینچنا نہیں بلکہ رنگ میں رنگنا کہتے ہیں۔

ناسخ

لگ گئی ہے پھر حوالِ زنداں میں چپکی ہی مجھے
آگیا ہے دھیان پھر اک کافر خاموش کا

محاورہ چپ لگنا یا چپ لگ جاتا ہے۔

پسن کے جھیں اور اس سے نہایت ناراض ہوئی اس کی گستاخانہ حرکت پر بہت بگڑی اور اپنے خچر پر سوار ہو کے چلی گئی لیکن ابوعتا ہیہ کے منہ کو خون لگ گیا تھا ان بوسوں کی لذت زندگی بھر نہ بھولی۔ محدرات حصہ دوم مصنفہ شرر صفحہ ۵

محاورے کے معنی معلوم ہیں لیکن محل استعمال نے زباندانی کی قلعی کھولدی۔

روزمرہ کی غلطیاں بہت عام ہیں اور اہل زبان کی صحبت یا ان کے کلام کی مزاولت کے بغیر ان سے بچنا محال ہے۔

آتش کا دیوان اٹھا کر دیکھو فرماتے ہیں۔

موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی فرعون کو تو نے غرق کیا رود نیل کا

رود نیل میں کہتے تو صحیح ہوتا۔

جوش وحشت میں کیا میں نے گریباں چاک چاک دھجیاں زخموں کی پہنائیں گلے کے ہار کو

یہاں کو کے معنی خواجہ صاحب ہی سمجھے ہونگے۔

کس کس کو خاک میں نہیں ملوایا آپ نے کشتہ ہے کون کون تمہارے غرور کا

عطف کا قاعدہ یہ ہے کہ جب دو فقروں کو حروف نفی کے ساتھ عطف کرتے ہیں تو دونوں فقروں میں حروف نفی لاتے ہیں مثلاً نہ یار آیا نہ قرار آیا۔ اس لئے دوسرے مصرع میں بھی حرف نفی ہونا چاہئے تھا۔

دل سادگی یار کے اوپر سے نکلتا جھمکا ہے نہ مد نظر اپنا نہ کرن پھول

دل نکلنا کوئی محاورہ نہیں ہے۔ اوپر یہاں خلاف روزمرہ ہے پر چاہئیے

وہ نونہال اے الٰہی مراد پر حاصل ہو پختگی ثمر خام کے لئے

ثمر خام کو کہنا چاہیئے تھا۔

کیا چشم مست یار سے تشبیہ دیجئے کیفیت نگاہ نہیں جام کے لئے

اہل زبان کے روزمرہ کے موافق جام میں کہنا چاہیئے۔

آتش

شبِ فراق میں [illegible]
ہوا ہے داغ مجھے چاند سے جہاں [illegible]

ہوا ہے داغ غلط ہے داغ معلوم ہوتا ہے یا داغ لگتا ہے کہتے ہیں۔

دم لاکہ محبت کا تری خیر کہیں یار — یا درد کیا چاہئے کچھ تو [illegible]

دوسرا مصرعہ زبان دانی کے پایہ سے گرا ہوا ہے۔

بہار گلستان کی ہے آمد آمد — خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

خوش خوش پھرتے ہیں چاہئے۔

ناسخ

پاکانِ ازل کو نہیں پروائے [illegible]
عیسیٰ کو ضرر کچھ نہ ہوا بے پدری کا

بے پدری سے کہنا چاہئے۔

رہے کیونکر نہ دل ہر دم نشانہ ناوکِ غم کا — کہ ہے میرا ہلال [illegible] ماہِ محرم کا

دوسرا مصرع زبان داں کا نہیں ہے۔

ترک کیا ناسخ میکشی جو سارے میفروش — مسجدوں میں بیٹھ کر اپنی دکان چھوڑ کر

چاہئے صحیح روزمرہ ہے۔

ہے ہر اک آفت سے ایمن مسکنِ اہلِ فنا — باغِ جنت کو خدا ہرگز زوال کرتا نہیں

دوسرا مصرع اردو کے صحیح روزمرہ کے موافق نہیں ہے۔

دیکھ کر تجھ کو گلو فنسے یہ بھرا بلبل کا دل — بعد مدت [illegible] چمن سے بھاگتے ہیں ویرانہ

روزمرہ دور بھاگتا ہے۔

منشی امیر احمد صاحب مینائی فرماتے ہیں۔

عشق اوس کے لبِ شیریں سے ہیں لکھا ہوا امیر — درد بھی ہوگا میرے دل میں تو میٹھا ہوگا

اہلِ زبان کا روزمرہ میٹھا میٹھا ہے۔

نہ چھیڑ اے دل انھیں گالیاں ہیں منہ پہ دھرا   برس پڑیں گے وہ ابر بہار کی صورت

اہل زبان منہ میں گالی یا زبان پہ گالی کہتے ہیں۔

دم صبح بھی جو وہ بت مجھے آ کے منہ دکھاتا   تو خدا کے منہ سے آتا میں شرمسار ہوتا

منہ دکھانے کے قابل نہیں۔ منہ دکھانے کی جگہ نہیں، شرمندہ و شرمسار ہونے کے معنوں میں آتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے کے منہ سے شرمسار ہونا اہل زبان کا روزمرہ نہیں ہے۔

صحرا کو کپڑے پھاڑ کے چلتا ہوں آج یوں   پائے شکستہ ہوں نہیں وحشت رسیدہ ہوں

اس موقعہ پر چلتا ہوں کی جگہ جاتا ہوں کہنا چاہیئے۔

پاؤں گالیاں ذکر کیا صاف ہوائی میں   دل پھیلتے ہیں دم بت تیصر باغ میں

کیسا کی جگہ کیا کہتے تو ٹھیک ہوتا۔

غیر اہل زبان سے روزمرہ کی غلطیاں اکثر ہو جایا کرتی ہیں چنانچہ

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر کے قلم سے بھی ایسے فقرے ٹپک جاتے ہیں جو ان کی کمال انشا پردازی کی تکذیب کرتے ہیں۔

ہیلن کے بھگا لیجانے پر انھوں نے دیوتاؤں نے آپس سے باہر ہو کر لڑائی ٹھان دی۔ روزمرہ۔ لڑائی کی ٹھان لی (محذوفات صفحہ ۲)

جینہ اپنے بچھونے پر لیٹ کے سو ہی پڑ گئی (محذوفات صفحہ ۲۶)

روزمرہ "اپنے بچھونے پر لیٹ کر سو رہی" یا "اپنے بچھونے پر پڑ کر سو گئی"

غرض گھوڑوں کو ایڑ لگاتے ہی لوگ دم بھر میں شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

روزمرہ ایڑ لگانا یا ایڑ کرنا ہے ذوق عمر رواں کا توسن چالاک اسلئے

تجھ کو دیا کہ یاں سے کرے جلد ایڑ تو۔

گالیاں کھائے پر مزے کے ساتھ   گال گورے سے چومتے جاتے (محذوفات صفحہ ۱۰۰)

روزمرہ گورے گورے گال۔

"آپ کا آنا رحمتِ ربانی ہو گیا۔ امیر المومنین اگر اور چند روز خبر نہ لیتے تو اس ملک کے تباہ ہونے میں کوئی بات نہیں اٹھ رہی تھی۔ (فاتح مفتوح صفحہ ۱۴)

اہل زبان کے محاورہ میں کوئی بات نہ اٹھا رکھنا کسی کو خواہ مخواہ تباہ یا رسوا کرنے میں پوری کوشش کرنے کے معنوں میں آتا ہے اور یہ متعدی ہوتا ہے یہاں لازمی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور خلاف روزمرہ ہے۔ اہل زبان یوں کہتے۔

اس ملک کے تباہ ہونے میں کوئی کسر نہ رہی تھی۔ ہشیم نے اس ملک کو تباہ کرنے میں کوئی بات نہ اٹھا رکھی تھی۔

ڈوبتے والا آفتاب ہماری بائیں ہاتھ طرف تھا۔ بائیں طرف کہنا زیادہ فصیح ہے

میں اتنی دیر کے سفر میں بہت تھک گیا تھا۔ سفر سے تھک گیا تھا۔

اوس تختہ کے بعد ایک بہت بڑی جھیل تھی جو ہر وقت ہر موسم میں لہریں لیا کرتی تھی۔ (یوسف بخمہ صفحہ ۱۸) لہریں مارا کرتی تھی۔

اس محبت کا اصلی سبب یہ ہے کہ میری اماں جان کو باوجودیکہ اولاد کی بڑی تمنا تھی مگر اوس وقت تک اونکے ہاں کوئی لڑکا نہیں ہوا تھا۔ (یوسف بخمہ صفحہ ۲۱)

میری اماں جان کو اولاد کی بڑی تمنا تھی مگر اون کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہوا تھا

ناظرین نہ یہ میری ذہانت وطباعی کا نتیجہ ہے نہ میری لیاقت و دانائی کا بلکہ صرف زمانہ اور قسمت کی برکت ہے۔ جو میں اتنی کمسنی میں بہت ہی پکا اور ہوشیار نظر آتا ہوں اور مجھ پر یہ مثل صادق آ رہی ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات یا بعض لوگ چونکا ہو کے کہتے ہونگے کہ جتنا اوپر ہے اتنا ہی نیچے ہے (یوسف بخمہ صفحہ ۱۲۹)

دو مثلیں استعمال کیں مگر دو نو بے محل۔

آخر میں نے اونکیں اپنے مہربان حاجی محمد صالح کو پہچانا جو گیروے کپڑے

پہنے تھے اور منڈے سر پر چادر تھا (یوسف نجمہ صفحہ ۲۲۹) چادر لپیٹ لی تھی۔

اسمیں ذرا شک نہیں کہ آپ یا تو ولی کامل ہیں اور یا عاشق ہیں (یوسف نجمہ صفحہ ۲۴۴) جب عطف یا کے ساتھ ہو تو اور لانے کی حاجت نہیں۔ یا ولی کامل ہیں یا عاشق ہیں۔

"سارے تن بدن سے کانپا کرتا" (یوسف نجمہ صفحہ ۶) تن بدن کانپنے کا آلہ نہیں بلکہ تن بدن خود کانپا کرتا ہے میرا تن بدن کانپ رہا ہے۔

"جس وقت میں پڑھنے کو بٹھایا گیا۔ اوس وقت گھر میں بڑی خوشی کی گئی" "تجھے یاد ہے کہ ایک ہفتہ تک میرا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا" (یوسف نجمہ صفحہ ۲۹) یوسف اپنے وقت کا ذکر کر رہا ہے جبکہ وہ پڑھنے بٹھایا گیا تھا اوس وقت وہ صاحب خانہ تھا بلکہ بچوں کی طرح رہتا تھا اگر وہ اہل زبان کا بچہ ہوتا تو میرا گھر نہیں ہمارا گھر کہتا۔ ایک افسر کہتا ہے میرا دفتر۔ اہلکار کہتے ہیں ہمارا دفتر۔ بادشاہ کہتا ہے میرا ملک رعایا کہتی ہے ہمارا ملک۔ اسی طرح صاحب خانہ کہتا ہے میرا گھر دوسرے اہل منزل کہتے ہیں ہمارا گھر۔ متکلم کی ضمیر جمع استعمال کرنے سے یہ مطلب ہے کہ دوسرے لوگ بھی متکلم کے ساتھ اوس چیز میں شریک ہیں۔

اماں جان جہاں کھڑی تھیں وہاں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں (یوسف نجمہ ۸۲) وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

میں نے دل میں کہا بیشک یہ نہایت شریف لڑکی ہے بالکل اپنے باپ پر پڑی ہے (یوسف نجمہ صفحہ ۹۹)

اپنے باپ پر ہے اپنے باپ سے مشابہ ہے۔

اب کسی کے ہاتھ میں فروخت ہونگے (یوسف نجمہ صفحہ ۱۱۷) کسی کے ہاتھ فروخت ہونگی

پورے بندوبست کے ساتھ آپ کو دلی میں پہونچا دیگی۔ (یوسف نجمہ ص ۱۴۳)

دلی پہونچا دیگی ۔

بعض جگہ تصویر اور جوگی تن تنی وجتوں اور ششتاک دیکھنے میں یا ان کی خیمہ نشیں

بتاتے اور بھوت دراتے ہوئے شفیق (یوسف نجمہ صفحہ ۱۲۷)

وصوفی رہائی جاتی ہے ۔ بھوت ملا کرتے ہیں ۔

مگر اس واقعہ کو عورتوں سے نہ بیان کیجیے گا ۔ بیکار کو حیران ہونگی (یوسف نجمہ

صفحہ ۱۳۹) ۔ بیکار حیران ہونگی ۔

بعض اوقات اون کی آوازوں سے سینہ ٹوٹ جاتی تھی ۔ (یوسف نجمہ صفحہ ۱۴۰)

سینہ اچاٹ ہو جاتی تھی ۔

ہم نے فوراً اوسی کی چادر میں اوسکی شکلیں کس لیں (یوسف نجمہ صفحہ ۲۳۱)

چادر میں شکلیں نہیں کسی جاتیں ۔ چادر سے شکلیں کستے ہیں ۔

تملوتما کو بھی اس کے ساتھ میں الفت ہو گئی تھی (درگیش نندنی صفحہ ۱۲)

اوس سے محبت ہو گئی تھی ۔



لکچر (۲۴)

فصاحت

بلاغت کا دوسرا رکن فصاحت ہے ایسا کلام جو اہل زبان کے روزمرہ کے موافق اور تنافر حروف غرابت مخالفت قیاس لغوی اور نحوی اور تعقید وغیرہ تمام عیوب سے پاک ہو کلام فصیح کہلاتا ہے اور کلام کے اس وصف کو فصاحت کہتے ہیں فصاحت کا تعلق زیادہ تر الفاظ سے ہے اور اس کا پہچاننا مذاق سلیم پر منحصر ہے لفظوں کی ذرا الٹ پھیر سے یا ایک لفظ کی جگہ دوسرا ہم معنی لفظ رکھ دینے سے کلام میں فصاحت آجاتی ہے بات اتنی ہے کہ لفظوں کی ترتیب باہم ایسی ہو اور ایک لفظ کا تلفظ دوسرے لفظ کے تلفظ سے ایسی مناسبت اور توازن رکھتا ہو۔ جیسے باجے کی آوازیں باہم تناسب ہوتی ہیں تاکہ لفظوں کی مجموعی آواز کانوں کو بھلی معلوم ہو۔ ناسخ فرماتے ہیں

کیا ہی دھوکا دیا مسی کی اداہٹ نے مجھے　　دہن یار کو میں غنچہ سوسن سمجھا

اس شعر میں لفظ اداہٹ کی آواز اپنے ماقبل اور مابعد الفاظ کی آوازوں کے ساتھ متناسب نہیں ہے اسی وجہ سے شعر کی فصاحت کم ہو گئی اسی مضمون کو ذوق نے کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

تیرے دندان مسی زیب کی دیکھی جو بہار　　اوس سی پڑ گئی گلشن میں گل سوسن پہ

ناسخ

کب پہونچ سکتا ہے ہمسے ناتوانوں کا غبار
تیز جاتی ہے بہت اُنکی سواری اندنوں

"نہ ہے ہم سے" کی آواز نے فصاحت میں خلل ڈالا۔ سودا کہتے ہیں۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہونچے کب اوسکو ہاتھ ہمارے غبار کا

امیر
کہتے ہیں شب کی خوشامد بھی عجب جادو تھی
ماننے کی جو نہ تھی بات وہ ہم مان گئے

جراءت

کل واقف کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جراءت کے جو گھر رات کو مہمان گئے تھے ہم
کیا جانئے کمبخت نے کیا ہم پہ کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

امیر نے جراءت ہی کے مضمون کو ادا کیا ہے لیکن کس بری طرح سے

امیر
کھلی زبان میری کس کی داستان کیلئے
اچھل کے دل نے جو بوسے مری زبان کیلئے

غالب
زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا۔
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

امیر
دل بے آرزو بھی دے تو ہے لطف
یوں تو سب کچھ دیا خدا نے مجھے

داغ
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے۔
دل بے آرزو دیا تو نے

آتش
کیا یہ زرد ہے سودائے خال مشکیں نے
وہ رنگ ہے کہ جو تھا رنگ زعفران ستا

مضمون پہلے ہی کچھ نہ تھا۔ شعر میں اس طرح بندھا کہ اور بدمزہ ہو گیا۔

ناسخ
کیا سجدے میں دیکھا جب سے تیرے مصحف رخ کا
نہیں کم سجدے کی آیت سے رتبہ بیت ابرو کا

ذوق — آیت سجدہ ہے حق میں میرے ہر جوہر تیغ
ہے خمِ تیغ فقط کیا خمِ محراب بنا

اکبر الہ آبادی — زمانہ جس کو مٹائے بھلائے خلق جسے
عبث ہے خوش ہوں جو ایسے نشان و نام سے ہم

ایضاً — بھلا ہی دیتی ہو جس کو دنیا مٹا ہی دیتا ہو جسکو گردوں
عبث ہے انسان چاہتا ہو جو نام ایسا نشان ایسا

دونوں شعر ایک ہی شاعر کے ہیں مضمون بھی وہی ہے لیکن دوسرے شعر میں الفاظ کی بندش نے کلام کو بہت بامزہ کر دیا ہے۔

امیر — راستی قلزم الفت میں رہی ہم کو پسند
جب کیا قصد کیا سیر پیرائی کا

ذوق — پھرتا ہے سیل حوادث سے کوئی مردوں کا منھ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

اکبر — انھیں نے عطا کی تھی جان حسین
ہوا خوب انھیں پر فدا ہو گیا

غالب — جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

برمحل اور صحیح سادے الفاظ انتخاب کرنے کے بعد دوسری بات یہ سوچنے کی ہے کہ الفاظ کو کس طرح سے ترکیب دیں کہ ایسا صحیح اور بامعنی جملہ بن جائے جو ہمارے مفہوم کو ٹھیک ٹھیک واضح کر دے۔ جملوں میں الفاظ کی ترکیب سکھانا قواعد کے حصہ نحو کا کام ہے اور جہاں تک جملوں کی صحت اور ترکیب کو دخل ہے نحو اور بلاغت کا حصہ مشترک ہے۔

کلام ایسے بیان سے مرکب ہونا چاہئے جو عیوب کلام سے پاک ہو۔ الفاظ اپنے معنے پر ٹھیک ٹھیک دلالت کرتے ہوں۔ سادے سہل اور عام فہم ہوں۔ لیکن باوجود اس کے بھی ممکن ہے کہ کلام بدمزہ ہو اور بجائے ہموار خوش اسلوب اور پختہ ہونے کے اوس میں خامیاں پائی جائیں بجائے بے ساختہ ہونے کے بناوٹی ہو اور بجائے سلیس ہونے کے تصنع سے بھرا ہوا ہو پس جو لوگ عمدہ مضمون نگار بننا چاہتے ہیں اون کو اپنے مذاق کی بھی اصلاح کرنی چاہئے اگرچہ تمام استعداد کی طرح لطف بیان کا مذاق بھی فطرتی ہوتا ہے لیکن مطالعہ اور مشق سے اس میں بھی بہت اصلاح اور ترقی ممکن ہے۔ فطرتی مذاق میں پائداری اور لطافت پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کا لٹریچر کثرت سے پڑھنا چاہئے۔ اس طرح نہیں کہ عبارت کے مطلب کو سمجھ لے بلکہ اس طرح کہ ایک ایک لفظ کا حسن و قبح معلوم کرلے۔

جن لوگوں کا مذاق اچھے لٹریچر سے اشنا ہے اون پر الفاظ بھی وہی اثر کرتے ہیں جو موسیقی کے راگ کیونکہ موسیقی کی طرح زبان کے الفاظ میں موافقت اور آوازوں میں ہم آہنگی دلکش ہوتی ہے۔

فصاحت کو معنی سے کم سروکار ہے بلکہ الفاظ سے زیادہ تعلق ہے۔

غالب کہتے ہیں ؎

گر نہ اندوہ شب فرقت بیاں ہوجائیگا
بے تکلف داغ مہ مہر دہاں ہوجائیگا

لزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پر

فصاحت کلام کے لحاظ سے دیکھو تو دونوں شعر بہت اچھے ہیں لیکن معنی پر غور کرو پہلے شعر میں تو لفظ ہی لفظ ہیں معنی کچھ بھی نہیں اور اگر کچھ ہیں بھی تو بدمزہ کہتے ہیں اگر اندوہ شب فرقت بیان نہ ہوگا تو اوس کی وجہ یہ ہوگی کہ داغ مہ میرے ہونٹوں کی مہر بن گیا۔

دوسرے شعر کا دوسرا مصرع لاجواب ہے لیکن پہلے مصرع نے معنی کا لطف کم کردیا۔ مطلب یہ ہے کہ میری حالت ایسی نازک ہے جیسی اوس قطرہ شبنم کی جو خار بیاباں پر ہو وہ تو خود معرض خطر میں ہے آفتاب اوس کو مٹانے کی کیوں زحمت گوارا کرتا ہے میرا دل لرزتا ہے کہ آفتاب کی زحمت بیکار جائیگی۔ آفتاب کی زحمت پر دل کا لرزنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آفتاب کے لئے کوئی مہتم بالشان یا خطرناک امر پیش آنے والا ہے لیکن دوسرے مصرع میں جو کام ظاہر کیا گیا ہے وہ نہایت خفیف ہے یعنے ایسے قطرہ شبنم کا فنا کرنا جو خار بیاباں پر ہو۔ بلاغت کلام کا اقتضا یہ تھا کہ جیسی خطرناک حالت دوسرے مصرع میں ظاہر کی گئی ہے۔ ویسی ہی کوئی اہم کیفیت اوسی کے مناسب حال پہلے مصرع میں بیان کی جاتی۔ اگرچہ فصاحت کلام معنی سے زیادہ الفاظ سے تعلق رکھتی ہے لیکن الفاظ کا معنی پر صحیح دلالت کرنا الفاظ کی ہم آہنگی سے زیادہ مقدم ہے اس لئے فصاحت کلام میں یہ دوسرے درجہ کی شرط ہے۔ البتہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو فصاحت کا پہلو ہاتھ سے نہ جائے۔

کسی کلام کی فصاحت کا اندازہ کرنا ہو تو اوسے ذرا پکار کر پڑھو اور دیکھو کہ الفاظ کی آواز کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے یا اون میں ناہمواری اور بے ڈھنگا پن پایا جاتا ہے کلام کا عیوب کلام سے پاک ہونا فصاحت میں بہت مدد دیتا ہے۔ تکرار الفاظ تکرار حروف ثقیل اور ایسے الفاظ جن کا تلفظ مشکل ہو فصاحت کلام میں مخل ہوتے ہیں اگر کسی کلام میں کسی ایک ہی خیال کو بار بار ظاہر کرنے کی حاجت ہو تو دوسرے ہم معنی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں مگر یہ یاد رہے کہ بعض الفاظ اگرچہ ہم معنی ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اون کے مفہوم میں ذرا سا فرق ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اون ہی لفظوں کا دہرا دینا زیادہ مناسب ہے بعض جگہ

اسم خاص کی جگہ اسم عام رکھ دیتے ہیں اور بعض دفعہ ایک اسم کی جگہ اوسکی تعریف بیان کر دینے سے تکرار الفاظ سے بچ جاتے ہیں اور کلام بھی پرزور ہو جاتا ہے۔

"جنگل میں پھرتے پھرتے زید نے ایک شیر دیکھا جو ایک سایہ دار درخت کے نیچے سو رہا تھا۔ پاؤں کی آہٹ سے درندہ جانور ہوشیار ہو گیا اور اوسکی بو پاکر شکار کرنے کی فکر کرنے لگا۔"

بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ الفاظ کی تکرار سے چارہ نہیں ہوتا لیکن متکلم کسی لفظ کو ایسے قرینے سے رکھ سکتا ہے کہ آوازوں کی نامناسبت جاتی رہے۔ الفاظ اور حروف کی تکرار سے مراد آوازوں کی تکرار ہے اور جہاں کہیں آوازیں اس طرح مل جائیں کہ کانوں کو بری نہ معلوم ہوں تو خواہ وہی لفظ بار بار آئے یا دوسرا فصاحت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لئے اگر کوئی ثقیل لفظ کسی ضرورت سے استعمال کرنا لازم ہی ہو جیسا کہ اصطلاحات کی صورت میں ضرور ہوتا ہے تو اوسکے اول و آخر کے الفاظ ایسے لانے چاہئیں کہ اوس لفظ کی آواز سے ملکر خوش آیند معلوم ہوں۔

ذیل کی مثالوں میں کلام کی فصاحت پر غور کرو۔

جو شخص شاعر ہوتا ہے وہ اپنی ساری عمر لفظ و ترکیب کی خوبی و روانی و چستگی کی بندش میں صرف کر دیتا ہے اوس کا خوض و غور کسی طرح اوس فلسفی کے خوض و غور سے کم نہیں ہوتا جو لوگ آج کل اسرار کائنات کے پردے فاش کر رہے ہیں مگر یہ بے چارہ چند جذبات کو ظاہر کر کے دل خوش کر لیتا ہے قوم کو کیا فائدہ پہونچاتا ہے اور اگر گرا شاعر ہے تو کمبخت جذبات کو بھی ظاہر نہیں کر سکتا جیسے بدآواز لاکھ گانے کی مشق کرے اوس سے کسی کو لطف نہیں مل سکتا۔ پھر شاعری اپنی ہی زبان کے لئے خاص نہیں مسلمانوں کو فارسی پڑھنا

بھی ضروری کام ہے اوسمیں بھی ابتدا سے لیکر انتہا تک شعر و شاعری کی تعلیم ہوتی ہے عربی پڑھنا ایک مذہبی خدمت ہے مگر اوس میں بھی بڑا علامہ وقت وہ شخص سمجھا جاتا ہے جو عربی میں کچھ نظم بھی کر لے - عربی میں کچھ علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں موجود ہیں اون کے پڑھنے سمجھنے والے بھی عنقا کا حکم رکھتے ہیں اب عربی دانی کے لئے بھی یہی امر کافی سمجھا جاتا ہے کہ چند مقامات اور کسی دیوان کے شعر کو پڑھ لیا اور اوس زبان میں نظم و نثر لکھنے لگے ساری قوم نے اعلم علما ہونا تسلیم کر لیا - کوئی یہ نہیں پوچھنے والا کہ آپ نے سوا ز باتوں کے اور اسکے سوا بھی کیا ہے - عربی کے لٹریچر کا بڑا ذخیرہ شفا اشارات و فارابی و ابن ہشیم کے تصنیفات مجسطی و چغمنی و ہیئات و ریاضیات بھی تو ہے ان کتابوں سے فوائد اخذ کر کے اپنی زبان اور ہم زبان قوم کو آپ نے کیا فائدہ پہونچایا - افسوس ہے قوم کی ناشناسی پر کہ رہزن و رہبر کی تمیز ان سے سلب ہو گئی ہے - علوم و فنون کہتے کسے ہیں یہ خواب بھی انھوں نے نہیں دیکھا الخ

اس عبارت میں لفظی و معنوی غلطیوں سے قطع کر کے صرف عبارت پر ہی غور کرو کہ کیسی بے ربط اور الفاظ و جملے کتنے بے میل ہیں -

فصاحت کی کمی جا بجا شرر کے کلام میں بھی پائی جاتی ہے (دریش نندنی کا بیسواں باب پڑھو ص ۱۷)

بمالا دوڑ کر رندھیر سنگہ کی خوابگاہ تک گئی تو وہاں بھی اوسے وہی شور ہنگامہ سنائی دیا پٹھان لوگ دروازہ توڑ کر کمرے کے اندر داخل ہو گئے تھے بمالا نے جھانکا تو دیکھا کہ رندھیر سنگہ نے جلدی سے کمر باندھ کر دیوانہ وار ادھر اودھر تلوار پھیکنا شروع کی تھی اور اوس کا بدن خون میں نہا گیا تھا اب اوس کی کوششیں بیکار ہو گئی تھیں کیونکہ کسی طاقتور پٹھان کی لمبی تلوار کی ضربے

اوس کی تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر تھوڑی دور پر جا گری۔ رندھیر سنگھ قید کر لیا
گیا تھا۔ جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کے باعث میں مایوس ہو کر اوس
جگہ سے روانہ ہوئی یہ خیال کر کے کہ تلوار کے بچانے کا ابھی موقعہ نہیں ہے
وہ ادھر چھپی دیکھا کہ تلوتما تک پہونچنا آسان امر نہیں ہے۔ پٹھان لوگ
قلعے کے کونے میں پھیل گئے تھے۔ اب اس پر شک کرنے کا بالکل محل
نہیں رہا تھا کہ پٹھانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ بمالا نے دیکھا کہ تلوتما کے کمرے
کو جاتے ہوئے وہ پٹھان سپاہیوں کے ہاتھ میں پڑ جائے گی۔ فوراً پلٹی
نہایت ہی بدحواس ہو کر وہ اپنے دل میں خیال کرنے لگی کہ ایسے عظیم
خطرے کے وقت میں تلوتما اور جگت سنگھ کو اس حادثہ کی خبر کیونکر پہونچائے



لکچر (۲۵)

بلاغت

کلام میں اثر نہیں پیدا ہوتا جب تک وہ فصیح ہونے کے علاوہ مقتضائے حال کے موافق نہ ہو اور ایسا کلام جسمیں فصاحت اور مقتضائے حال کی موافقت پائی جائے کلام بلیغ کہلاتا ہے۔ کلام کے اس وصف کو بلاغت کہتے ہیں۔ کسی مضمون کے بلیغ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوس کے الفاظ برمحل فقرات برجستہ پورے مضمون کا خاکہ مرتب اور مکمل ہو۔ مضامین کے مختلف حصوں کی ترتیب صحیح مناسب اور کل مضمون ایسا دل آویز ہو کہ دوسروں کے دل پر بھی وہی اثر ڈالے جو مقرر یا مصنف کا منشا ہے اور انتہائے کمال یہ ہے جو کیفیت متکلم کے دل پر گزر رہی ہے وہی مخاطب پر بھی طاری ہوجائے اس طرح بلاغت اپنے خیالات کو قابلیت سے ظاہر کرنے کا فن ہے تاکہ دوسرے بھی کسی مضمون کو اوسی آب و تاب اوسی صفائی اوسی جوش و خروش اوسی حسن و خوبی سے دیکھیں جو مصنف کی نظر میں ہے یہ ایک ایسا فن ہے جس کے لئے بہت مشق اور مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے بلاغت کے آلات عل الفاظ۔ جملے فقرے صنایع و بدایع وغیرہ ہیں اور یہ اتنی طرح سے استعمال ہوتے ہیں کہ کسی کتاب میں ان کا استحصار نہیں کیا جاسکتا البتہ ان کی طرف راہ نمائی کی جاسکتی ہے ہر ایک پیرایہ ایک نئی طرح کا اثر پیدا کرتا ہے اور بلاغت کی شان یہ ہے کہ سامع یا ناظر کو اوس مضمون سے کوئی معلومات ہی حاصل نہ ہو بلکہ ایسی دلچسپی پیدا کرے کہ مخاطب کی توجہ اپنی طرف معطوف کرلے اوس کے جذبات کو ابھارے اور دل پر اثر ڈالے اور یہی وہ فن

ہے جو علم ادب کو خوشنما اور دلکش بناتا ہے

بلاغت کی ضرورت تقریر اور تحریر دونوں میں پڑتی ہے لیکن کوئی مضمون لکھنا بہ نسبت تقریر کرنے کے زیادہ مشکل خیال کیا جاتا ہے بظاہر تو تحریر و تقریر دونوں ایک سے معلوم ہوتے ہیں یعنے جس طرح کسی مضمون کو ہم زبان سے ادا کرتے ہیں اسی طرح قلم سے لکھ دیں۔ بات ایک ہی ہے یعنے ہمارے مافی الضمیر کو دوسرے سمجھ جائیں اور کسی شئے کو جس نظر سے ہم دیکھتے ہیں دوسرے بھی سمجھیں لیکن تحریر میں بہ نسبت تقریر کے زیادہ احتیاط اور محنت سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہم جو کچھ لکھتے ہیں وہ مدت تک قایم رہتا ہے اور الفاظ میں رد و بدل کرنے یا غلطیوں کو درست کرنے کا موقعہ نہیں ملتا اسی وجہ سے تقریر میں ہم جس بے ساختہ پن سے مطلب ادا کر جاتے ہیں تحریر میں نہیں کر سکتے بلکہ ایک ایک لفظ کو سوچ سمجھ کر لکھتے ہیں اور مضامین کی ترتیب اور فقروں کی ترکیب پر بہت غور کرنا پڑتا ہے تقریر میں تو خیالات جس ترتیب سے ذہن میں آتے ہیں اوسی طرح بول جاتے ہیں لیکن تحریر میں اون کے واسطے ترتیب سوچنی پڑتی ہے تاکہ پڑھنے والا ایک مطلب سے دوسرے مطلب پر آسانی سے پہونچ سکے اور اوس کے دل پر ایک دیرپا اثر ہو۔ بلیغ لکھنے کا مرتبہ صحیح لکھنے سے اعلیٰ ہے ممکن ہے کہ ایک فقرہ زبان کے لحاظ سے بالکل صحیح ہو لیکن اپنے محل اور موقعہ کے لحاظ سے بہت ادنے درجہ کا ہو ہر موقعہ پر یہ دیکھنا بہت ضرور ہوتا ہے کہ اس محل پر ہمارے مقصد کے اظہار کے لئے کونسے الفاظ زیادہ بہتر ہیں۔ مبہم۔ کمزور۔ بھدے لفظوں کی جگہ واضح پرزور اور چبھتے ہوئے لفظ لکھنے زیادہ بکار آمد ہوتے ہیں۔

کسی مضمون کو صحت اور دل آویزی سے بیان کرنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک تو فراہمی مواد یعنے الفاظ محاورے صنایع و بدایع وغیرہ کا وسیع

علم دوسرے فن انشار کا علم یعنے مواد موجودہ کو ترکیب و ترتیب دینا مضمون
کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑنا واقعات کو جمع کرنا اور اون کے بیان میں اس طرح تناسب
اور موزونیت کا قایم کرنا کہ سب کے ملنے سے ایک خوشنما ترکیب پیدا ہو جائے
کسی واقعہ کے بیان کرنے میں یہ خیال بہت رکھنا پڑتا ہے کہ
وہ مقتضائے حال کے موافق ہو
مثلاً کسی سو برس کے بڈہے میں جوانوں کا سا جوش
و خروش اور ایک راہب کے دل میں دنیا دار آدمی کی سی امنگیں دکھائی جائیں یا ایک
بادشاہ جو ایک جرار لشکر لیکر دشمن کے قلع قمع کے لئے جا رہا ہے اہل لشکر کے سامنے
عجز و انکسار کا اظہار کرے۔ بچہ اپنا چلبلا پن چھوڑ کر متانت و سنجیدگی ظاہر کرے
ایک ماں کو جو اپنے بچہ کی مفارقت میں تڑپ رہی تھی اوس سے ملکر انقباض ہو
ایک عالم آدمی کی زبان سے ایسے مبتذل الفاظ نکلیں جو بازاری آدمیوں کا
حصہ ہیں تو یہ باتیں مقتضائے حال کے مطابق نہیں ہیں اور ایسا کلام بلیغ نہ کہا
جائیگا بلاغت کی شان یہ ہے کہ ہر عمر ہر موقعہ ہر منصب ہر حالت ہر کیفیت ہر شے
کا اظہار اس طرح کیا جائے جیسا کہ نفس الامر میں واقع ہوا کرتا ہے۔ واقعہ خواہ
صحیح ہو یا نہ ہو لیکن بیان واقعہ اصلیت کے بالکل مطابق ہو۔ ایک سپاہی
میدان جنگ میں کام آیا اوس کا بھائی اوس کی بیوی اور چھوٹا یتیم بچہ اس کے
مرنے کا افسوس کرتے ہیں بھائی کے دل میں جو خود بھی ایک شجاع اور بہادر سپاہی
ہے غم کم اور غصہ زیادہ ہے " وہ کہتا ہے کہ میرے بھائی نے اپنے ملک اور قوم کی
آزادی کے لئے جان دی ہے وہ بہ ظاہر مردہ ہے لیکن شہدا مرا نہیں کرتے آیندہ
نسلیں اوس کے کارناموں کا فخر سے ذکر کرینگی اور دشمن کے بچے اوس کے نام سے
ڈرائے جائینگے اوس نے اپنی جان بہت گراں بیچی ہے اور اوس کے بدلے حیات

ابھی حاصل کی ہے۔ دشمن کو خوش نہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے ایک بے مثل بہادر کو قتل کر دیا کیونکہ اوس کے بچے کی رگوں میں بھی وہی خون ہے جو اوس کے ابا اور دادا کی رگوں میں تھا وہ شیر کا بچہ ہے اور دشمن کے خون کا ایسا ہی پیاسا ہے۔

سپاہی کی بیوی رنج و غم کی زندہ تصویر ہے اس کا چہرہ پژمردہ ہے اور آنکھیں روتے روتے سرخ ہو گئی ہیں وہ کبھی اپنی بے کسی کا خیال کرتی ہے اور کبھی بچے کی یتیمی کا۔ خوف و ہراس اس کے دل پر چھا گیا ہے آئندہ کا زمانہ اوسکو تیرہ و تار نظر آتا ہے اور بچہ کی جان کے اوس کو لالے پڑ رہے ہیں وہ اگر کچھ بات کرتی بھی ہے تو یہی کہ میں اب کہاں جاؤں اور کیا کروں ہمارا سر دھرا اب کون ہے۔

بچہ چچا اور ماں کی حالتوں کو دیکھتا ہے وہ یہ تو جانتا ہے کہ یہ غیر معمولی حالت کسی سخت واقعہ کا نتیجہ ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ واقعہ کیا ہے اور کبھی ماں کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگتا ہے۔ کبھی ماں سے پوچھتا ہے کہ کیوں روتی ہو کبھی چچا سے کہتا ہے کہ آپ تو کہتے تھے کہ ابا بہت سا (لوٹ کا) مال اور اچھی اچھی چیزیں لائنگے وہ تو ابھی تک نہیں آئے مجھے ابا کے پاس لے چلو۔

اگر بچہ کی سی حالت عورت کی دکھائی جائے یا عورت کی زبان سے وہ الفاظ نکلیں جو بھائی نے کہے تھے اور بھائی کی وہ حالت ظاہر کیجائے جو عورت پہ گزر رہی ہے تو کلام بلیغ نہ کہلائیگا۔

دو شخص جب ایک دوسرے کو جلانا چاہتے ہیں تو ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ حریف کے دل میں رشک وحسد کی آگ بھڑکائیں۔ غالب اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں۔

غیر یوں کرتا ہے پرسش میری اوسکے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوار دوست
تا کہ میں جانوں کہ ہے اوسکی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ہے پیام وعدہ دیدار دوست

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعف دماغ
سر کرے ہے وہ حدیث زلف عنبر بار دوست

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیان شوخی گفتار دوست

مہربانیہائے دشمن کی شکایت کیجئے۔
یا بیاں کیجے سپاس لذت آزار دوست

غیر غالب کی حرماں نصیبی سے خوش ہوتا ہے لیکن بظاہر ہمدرد بنتا اور علاج پیش کرتا ہے اور ساتھ ہی دوست کے حالات بھی غالب کی تسکین خاطر کے لئے بیان کرتا ہے لیکن دراصل اوس کا منشا یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ یار سے ملتا جلتا رہتا ہے اور اوس کی زلف عنبر بار اور شوخی گفتار کے مزوں سے نا آشنا ہے اس طرح غالب حرماں نصیب کے زخم دل پر اور نمک چھڑکتا ہے یہ تمام بیان مقتضائے حال کے مواقف اور نہایت بلیغ ہے۔

مولوی صدیق حسن صاحب نے ایک عورت کے دلی جذبات و خیالات کو جبکہ وہ اپنی پچھلی بدکاریوں پر تاسف و ملامت کر رہی ہے اس طرح دکھایا ہے۔
"چلتے چلتے تھک کر وہ اسی اونچی چٹان کے دامن میں بیٹھ گئی جس پر قلعہ واقع ہے ابھی چند ہی منٹ ہوئے ہونگے کہ بچے کا رونا موقوف ہو گیا اور اوس نے آہستہ سے کہا شاید مر گیا! خدا کرتا ایسا ہی ہوتا جس وقت اپنی اگلی لغزشوں اور بیوقوفیوں کا خیال آتا ہے تو جوش انتقام سے میں ایک مردم خوار شیرنی بن جاتی ہوں۔ مگر ہائے اس کی جان اپنے ہاتھ سے نہیں لیجاتی"
یہ الفاظ اوسکی زبان سے نکلے اور آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے ان شعلوں میں معمولی گرمی و حدت نہ تھی بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ خود اون آنکھوں کو جلا کے خاک کر دینگے جن سے نکل رہے ہیں۔ اس نے چادر کو کھولا جس میں بچہ لپٹا تھا اور ایک انتہا سے زیادہ خوبصورت مگر نحیف و زار اور حقیر و ناتوان بچہ کا پیارا چہرہ اوس میں سے نکالا اور اوسکی طرف غور سے دیکھ کے افسردہ ہو گئی اور نہایت ہی یاس کی آواز میں

بولی۔ آہ! مرا نہیں سوتا ہے۔"

اس کے بعد دیر تک خاموش رہی پھر کہنا شروع کیا یا پاک پروردگار کتنی مدت ہوگئی کہ میں اس پاکدامنی کے اطمینان سے محروم ہوں اور چین سے سونا نصیب نہیں ہوا آہ اب ان آنکھوں میں وہ میٹھی نیند نہ آئیگی۔ اسی جگہ کے قریب پہلے پہل میں نے اوس شخص کو دیکھا تھا جس نے میرا دل چھین لیا۔ افسوس اوسوقت میں ایسی ذلیل و بے عزت نہ تھی جیسی اب ہوں۔ چند ہی برسوں کے اندر میرا گھر بار تباہ ہوگیا اور اوسی کے ساتھ میرے سارے اچھے اور پاک خیالات بھی رخصت ہوگئے۔ ماں باپ کے دلوں کو ایسا دھچکا پہونچا کہ قبر کے آغوش میں لیٹ رہے ہیں اور خاک کی چادر میں منہ چھپا لیا۔ میں ان کے بعد زندہ ہوں مگر مجھے وہ پاکیزہ اور بے داغ زندگی نصیب نہیں بے خانماں و آوارہ وطن ہوں دنیا کی خاک اڑاتی پھرتی ہوں اور یہ ظاہر نظر آتا ہے کہ ایسی ہیبت ناک تباہی میں ڈال دی گئی ہوں جس کی ابتدا خود میرے ناپاک دل کی بے اعتدالی سے ہوی تھی۔

آہ کس قدر تکلیف وہ بات ہے۔ اے کریم ورحیم۔ اپنی کریمی کا صدقہ بتا اب میں کیا کروں؟ بھیک مانگوں؟ نہیں نہیں یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا یہ کہتے ہی ایک بے خودی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھی اور شہر سے نکل کے اس طرح بھاگی کہ گویا نہ اس کے پاؤں تھکے تھے اور نہ اعضا میں کسی قسم کا اضمحلال تھا۔"

زور کلام

صرف یہی کافی نہیں ہوتا کہ کوئی خیال وضاحت اور صحت سے بیان کردیا جائے بلکہ ممکن ہے کہ اس کے باوجود بھی وہ بدمزہ اور سست ہو اور اوس میں زور اور دلچسپی نہ پائی جائے ہر مضمون میں اس قدر دلچسپی ضرور ہونی چاہیئے کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے اور اوس کے لئے کلام میں کوئی ایسی بات

بھی ہونی ضرور ہے جو دلوں میں چھپنے والی ہو ایسے کلام جنمیں اس سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہوتا کہ وہ سمجھ میں آجاتے ہیں عموماً پھیکے اور بدمزہ ہوتے ہیں۔ زور کلام اون میں تاثیر پیدا کرتا اور اوس کو کانوں کی راہ سے دل میں اتار دیتا ہے زور کلام ایسا آسان مضمون نہیں ہے کہ چند لفظوں میں بیان کر دیا جائے اور نہ سوائے مذاق سلیم کے اور کوئی اس کو سمجھا سکتا ہے ہم طلبا کی آگاہی کے لئے چند قاعدے بیان کر دیتے ہیں۔

سب سے پہلے تو الفاظ ہی ہیں کہ کلام میں زوردار الفاظ رکھے جائیں اور بھرتی کے الفاظ نکال ڈالے جائیں۔

جو الفاظ زیادہ آسانی سے سمجھ میں آتے ہیں وہ اثر بھی زیادہ کرتے ہیں پس جو کلام قریب الفہم الفاظ سے مرکب ہوگا وہ زیادہ موثر بھی ہوگا۔ "کمرے سے باہر جاؤ" زیادہ زوردار اور موثر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ کمرے کو اپنے وجود سے خالی کر دو۔ بعض لوگ بے ضرورت بڑے بڑے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے کلام کو زوردار بنا رہے ہیں در انحالیکہ وہ اور خفیف اور بے اثر ہو جاتا ہے الفاظ جس قدر زیادہ صریح ہونگے اوسی قدر متکلم کے تصورات ذہنی زیادہ قریب الفہم ہونگے۔ تصورات کی حالت یہ ہے کہ اگر کسی جماعت کی کیفیت پر غور کرنا ہو تو بھی اون میں سے کسی فرد کی حالت پر غور کر کے کل کا اندازہ کیا کرتے ہیں۔ مثلاً یہ خیال کرتا ہو کہ فوج کا فلاں دستہ بہت اچھا مسلح ہے تو [illegible] سپاہی کی حالت کا خیال ذہن میں آئیگا کہ اوسکے پاس تمام ضروری اسلحہ اور سامان حرب موجود ہے اور اسی طرح کل دستہ کے [تصو]رات ذہنی کے عمل کے مطابق ہوگی زیادہ زوردار اور دلوں پر زیادہ اثر کرنے والا ہوگا اس کے لئے علم النفس کے اوس قدر حصہ کے

جاننے کی ضرورت ہے کہ کسی شئے کی ماہیت حاصل کرنے کے لئے ذہن کن امور سے شروع کرتا اور کہاں ختم کرتا ہے۔

جو الفاظ کسی حقیقت کو زیادہ واضح طور پر بیان کرتے ہیں وہ زیادہ باثر ہوتے ہیں بہ نسبت اون کے جو زیادہ خفی طور پر بیان کریں۔

زید لڑنے میں جانور ہے زید لڑنے میں درندہ ہے

زید لڑنے میں شیر ہے۔ پہلی صورت میں اصل معنی سے بہت زیادہ خفا ہے۔ دوسری میں کم اور تیسری بالکل واضح ہے

صفتوں اور متعلقات فعل کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ الفاظ کے معنے کی حد مقرر کر دیتے ہیں اگرچہ ان سے مفہوم میں صحت پیدا ہو جاتی ہے لیکن الفاظ کا اصلی زور اتنا ہی گھٹ جاتا ہے یہی حال جملوں کا ہے کہ اون میں جس قدر معترضہ جملے اور حشو زیادہ ہونگے اوسی قدر اون میں سے اصلی قوت گھٹ جائیگی اگر ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں کہ متعلقات اور زوائد کے بغیر ہی مفہوم کو پوری طرح ادا کر دیں تو زور کلام بڑھ جائیگا وہ شجاع تھا کہنا زیادہ زوردار ہے بہ نسبت اس کے کہ اوس کا دل قوی۔ بازو طاقتور تھے طبیعت میں ایثار اور نفس کشی تھی،، کیونکہ شجاع کے لفظ میں یہ صفتیں داخل ہیں۔

جب چند خیال ایک ساتھ بیان کئے جائیں تو اونکے ربط کی عمدگی اور تسلسل کا لحاظ رکھنا زور کلام کو بڑھا دیتا ہے۔ اور جہاں کہیں خیالات ایسے واضح ہوں کہ حروف عطف کے بغیر کام چل سکے تو حروف عطف کا حذف کر دینا ہی کلام میں زور پیدا کرتا ہے۔ جامع اور مختصر کلام بہ نسبت طویل کلام کے زیادہ موثر ہوتا ہے لیکن اس موقعہ پر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جامعیت کلام کی وضاحت کو نہ گھٹا دے اگر ایسے جامع الفاظ مل جائیں کہ کسی فقرے یا جملہ کی جگہ استعمال ہو سکیں تو کلام

زیادہ زوردار ہو جائیگا بشرطیکہ یہ الفاظ بھی ویسے ہی قریب الفہم اور واضح ہوں
کسی لفظ یا جملے کو کلام کے شروع یا آخر میں رکھنے یا اوس کی جگہ بدل دینے سے بھی کلام میں زور پیدا ہو جاتا ہے ہر ایک لفظ یا جملے کی ایک قدرتی جگہ فقرے میں ہوتی ہے جو نحو کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن اوس پر خاص طور پر متوجہ کرنے کے لئے بعض اوقات ہم اوسکی قدرتی جگہ بدل دیتے ہیں۔ نحو کے قاعدے کے بموجب عموماً شروع میں فاعل اور آخر میں فعل بیان کیا جاتا ہے اگر فاعل کو شروع سے ہٹا دیں (یہ ضرور نہیں کہ اوس کو آخر ہی میں رکھیں) تو اکثر فاعل پر زور ہو جاتا ہے اسیطرح فعل جو عموماً آخر میں آتا ہے اگر کہیں ابتدا میں رکھ دیا جائے تو پر زور ہو جائیگا۔
صفت اور متعلقات فعل عموماً اسماء یا افعال کے ساتھ آتے ہیں اس لئے اگر بجائے اصلی خیال کے صفتوں اور متعلقات فعل پر زور دینا ہو تو صفت یا متعلقات فعل کو اون کے اسماء یا افعال کے بعد رکھو۔

یہ بہت میٹھا آم ہے۔ یہ آم بہت میٹھا ہے۔

جب مخاطب کو نتیجہ کا منتظر رکھنا ہو تو اصل بات بیان کرنے سے پہلے دوسرے متعلقات بیان کرتے ہیں اور اصلی بات آخر میں رکھتے ہیں یہ طرز بیان زیادہ تر شاعرانہ ہے یعنے مفہوم کو آخر تک نا تمام رکھنا اور مخاطب کو اوس کا متوقع رکھنا۔
یہ مقصد کئی طرح سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱) شرطیہ جملے پہلے بیان کرنا۔
اگر آفتاب و ماہتاب بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو بھی میں اپنے ارادے سے باز نہ آؤں گا۔

(۲) متعلقات فعل فعل سے پہلے بیان کرنا اس سے متعلقات فعل پر زور بھی آ جاتا ہے۔
بہت سی رقم خرچ کر کے اور بڑی محنتوں سے میں نے اس کتاب کی نقل لی ہے

صبح سے شام اور شام سے صبح تک وہ فکر سخن میں مستغرق رہا جب یہ قصیدہ تیار ہوا ہے
اگر کسی شرطیہ جملہ پر زور دینا ہو تو اوس کو آخر میں بیان کرو۔ جو جملے حروف شرط اگر بشرطیکہ اگرچہ وغیرہ حروف سے شروع ہوتے ہیں اگر کلام کے شروع میں ہوں تو مخاطب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور وہ اس امر کا متوقع ہو جاتا ہے کہ اب کیا بیان ہوگا۔ لیکن اگر شرط پر زور دینا ہو تو اوس کو آخر میں رکھو اور پہلے جزا بیان کردو۔ مجھ کو تمھارے بیان کے صحیح ہونے میں شبہ ہے اگرچہ تمھاری درخواست منظور کرتا ہوں۔ ممکن نہیں کہ لوگ فرمان کی تعمیل نہ کریں بشرطیکہ اوس سے مطلع ہو جائیں۔

جب کئی امور بیان کرنے ہوں تو پہلے کمزور خیالات اور کمزور الفاظ کو رکھو پھر بتدریج زوردار الفاظ اور زوردار خیالات بیان کرتے جاؤ۔ اگر زوردار کلمات کے بعد کمزور اور خفیف کلمے رکھے جائنگے تو کلام پھس پھسا اور رکیک ہو جائیگا اور دلچسپی بجائے بڑھنے کے گھٹنے لگے گی۔

ضروری لفظوں کو کلام میں بار بار لاؤ تاکہ اون کا زور اور اثر سارے کلام میں قایم اور باقی رہے اور وہ مخاطب کے ذہن میں موجود رہیں۔

زبان میں ایسے بہت سے لفظ ہیں جن کی آواز بھی اون کے مفہوم سے مطابقت رکھتی ہے اور کسی بیان میں زور یا نرمی رعب یا شان پیدا کرنے کے لیئے ایسے الفاظ کا استعمال بہت موثر ہوتا ہے۔ اسی سے ملتے جلتے اسماء معرفہ ہیں جو کسی خاص صفت میں ایسے مشہور ہیں کہ وہ اسم ہی اوس صفت کی جگہ استعمال ہونے لگا ہے رستم۔ حاتم۔ نوشیروان۔ بہادر۔ سخی۔ عادل کہنے سے زیادہ اثر رکھتے ہیں۔

الفاظ کو اون کی دلالت تضمنی یا التزامی میں بیان کرنا یا تشبیہات کا استعمال کرنا بھی بیان میں جان ڈال دیتا ہے۔

استفہام اقراری یا انکاری دعوے میں زور پیدا کر دیتے ہیں مگر یہ اوس صورت میں ہوتا ہے کہ مقدمہ کی صداقت بالکل مسلم ہو کہ مخاطب کو اوس سے انکار کا چارہ نہ ہو۔

روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہ اب کہاں ہیں؟

مطلب یہ کہ فانی ہیں۔

جب کسی شئے کا حسن و خوبی یا اوس کی برائی بھلائی ظاہر کرنی ہو تو جملہ استفہامیہ کا استعمال کیا کرتے ہیں کیا سہانا سماں ہے؟ کیا موہنی مورت ہے؟

اس خبر سے کیسا صدمہ ہوا!

مبالغہ بھی بیان میں جان ڈالتا ہے لیکن اوسی حد تک کہ بعید از قیاس نہ ہو جائے بعض دفعہ ایک خیال اپنے متضاد خیال سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے میں جانتا تھا کہ زید دولت کا بادشاہ ہے مگر وہ تو دولت کا بندہ ہے۔

وہ شخص بخل میں وہ مرتبہ رکھتا ہے جو حاتم سخاوت میں کلام کی تاثیر بیان میں جان ڈالتی ہے یہی وہ صفت ہے جو مخاطب کے نظر کے سامنے بھی کسی مضمون کو اوسی شان سے دکھاتی ہے جو متکلم کی نظر میں ہے جب کوئی خیال ظاہر کیا جاتا ہے تو مخاطب کے دل میں اوس کے سننے کے ساتھ ہی کوئی دوسرا خیال یا تصور یا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو پہلے خیال کو زیادہ دلچسپ اور زیادہ موثر بنا دیتا ہے اور اس طریق سے متکلم اپنے کلام میں احساسات کی شدت جذبات کا مد و جزر اور اپنے خیالات کی وسعت بھر دیتا ہے۔

لکچر (۲۶)

وضاحت

وضاحت کے چند قاعدے یہ ہیں

(۱) کوئی لفظ یا کوئی جملہ ایسا نہ ہو جس کی دلالت واضح نہ ہو

(۲) ایسا لفظ جو فقرے کے مختلف اجزا کی ترکیب کے لئے ضروری ہے ہر جزو کے ساتھ بیان ہونا چاہیئے خصوصاً ایسی صورت میں کہ اوس کا حذف کرنا یا تو معنی میں خلل ڈالدے یا ابہام پیدا کردے۔

(۳) اگر چند افعال کا ایک ہی فاعل ہو تو فاعل کا نام ایسی صورت میں دوبارہ ضرور لینا چاہیئے جبکہ فاعل اور فعل کے درمیان کوئی اور اسم ایسا آجائے جو بادی النظر میں اوس فعل کا فاعل معلوم ہوتا ہو۔

(۴) جب الفاظ "بہ نسبت اسکے" "جتنا" "جس قدر" وغیرہ آئیں تو فعل کو دوبارہ بیان کرو

وہ بہ نسبت میرے تم سے زیادہ محبت کرتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ میں اتم سے کم محبت کرتا ہوں اور وہ تم سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

وہ تم سے زیادہ محبت کرتا ہے بہ نسبت اس کے کہ مجھ سے کرتا ہے۔

(۵) جب چند اسما یا صفتوں سے پہلے لفظ "ایک" آئے تو اون کو ایک حلقہ میں داخل کردیتا ہے اور اگر ہر ایک سے پہلے آئے تو اون کو علیحدہ علیحدہ کردیتا ہے۔ ایک حکیم اور رمال کی ضرورت ہے یعنے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس میں دو صفتیں ہوں۔ ایک حکیم اور ایک رمال کی ضرورت ہے یعنے دو آدمیوں کی ضرورت ہے۔

کبھی زور دینے کے لئے لفظ ایک ہر صفت سے پہلے لگا دیتے ہیں اور اوس سے ایک ہی ذات مراد ہوتی ہے۔

میں اوس کو ایک شریر ایک بدنفس ایک ظالم شخص کی حیثیت سے سزا دیتا ہوں
جب چند چیزوں کا ایک ہی حیثیت سے ذکر ہو اور اون کا تعلق بھی ایک ہی فعل سے ہو تو آخر میں کوئی ایسا لفظ لانا جو اون کی مجموعی تعداد کا ذہن میں لا کر دے وضاحت کلام کے لئے بہت مفید ہوتا ہے۔ بڑے بڑے شہر مال و دولت کی افراط تجارت کی گرم بازاری۔ ریلوں اور جہازوں کی بہتات۔ یہ سب چیزیں بیکار ہیں اگر قوم میں زندہ دلی اور یک جہتی نہ ہو۔

اسی طرح سے اگر کئی شرطیہ جملے کلام میں ہوں تو اون کو آخر میں ایک کلمے سے جمع کر لینا چاہیئے۔

استعارہ کے استعمال میں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ایک استعارہ کو دوسرے کے ساتھ مخلوط نہ کر دیں۔ جب کوئی استعارہ استعمال کیا جائے تو تمام لوازمات اوس کے بیان کرنے چاہیئیں نہ یہ کہ اوس کو چھوڑ کر دوسرے لوازمات بیان کرنے لگیں۔



لکچر (۲۷)

رموزاوقافِ عبارت

اندلس نیز بغداد و دمشق کے علما عبارتوں میں اوقاف کا استعمال کرتے تھے اہل یورپ نے علماء اندلس کی تقلید کی اور تھوڑے سے تغیر سے اون ہی اوقاف کو اپنے ہاں رائج کرلیا۔ لیکن یہ تعجب ہے کہ مسلمانوں نے ایسی ضروری چیز کو اپنی کتابت میں بھلادیا۔ اوراب جو کتابیں چھپتی ہیں اون میں نہ اوقاف استعمال ہوتے ہیں نہ رموز حتی کہ پیراگراف بھی نہیں چھوڑا جاتا۔

یہ اوقاف اور رموز فہم مطالب میں بہت مدد دیتے ہیں گویا کسی عبارت کو واضح کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اوس میں اوقاف و رموز حسب موقعہ لکھے جائیں۔ سررشتہ تعلیم پنجاب نے اس طرف توجہ کی اور سرکاری کتابوں میں رموز اوقاف اور پیراگراف چھوڑنے کا التزام کیا۔ چونکہ یہ طریقہ بہت مفید ہے اور اس لائق ہے کہ ہمارے ہاں دوبارہ جاری کیا جائے۔ ہم اس کو کسی قدر وضاحت سے لکھیں گے۔ رسم الخط میں یہ امر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے لائق ہے کہ (۱) مخلوط ہے دو چشمی (ھ) لکھی جائے۔ (۲) نون غنہ جو لفظ کے درمیان ہے اوس پر الٹا جزم دیا جائے اور جو آخر میں ہے اوس پر نقطہ دیا جائے۔ (۳) یائے معروف جو لفظ کے آخر میں آئے دائرے کی لکھی جائے۔ (۴) یائے مجہول (جو لفظ کے آخر میں آئے) لمبی لکھی جائے) (۵) واؤ معدولہ (جو بولی نہیں جاتی) کے نیچے آڑی لکیر کھینچ دیں (خود۔ خویش)

(۶) تنوین۔ دو زبر۔ دو زیر۔ دو پیش ً ٍ ٌ کو کہتے ہیں اس علامت کے دینے سے کسی لفظ کے آخر حرف کی آواز نون کی سی ہو جاتی ہے ابتداءً

(۷) ْ جزم سکون حرف کی علامت ہے۔

(۸) تشدید ّ حرف مدغم کی علامت ہے جس حرف پر لکھی جائے وہ دو دفعہ پڑھا جاتا ہے تکرّر (۹) مد ٓ الف پر لکھا جاتا ہے تو وہ الف بڑھا کر پڑھا جاتا ہے۔

اوقاف عبارت حسب ذیل ہیں:۔

وقف خفیف واو مقلوب (،) ایسے موقعہ پر آتا ہے۔ جہاں پکار کر پڑھنے میں آواز خود بخود رکتی ہے انگریزی میں اسے کوما کہتے ہیں وقف کا سر حرف واو ہے اس لئے اہل عرب اس کو خفیف وقفہ کے موقعہ پر استعمال کرتے تھے لیکن اس وجہ سے کہ حروف ہجا میں سے بھی ایک حرف واو ہے اندیشہ تھا کہ سیدھی واو لکھنے سے پڑھنے میں غلطی واقع ہوگی الٹی واو لکھنے لگے اہل یورپ کی حروف میں واو اس شکل سے نہیں لکھی جاتی اس لئے وہ سیدھی واو وقف خفیف کے موقعہ پر لکھتے ہیں اردو میں واو مقلوب ہی استعمال کرنی چاہیے

وقف خفیف کے استعمال کے بہت سے موقعہ ہیں اون میں سے چند ضروری موقعہ ہم بیان کرتے ہیں ایسے الفاظ یا جملے جو ایک ہی ترکیب کے ہوں اور مسلسل یا دو دو بیان ہوں۔

دنیا میں رسول اللہ کے سوا کوئی شخص اس شان کا نہیں پیدا ہوا جو پیغمبر بھی ہو، مقنن بھی، بادشاہ بھی ہو، اور فقیر بھی۔

عزت اور ذلت، زندگی و موت، سب خدا کے ہاتھ ہے جب چند الفاظ یا جملے باہم عطف ہوں لیکن حرف عطف محذوف ہو تو اون کے درمیان وقف خفیف لکھنا چاہیئے۔

صداقت، ایثار، شجاعت، اوس کی خاص جوہر تھے ایسے جملوں کے آگے جو فقروں میں اچھی طرح مربوط نہ ہوں وقف خفیف لکھا جاتا ہے۔
رات بھر مینھ برستا رہا، صبح کو احمد آیا؛ اوسکو سردی سے بخار چڑھ رہا تھا۔
نصف وقف واؤ مقلوب مع نقطہ (؛) فقرے کے بڑے بڑے ارکان کے درمیان آتا ہے جیسے جملہ ہائے معترضہ وغیرہ کے آگے۔ نیز ایسے جملوں کے درمیان جو ترکیب نحوی کے لحاظ سے پورے ہوں لیکن مفہوم اونمیں پورا ادا نہ ہو
اس دربار میں سارے دربار شاہی کا مول تو ایک قالین ہوگا، اور شامیانے اور خیمے، جھاڑ، فانوس اور تصاویر اور اسباب آرائش کا تو کون اندازہ کرسکتا تھا؛ ابن الوقت نے آج جانا کہ ساری رونق سادگی اور صفائی میں ہے؛ شاہی اشتہار الخ
وقف لازم انگریزی میں کولن (:) کہلاتا ہے اور ایسے موقعہ پر لکھا جاتا ہے جہاں عبارت میں بہ لحاظ معنی کے وقف کرنا لازم ہو لیکن اہل عرب نے اوس کو کہیں استعمال نہیں کیا اور چونکہ عربی حروف تہجی میں سے اکثر خود بھی نقطہ دار ہیں۔ نقطوں کی اور کثرت۔ ممکن ہے کہ الفاظ کے پڑھنے میں غلطی کردے اس لئے اردو عبارت میں بجائے نقاط کے ایک چھوٹا سا خط کھینچ دیتے ہیں اس کے موقعہ حسب ذیل ہیں:۔
مخاطب کو ایک فقرہ میں کسی امر کا متوقع کریں اور آیندہ فقروں میں اوس امر کا ذکر کریں تو ایسے دو فقروں میں وقف لازم آئیگا۔
آج کی اجلاس میں حسب ذیل امور تصفیہ طلب ہیں۔
نصاب تعلیم کی اصلاح کی جائے، جسمانی ورزش کے لئے وقت مقرر کیا جائے۔
ایک خیال کو پورے طور پر ختم کرنے سے پہلے کوئی دوسرا خیال بیان کرنے لگیں

اور پھر پہلے خیال کو پورا کریں تو پھر وقف لازم استعمال کرتے ہیں۔

وقف مطلق یا وقف کامل عربی میں ہ استعمال کرتے ہیں جو لفظ ہے کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں کٹا ہوا یعنے ایک خیال پورا ہوا اب دوسرا خیال دوسرے فقرے میں بیان ہوگا انگریزی میں فل اسٹوپ کہلاتا ہے اور صرف ایک نقطے کی صورت میں کہا جاتا ہے۔ سررشتہ تعلیم پنجاب نے وقف مطلق کی علامت اس طرح مقرر کی ہے ۰

اقتباس دو واو مقلوب "____" جب غیر کا کلام اپنے کلام میں نقل کرتے ہیں تو ابتدا اور آخر میں دو واو مقلوب بنا دیتے ہیں۔

استفہام کی علامت ؟ ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی سوال کیا گیا ہے اور جب تک اس کا جواب نہ ملے خیال نامکمل رہتا ہے۔

فا، اور ہا، ہوز کو ملا کر لکھتے ہیں اصل نقط مادہ فہم کا جزو ہے جو اہل عرب کا ایجاد ہے اور اہل یورپ نے بھی اسی کو جاری رکھا ہے۔

ندا کی علامت ! ہے جو لفظ ندا کا مخفف ہے نون کا نقطہ اور الف ملاکر یہ علامت بنالی ہے علاوہ ندا کے یہ علامت طبیعت کے کسی اچانک جذبہ یا جوش کو ظاہر کرتی ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بلا اختیار خود بخود زبان سے نکل گئے ہیں

قوسین یا خطوط وحدانی اس شکل سے لکھے جاتے ہیں (————) یا [————] ان میں یا تو کوئی جملہ معترضہ لکھا جاتا ہے یا ایسے اعداد جو مجموعی طور پر لئے گئے ہوں۔

لکچر (۲۸)

فقرے

فقرے سے مراد الفاظ کا ایسا مجموعہ ہے جو ایک خیال کو پورے طور پر اس طرح ظاہر کرے کہ سامع کوئی مطلب سمجھ جائے۔ فقرے میں دو چیزیں اہم ہوتی ہیں ایک تو مسند الیہ جس کے متعلق کچھ کہا جائے اور دوسرے مسند وہ بات جو مسند الیہ کے متعلق کہی گئی ہے پس جو فقرہ کسی مسند الیہ کے متعلق کسی امر کو پورے طور پر ظاہر کر دے وہ کلام تام ہے

یہ بات کہ کون سے امور ایک خیال میں داخل ہیں اور کون سے نہیں ایسی بات ہے کہ خود متکلم کی قوت ممیزہ پر منحصر ہے اون کی کوئی حد بندی نہیں کیجا سکتی ایک فقرے میں ایک ہی خیال کو ظاہر کرنے کے تین طریقے ہیں۔

(۱) ایک فقرے میں ایک مسند ہو اور ایک ہی مسند الیہ مسند الیہ کے ساتھ ضروری صفات اور فعل کے ساتھ متعلقات فعل بیان ہو سکتے ہیں۔

(۲) دوسرے خیالات خواہ شرطیہ ہوں خواہ ضمنی اصل خیال کے ساتھ گوندہ دیئے جائیں

اگر آپ مجھ کو کتاب لا دیں تو میں ممنون ہوں گا۔

وہ صاحب جن کو ہم نے کل دیکھا تھا شہر کے کوتوال ہیں۔

(۳) دو یا زیادہ خیال ایک ساتھ ظاہر ہوں لیکن ان دونو کا مجموعی مقصد یا اثر ایک ہی ہو

حاضرین جلسہ میں سے یوروپین چلے گئے لیکن ہندوستانی بیٹھے رہے یہاں فقرے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ یوروپین اور ہندوستانیوں نے کیا کیا۔

بعض فقرے کسی ایک ہی خیال کو ظاہر کرتے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اون میں کئی کئی خیال ظاہر ہوتے ہیں لیکن ان خیالوں میں ایک قسم کا رابطہ ہوتا ہے اس وجہ سے

وہ سب ایک ہی فقرے کے اجزا خیال کئے جاتے ہیں ایک فقرے میں صرف اتنے ہی خیالات ظاہر کرنے چاہئیں جن کا مجموعی طور پر اثر ایک ہو اور مخاطب کے ذہن میں ایک ہی شئے کا مفہوم پیدا کریں خواہ یہ فقرہ مختصر ہو یا طویل اسمیں ایک مسندالیہ ہو یا کئی ایک مسند ہو یا چند۔ ایک فقرے میں مختلف خیالات کو جمع کرنا متکلم کی قوت تمیز پر منحصر ہے ہر فقرہ اس قابل نہیں ہوتا کہ خواہ مخواہ کئی جملے اوسمیں گڈ مڈ کر دیے جائیں البتہ ایسے جملے جو باہم قریبی رابطہ رکھتے ہیں اس قابل ہوتے ہیں کہ کسی فقرے میں ترتیب دئے جائیں وہ رابطے جو ایک جملے کو دوسرے کے ساتھ ربط دینے کے قابل بناتے ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ایک ہی مدعا اور اوس کی تکرار۔

جو کچھ میرے پاس ہے اس سے آپ فایدہ اٹھا سکتے حاضرین میں حجت نہیں غیر کی تلاش نہیں۔ دوسرے جملے کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو کچھ حاضر ہے اوس سے آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۲) ایک مدعا اور اوس کی تشریح۔

قلعہ میں تھوڑے تھوڑے سے تفاوت سے چودہ برج تھے دو خیال ہیں۔
(۱) قلعہ میں چودہ برج تھے (۲) وہ تھوڑے تھوڑے تفاوت سے واقع تھے۔

کتب تاریخ خصوصاً اوس تاریخ سے جو سلطان بہادر والی گجرات کی تصنیف ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس شہر میں تخت گاہ تھا۔

(۳) کوئی دعوی اور اوس کا نتیجہ

رات کو بارش اس شدت سے ہوی کہ شہر کا تالاب بھر گیا۔

دہلی دارالسلطنتہ تو قرار دی گئی لیکن آبادی کی کثرت سے وہاں گرانی بھی بہت ہوگئی

(۴) ایک بیان اور اوس کا تضاد۔

لوگ فتح کی خوشیاں منا رہے تھے لیکن مصیبت اونکی گھات میں تھی کیونکہ سب کو غافل پا کر غنیم نے ایک اور سخت حملہ کیا اور تاخت وتاراج کر ڈالا۔

بہت سی صورتوں میں جبکہ بہت سے چھوٹے چھوٹے تفصلیں بیان کرتی ہوں تو ہر واقعہ کو علیحدہ علیحدہ فقروں میں بیان کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے اونکو ایک ہی فقرے میں بیان کرتے ہیں اور ہر خیال کے اختتام پر علامت وقف بنا دیتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ امر کہ ایسے کتنے خیالات ایک فقرے میں بیان کئے جائیں متکلم کے قوت تمیز پر منحصر ہے عموماً جو اشیاء یا واقعات ایک وقت یا ایک مقام یا ایک منظر سے تعلق رکھتے ہیں ایک ساتھ بیان کئے جاتے ہیں

ہمارا یہ سفر ایک خاص شان رکھتا تھا ایک تو وہ زمانہ تھا کہ میں والدہ اور تجمہ کے ساتھ پہلے پہل گھر سے نکلا تھا اور یہ حالت تھی کہ قدم قدم پر اندیشہ تھا اور اپنے سایہ تک سے ڈر معلوم ہوتا تھا دشمن ہی نہیں ہمیں درندوں کا بھی دھڑکا تھا۔ سانپ بچھو کا خوف تھا لوٹیروں اور قزاقوں کا کھٹکا تھا یا اب اپنے تارک الدنیا رفقا کے ساتھ اس طرح سفر کر رہا تھا کہ نہ کسی کا خوف تھا نہ کسی بات کا کھٹکا۔ ہم بے تکلف زمین پر سوتے تھے پتھروں کے تکیے بناتے تھے اور جب اٹھ کے چلتے تھے تو اس بات کی بھی پروا نہیں ہوتی تھی کہ نیڈے سے گرد جھاڑ ڈالیں (یوسف نجمہ باب ۲۲ صفحہ ۲۵)

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ فقروں میں الفاظ کس ترتیب سے رکھیں کہ اون میں صفائی۔ روانی اثر۔ زور اور جوش پیدا ہو جائے لیکن یہ یاد رہے کہ محض لفظوں کی الٹ پھیر سے کسی فقرے میں صفائی اور جوش نہیں آسکتا۔ جب تک کہ فی نفسہ وہ خیال بھی جو اس فقرے میں ظاہر کیا گیا ہے کچھ اثر یا جوش نہ رکھتا ہو البتہ لفظوں کے با قرینہ رکھنے سے بیان میں اثر یا زور بڑھ جاتا ہے فقرے کا شروع اور اخیر اہم مقام ہیں اس لئے خیال میں جو اہم بات ہے وہ پہلے بیان ہونی چاہئے مثلاً

فاعل ممتحن نے کل پرچے دیکھ لئے۔

زمانہ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو نماز ہو چکی تھی۔

مکان۔ شہر میں شرق کی جانب وہ ایوان واقع ہے جو محل شاہی کہلاتا ہے

شرط۔ اگر آفتاب و ماہتاب بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو بھی میں سوائے کلمہ حق کے دوسری بات نہ کہونگا۔

ہر دوسرا فقرہ کسی ایسے لفظ یا جملے سے شروع ہونا چاہئے جو اس فقرے کے خیال کو اوس خیال سے جو اس سے قبل کے فقرے یا پیراگراف میں بیان ہو چکا ہے مربوط کرے۔ "باپ کے پیار کرتے وقت اذی لینا کی دونوں آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک ایک قطرہ جو شبنم کے قطرے کی طرح چمکتا تھا نمودار ہوا اپنی ان جذبات غم کے چھپانے کے لئے اوس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا جس سے اوسکی نظر مارکوس پر پڑی اسکی نظروں میں کچھ ایسی عجیب دلفریب بات تھی کہ وہ نوخیز لڑکی بھی اسے سمجھ کے آپ کو اس کی نظر سے بچانے کی کوشش کرنے لگی اور اسی گھبراہٹ میں اٹھ کے ایک کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی اور ٹالنے کے لئے اوس پر فضا باغ کے طرف جو اوس کے محل کے پیچھواڑے تھا دیکھنے لگی۔ (پاداش عمل مصنفہ صدیق حسن لکھنوی صفحہ ۱۹)

مخاطب پر ہر طرح کے فقرے کا اثر جدا ہوتا ہے جو اثر ہم نے بیان کئے ہیں اونکے متعلق یہ نہ سمجھنا کہ اون کے سوا کوئی اثر ہوتا ہی نہیں یا یہ کہ سوائے اس طرح کے فقروں کے یہ اثر کسی دوسرے فقرے میں پیدا ہو نہیں سکتا۔

چھوٹے چھوٹے فقرے جنمیں کوئی مدعا جامع الفاظ میں بیان کر دیا جائے خیال میں زور اور کرارپن پیدا کر دیتے ہیں اور مخاطب پورے مفہوم سے فوراً آگاہ ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ چھوٹے چھوٹے فقرے بالانفراد کچھ اہمیت نہ رکھتے ہوں تو مخاطب بے چین ہو جاتا ہے کیونکہ اوکو کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس پر وہ متوجہ ہو۔

طویل فقروں کا فائدہ یہ ہے کہ ایک خیال معہ اپنی ضروری لوازمات کے پورے طور پہ بیان ہو سکتا ہے مگر عیب یہ ہے کہ بڑے فقرے بہ نسبت چھوٹے فقروں کے کم موثر ہوتے ہیں اون کا ترکیب دینا بھی مشکل ہے اور سمجھنا بھی مشکل۔

جملہ ہائے معترضہ میں مفہوم اوس وقت تک تشنہ رہتا ہے جب تک کہ کلام ختم نہ ہو جائے اس لئے توجہ اور شوق کو بڑھانے کے لئے ایسے جملے بکار آمد ہوتے ہیں۔ مگر یہ جملے اتنے طویل بھی نہ ہونے چاہئیں کہ طبیعت اکتا جائے اور اون کا سلجھانا مشکل ہو جائے

پاداشِ عمل صفحہ (۴۹) اتنا کہنے کے بعد بوڑھا داروغہ ٹھہر گیا گویا اپنے قصہ کا سب سے زیادہ دردناک حصہ بیان کرنے کیلئے ہوش و حواس درست کر رہا ہے اور اول سے اپنے دل میں خیال کیا کہ ایسے نازک زمانہ میں اور ایسے ملک میں جہاں نے ملازم کی وفاداری میں خاص شہرت رکھتا ہے بہت کم امیروں کے خاندان ہونگے جو اینگس ونسٹن کا ایسا وفادار اور جان نثار خادم رکھتے ہوں جو خاندان المندیل سے وابستہ تھا۔ اب اس نے پھر اپنا قصہ شروع کیا اور کہا حضور اب میں اپنے قصہ کے اس مقام پر آگیا ہوں جو اوس وقت سے آج تک ایک لحظہ کے لئے بھی مجھے نہیں بھولا ہے نہ کسی خوشی و خرمی کے وقت وہ دھیان سے اترتا ہے اور نہ نیند میں دماغ سے غائب ہوتا ہے وہ ہولناک سانحہ گو اتنی مدت جس کے انتہا گذر گیا ہے اس کی حسرت میرے لوح دل پر اس طرح نقش ہے کہ گویا میری طبیعت آئینہ ہو گئی ہے۔ خیر اب اس تمہید کو ختم کر کے میں اصل واقعہ بیان کرتا ہوں اولاً یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس عورت جولیا لاکربی نے اس لڑکے کی حال پر پوری توجہ اور اس کی داشت میں نہایت ترس کے اپنے شریف مربیوں کی ٹھہرا تینوں کا حق پورا پورا ادا کر دیا وارث جائداد بچہ اور اس کے ساتھ خود اس کا لڑکا دونوں دودھ کے ایک ہی چشمہ سے سیراب ہو رہے تھے اور خوب نشو و نما پا رہے تھے

ہر وقت کی گھریلو بول چال اور خط و کتابت میں سست فقرے استعمال کئے جاتے ہیں یعنے فعل فاعل اور متعلقات جہاں کہیں آپ سے آپ واقع ہو جائیں بلا تکلف بیان کر دیئے جاتے ہیں ایسے فقرے آسان ہوتے ہیں اور خیالات جس طرح آتے جاتے ہیں ویسے ہی بیان کرتے جاتے ہیں

(اردوئے معلیٰ صفحہ ۱۵۴)

میاں کیوں تعجب کرتے ہو۔ یوسف مرزا کے منظور نہ آنے سے وہ وہاں اچھی طرح ہے حاکموں کے ہاں آنا جانا نوکری کی تلاش۔ حسین مرزا صاحب بھی وہیں ہیں ہاں کے حکام سے ملتے ہیں وہاں پنشن کی درخواست کر رہے ہیں ان دونوں صاحبوں کے ہر ہفتہ میں ایک دو خط مجھ کو آتے ہیں جواب بھیجتا ہوں۔

چست فقروں سے مراد یہ ہے کہ ہم وزن خیالات ہم وزن الفاظ سے ظاہر کئے جائیں اس سے یہ فایدہ ہے کہ الفاظ خیال کی اور خیال الفاظ کی مدد کرتے ہیں اور آسانی سے یاد رہتے ہیں۔

(یاداش عمل صفحہ ۱۲۷) یہ سنتے ہی سر انڈلف کا چہرہ لال بھبوکا ہوگیا اور جواب دیا اسکاٹ لینڈ کی پرانی وضعداری کے خیال سے میں اور سر اتھیو آئے تھے کہ آپ اتنے دنوں کے بعد تشریف لائے ہیں تو ملکے آپکو مبارکباد دیتا جاؤں سمیں یہ بھی مصلحت نظر آئی کہ لارڈ گلن گال اور انکے خاندان سے شرف نیاز حاصل ہوجائیگا۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ہمارے یہ نیک ارادے یہاں بری نگاہ سے دیکھے جاتے ہوں تو ہم کو آمیں بھی عذر نہیں کہ اسیوقت واپس چلے جائیں اور اپنے جوتونکی گرد آپ کے دل پر جھاڑ جائیں

انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ سب سے آخر میں جو بات بیان کی جائے وہ ذہن میں زیادہ جم جاتی ہے اس لئے فقرے کا اخیر بھی قابل لحاظ ہے اگر اخیر میں کوئی ایسا جملہ رکھا جائے جو کم وزن ہو تو سارا بیان بے اثر اور مبتذل ہوجاتا ہے۔

اگر دو یا کئی خیالات یکساں وزن رکھتے ہیں تو اونکے لئے الفاظ بھی یکساں وزن کے تمام کلام میں استعمال ہونے چاہئیں۔ اسی طرح جب دو جملے کسی کلام میں مربوط کئے جائیں تو اونکی ترکیب یکساں ہونی چاہئے تاکہ دونو ایک دوسرے کے موافق معلوم ہوں۔

ان خیالات کو جن کا مفہوم مشترک ہو اور جنکی رو بھی ایک ہی سمت میں ہو اپنے روابط کے اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی اور بغیر حرف ربط کے بھی اونکا ربط ظاہر ہوجاتا ہے۔ جو باتیں یکساں اہمیت رکھتی ہیں وہ ایک ہی جگہ بیان کیجائیں اور طرز بیان بھی اونکا یکساں رہے تاکہ مخاطب اون سب کا مفہوم ایک ساتھ سمجھے

لکچر (۲۹)

پیراگراف

کسی مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے الفاظ کو فقروں میں ترکیب دیدینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ جب کوئی مطلب ایک فقرے میں ختم نہ ہو تو بہت سے فقرے لکھنے یا بولنے پڑتے ہیں اس لئے ایسے طریقوں کا جاننا بھی ضرور ہے کہ سب فقرے اس طرح ترتیب دئے جائیں کہ پورا کلام مسلسل اور مربوط معلوم ہو۔

ایسے مسلسل اور مربوط فقروں کا مجموعہ جنمیں ایک ہی مدعا بیان کیا گیا ہو۔ **پیراگراف** کہلاتا ہے۔

تقریر میں تو پیراگراف ہوتا ہی نہیں تحریر میں ہر پیراگراف نئی سطر سے شروع ہوتا ہے خواہ پہلے پیراگراف کی آخری سطر پوری ہوی ہو یا نہ ہوی ہو۔

اوس نئی سطر میں بھی حاشیہ کے قریب تھوڑی سی جگہ خالی چھوڑ دیتے ہیں۔

جب کسی شخص کا کلام نقل کر رہے ہوں تو ہر کلام کو ایک نئے پیراگراف کی صورت میں لکھتے ہیں خواہ یہ کلام ایک لفظ کا ہو یا ایک فقرے کا یا کئی فقروں کا۔

ہر پیراگراف میں ایک مدعا پورے طور پر بیان کیا جاتا ہے اب یہ دیکھو کہ پیراگرافوں میں ربط و انتظام پیدا کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ پیراگراف ایک فقرے کا بھی ہو سکتا ہے اور کئی صفحوں کا بھی لیکن ہر حالت میں اس کے مضمون میں وحدت اور اوس کا ایک خاص مدعا ہونا ضرور ہے یہ ضرور نہیں ہے کہ یہ مدعا پیراگراف میں ایک جگہ صاف صاف بیان کر دیا جائے بلکہ سارے پیراگراف میں پھیلا ہوا ہو سکتا ہے لیکن ضرور ہے کہ سارے پیراگراف سے وہی مترشح ہو۔

اگرچہ سارے پیراگراف کا مدعا ایک ہی ہوتا ہے لیکن اوس میں کئی خیالات جو باہم ربط و توافق رکھتے ہوں بیان ہو سکتے ہیں - یہ روابط کئی طرح کے ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص کا بیان اور اوس کے خصوصیات یا تفصیل یا کوئی دعوے اور اوس کے باور کرنے کے ثبوت اور دلایل یا کسی بیان کی مثالیں جن سے اوس کی تشریح ہو وغیرہ کوئی بیان اور وہ نتایج جو اس سے مستنبط ہوتے ہیں ان دو نو خیالات کا مدعا بھی ایک ہی ہوتا ہے کیونکہ ایک دوسرے کی علت ہوتے ہیں -

بعض کلام ایسے فقروں سے مرکب ہوتا ہے جن میں باہم ربط نہیں ہوتا نہ اون میں تضاد پایا جاتا ہے نہ توافق نہ علت نہ معلول نہ کوئی اور رشتہ جو اون کو مربوط کرے ایسے فقروں سے پیراگراف بنانے کے لئے ایسے واقعات ایک جگہ بیان کرتے ہیں جو ایک زمانہ میں یا ایک جگہ واقع ہوے ہوں یا اون میں کسی اور طرح سے اشتراک پایا جاتا ہو -

جب کوئی نیا پیراگراف شروع کیا جائے تو دیکھ لینا چاہیئے کہ ماسبق پیراگراف سے اوس میں ربط قایم رہے - جو امور پیراگرافوں میں ربط پیدا کرتے ہیں حسب ذیل ہیں یا کوئی شئے اور اوس کی تعریف یا کسی امر کی تشریح یا کسی مضمون کی تکرار تضاد وغیرہ یا کسی دعوے کا ثبوت یا مثال یا کسی شئے کا عمل یا کسی مطلب کی تاکید یا کسی واقعہ کا نتیجہ وغیرہ مگر یہ خیال رہے کہ کسی مضمون کی تعریف یا ثبوت یا مثال یا نتایج وغیرہ کا بیان خلط ملط نہ کر دیا جائے بلکہ ہر ایک امر ترتیب وار علیحدہ علیحدہ بیان ہو

لکچر (۳۰)

فسانہ نگاری

کہانی کہنا ایسا آسان کام نہیں ہے جیسا کہ عموماً لوگ خیال کرتے ہیں کہانی کے موثر مقامات کو انتخاب کرنے اور اون میں سلسلہ بیان قایم رکھنے کے لئے مشق اور توجہ کی حاجت ہے۔ قصہ بیان کرنے میں یہ ضرور احتیاط رکھنی چاہئے کہ جہاں کہیں طوالت مفید نہ ہو وہاں اختصار اختیار کریں اور غیر ضروری بیانات پر اس قدر زور نہ دیں گویا وہ بہت ضروری ہیں۔

قصہ کے واقعات کے بیان میں اگر سلسلہ قایم نہ رکھا جائے اور اون کو الٹ پلٹ کردیا جائے تو پیچیدگی اور الجھاؤ پیدا ہوجائیگا۔ قصہ میں اثر پیدا کرنے کے لئے انجام کو پہلے ہی سے مدنظر رکھتے ہیں اور ہر بیان کے متعلق یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اس انجام کو ظاہر کرنے میں کہاں تک مدد دیتا ہے اگر وہ انجام کو ترقی نہیں دیتا تو قصہ میں اس کا کوئی کام نہیں ہے خواہ وہ فی نفسہ کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو اس لئے پہلے ہی سے انجام کو منتخب کرلو تاکہ تم کوئی ایسا معیار قایم کرسکو جس سے ہر ایک تفصیل کی ضرورت جانچی جاسکے۔

انجام سے مراد قصہ کا آخر حصہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ بڑی وجہ ہے کہ یہ کہانی کیوں کہی گئی ہے؟

کہانی کے اوس حصہ کا جو بہت ضروری ہے بیان زیادہ تصریح سے ہونا چاہئے تاکہ پڑھنے والا کا ذہن دیر تک اوس کی طرف متوجہ رہے اور جو واقعات آیندہ بیان ہونے والے ہیں اون کے سمجھنے کے لئے تیار ہوجائے۔ اور غیر ضروری بیانات

کو سرسری اور مختصر طور پر بیان کر دیا جائے۔

ہر کہانی سے کوئی نہ کوئی نتیجہ نکالنا اور کچھ نہ کچھ اوس کا انجام جو کہ ایک مقصد ہوتا ہے اس لئے فسانہ نگار ہر بیان میں اوس کی جھلک دکھاتا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والا مشتاق ہو جائے۔ اشتیاق پیدا کرنے کے بہت سے طریقے ہیں اون میں سے ایک یہ ہے کہ فسانہ میں جن لوگوں کا ذکر آیا ہے اون کا رویہ ایسا دکھایا جائے کہ پیش آنے والے واقعات حقیقی اور قدرتی طور پر اون سے منتج ہوں دوسرے یہ کہ تمام منظر اور حوالیات اوس واقعہ سے ایسی موافقت رکھتے ہوں کہ اون کی پیش بینی کیجا سکے تیسرے یہ کہ قصہ کے اشخاص کی گفتگو سے آیندہ واقعات کا ایماء ہو جائے ہر ایک منظر ہر ایک گفتگو اور لوگوں کا رویہ پڑھنے والے پر ایسا اثر ڈالے کہ وہ کچھ کچھ سمجھ جائے کہ آیندہ کیا پیش آنے والا ہے یہ فسانہ نگاری کا نقص ہے کہ ناظرین کو ایک امر کا مشتاق کیا جائے اور پھر اوس کو پورا نہ کیا جائے۔ جب کسی واقعہ کے پیش آنے کا اشتیاق یا انتظار پیدا کر دیا جائے تو پھر اوس کے بیان کرنے میں ہنر اور سلیقہ دکھانا چاہیئے۔ کہ ناظرین جن امور کے پیش آنے کے متوقع ہیں اون میں کوئی عجیب و غریب بات دکھائی جائے بعض دفعہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ توقع کے برخلاف دوسرے واقعات دکھاتے ہیں مگر وہ ایسے ہوتے ہیں کہ پچھلے واقعات سے قدرتی طور پر پیدا ہو سکتے ہیں ایسے واقعات جو خود بخود ظاہر ہو جانے والے ہوں یا خوف یا نفرت یا شرم پیدا کرتے ہیں تفصیل سے نہیں بیان کئے جاتے بلکہ سرسری طور پر اون کا ایماء کر دیا جاتا ہے۔

لکچر (۳۱)

مضمون نگاری

جب کوئی مضمون لکھنے بیٹھو تو پہلے یہ سونچو کہ تم کیا بیان کرنا چاہتے ہو جو خیالات یا واقعات ظاہر کرتے ہیں پہلے اون کی فہرست بناؤ اور پھر اون کو کسی خاص لحاظ سے ترتیب دو جس طرح ایک فقرہ ایک خیال کو ظاہر کرتا ہے یا ایک پیراگراف ایک مدعا کو بیان کرتا ہے اسی طرح ایک مضمون خواہ کسی قدر طویل کسی قدر پیچیدہ کیوں نہ ہو ایک موضوع سے تعلق رکھتا ہے اس لئے لکھنے سے پہلے راقم کو ایک سونچ لینا چاہئے کہ میرا موضوع کیا ہے اور یہ موضوع ایک فقرے یا ایک ایسے خیال کی صورت میں ہونا چاہئے جو اوس مضمون کے تمام ابواب میں جاری وساری ہو مثلاً "ہندوستان میں اسلامی تمدن کا اثر" "مسلمان عورتوں کو اعلیٰ تعلیم کی ضرورت"

خیالات کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک قسم کی کہانی کی طرح تدریجی طور پر آگے بڑھیں اور ایسے مسلسل ہوں کہ اول سے آخر تک مخاطب کو یہ نہ معلوم ہو کہ کہیں اون کا سلسلہ ٹوٹتا ہے اور نہ طرز بیان پیچیدہ یا خلط مبحث ہو لیکن صاف طور پر ظاہر ہو جائے کہ وہ کون سے خیالات ہیں جو ایک دوسرے سے علاقہ رکھتے ہیں اور کون سے ہیں جو بالکل علیحدہ ہیں۔

طرز بیان ایسا مسلسل ہو کہ ہر ایک نیا خیال اپنے ماسبق خیال سے پیدا ہو یا اوس سے پیدا ہوتا ہو بیان میں دلچسپی اور زور بتدریج بڑھتا جائے۔

جب ایک خیال سے دوسرے خیال پر گریز کرتے ہیں تو بیچ میں کوئی جملہ یا فقرہ ایسا لاتے ہیں جنہیں جو کچھ بیان ہو چکا ہے اور جو کچھ بیان کرنا ہے دونوں کے

مطالب کا کچھ نہ کچھ اشتراک ہو۔ یہ لفظ یا فقرہ کوئی اصلی خیال ہونا چاہیئے۔
کسی مضمون کو شروع کرنے سے پہلے اوس کی تمہید اٹھانی بھی ایک کام ہے
تمہید ایسی ہونی چاہیئے کہ مخاطب کو معلوم ہو جائے کہ آئندہ تم کیا بیان کرنے والے ہو اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ بعض مضامین کسی زمانہ میں عام طور پر زیر بحث ہوتے ہیں اور ہر شخص اون کی نسبت غور و فکر کر رہا ہوتا ہے ایسے مضامین کے متعلق لمبے چوڑے توطیے باندھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تمہید کی خوبی یہ ہے کہ موضوع کی طرف مخاطب کے خیالات کو راہ نمائی کرے اور کوئی خیالات ایسا بیان نہ ہو جو آگے چل کر اصل موضوع سے غیر متعلق ہو۔
یہ دیکھو کہ جو مضمون تم بیان کرنا چاہتے ہو اوس کا اصل منشا و مدعا کیا ہے سارے مضمون میں اوسی منشا کو مدنظر رکھو اور اوس کے تحت میں دوسری باتیں اوسی قدر بیان کرو جس قدر اون کا بیان کرنا اصل مطلب کے لئے ضرور ہو مثلاً تمھارا منشا سید احمد خاں کی اون کوششوں کا ذکر کرنا ہے جو انھوں نے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کے پھیلانے میں کیں تو مخاطب تم سے اونھیں کوششوں کے معلوم کرنے کا خواہشمند ہے اس لئے سید احمد خاں کے حالات طفلی اور حالات ملازمت کے بیان میں وقت مت ضایع کرو۔ اگر تاج گنج کے روضہ کی خوشنمائی اور رائیں اثر کا بیان کرنا مقصد ہے جو اوس کے نظارے سے طبیعت پر پیدا ہوتا ہے تو زیادہ اسی قسم کا بیان کرنا چاہیئے۔ جو اوس کی حسن کی ایسی جھلک دکھا دے کہ پڑھنے یا سننے والے کے دل پر بھی وہی اثر پیدا ہو جو متکلم کے دل پر دیکھنے سے ہوا ہے تاج گنج کے مصارف تعمیر کا بیان ایسے موقع پر بے محل اور غیر دلچسپ ہوگا غرض ہر موقع پر یہ کوشش کرو کہ تمھارے بیان کا مخاطب پر وہی اثر ہو جو تم پیدا کرنا چاہتے ہو۔

ہر ایک منشاء کو اوس کی خاص صورت میں ادا کرتے ہیں جس قدر منشاء
مختلف ہونگے اوسی قدر ادائے مطلب کی صورتیں مختلف ہونگی مثلاً

اگر کسی حقیقت یا اصول کو اس طرح ظاہر کرنا مقصد ہے کہ مخاطب اوس کو
سمجھ کر یاد رکھے تو اوس کو قضیہ کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں

اگر ہمارا یہ منشاء ہے کہ لوگ کسی امر کو اوس طرح محسوس کریں جس طرح کہ ہم کرتے
ہیں یا کسی منظر کا حسن دیکھیں یا کسی واقعہ کی حالت اور کیفیت سے ویسے ہی متاثر
ہوں جیسے کہ ہم ہیں تو ہمیں اس طرح بیان کرنا پڑیگا کہ وہ منظر یا وہ واقعہ اون کی
نظر کے سامنے ہو بہو پھر جائے۔ یہ اثر کسی ایک جگہ نہیں بھر دیا جاتا بلکہ تمام بیان
اس طرح کرنا پڑتا ہے کہ وہ نظارہ یا وہ کیفیت ظاہر ہو۔ فرض کرو کہ تم کوئی کہانی
پڑھو اور پھر اپنے دل سے سوال کرو کہ کیا اثر اوس نے تمھارے دل پہ پیدا کیا۔ یا
نقش تمھارے دل پہ بٹھایا وہی اس کہانی کا منشا ہے۔

[illegible]طب یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو اون کے فرائض سے آگاہ کرے۔ یا
[illegible] کام کرنے پر آمادہ کرے تو اس صورت میں وہ اوس کو امر یا فرمان
یا حکم کے لہجہ میں ظاہر کرے گا۔

الفاظ میں کسی چیز کی تصویر کھینچنا مصوری سے زیادہ مشکل ہے اس کا مقصد
یہ ہوتا ہے کہ مخاطب بھی کسی شئے کو اوسی نظر سے دیکھے یا اوس پر بھی وہی اثر ہو جو
متکلم پر ہے۔ ایسا کرنے کے لئے متکلم کو اوس شئے کے متعلق تمام ایسے امور بیان
کر دینے چاہئیں جن سے مخاطب کو واقف ہونا ضروری ہے یہ خیال رہے کہ متکلم
اور وہ شئے جس حال میں ہیں یا جس مقام پر ہیں اوسکی ہی کیفیت کا اظہار
سلسلۂ بیان میں ہے مثلاً ایک قطعہ زمین کو دور سے دیکھیں اور اوسی کو
قریب سے دیکھیں تو منظروں کی کیفیت مختلف ہوگی۔ یہ ظاہر ہے کہ قریب سے

دیکھ کر ہم جو کیفیتیں معلوم کر سکتے ہیں وہ دور سے دیکھ کر نہیں کر سکتے۔
پس اگر ہم یہ کہیں تو یہ کہ ہم نے اوس مقام کو ایک بلند ٹیلے پر سے ایک میل
کے فاصلہ سے دیکھا ہے اور بیان کریں ایسے جزئیات جو قریب کے مشاہدے
کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں تو یہ بیان مقتضائے حال کے خلاف ہوگا۔ اس طرح
اگر قریب و بعید کہ مشاہدے کی کیفیتوں کو خلط ملط کر دیں تو بھی بیان میں
نقص پیدا ہو جائیگا اور مخاطب کے دل پر وہ اثر نہ پیدا ہوگا جو متکلم کا مقصد ہے

ایک عمارت کو دور سے دیکھیں تو اوس کی مجموعی ہیئت اور آردگرد
کی چیزوں کے ساتھ ملکر اوس کی ایک خاص کیفیت معلوم ہوگی اور اگر اوسی کو
قریب سے دیکھیں تو اوس کے مصالحہ اوس کی ساخت اوس کی صنعتیں وغیرہ
سارے باریک تفصیلی کام معلوم ہو جائینگے۔ لیکن جب کسی شئے کی خصوصیات
کا بیان کرتے ہیں تو پہلے اوس شئے کی وضع طرح کی موٹی موٹی چند باتیں بیان
کر دینی مناسب ہوتی ہیں مثلاً کسی عمارت کے اندر کے حصے کی کیفیت
بیان کرتی ہے تو پہلے یہ بیان کرو کہ وہ عمارت مربع ہے یا مستطیل۔ وغیرہ

بیانات کو بے ضرورت طویل کرنے سے مخاطب کی طبیعت اکتا جاتی ہے
اور بعض دفعہ وہ پریشان ہو جاتا ہے لہذا وضاحت اسی قدر ہونی چاہئے
جس قدر کہ مخاطب پر اثر ڈالنے کے لئے ضرور ہے

جو امور کسی شئے میں ایک خاص ترتیب سے واقع ہوئے ہیں اوسی
ترتیب سے اون کو بیان کرو اور جو باتیں ایسی ہیں کہ ذہن میں ایک ساتھ
آتی ہیں اون کو ایک ساتھ ہی لکھو۔

ایک شئے میں بہت طرح کے اوصاف اور خصوصیات ہوتے ہیں انکو
بیان میں صرف اون ہی خاص خاص وصفوں یا خصلتوں کو چن لینا چاہئے

جن کو ہم ظاہر کرنا چاہتے ہیں مثلاً کسی قوم کا حال بیان کرتے ہیں تو اونکی ذکاوت فراست دانشمندی اور اخلاق کی کیفیت ظاہر کرنی مقصد ہو تو اون کی نسلوں رنگ و قامت وغیرہ کا بیان تفصیل سے بیان کرنے کی حاجت نہیں سرسری طور سے بیان کر دینا کافی ہے۔

اپنے مضمون کو ایسے الفاظ پر ختم کرو جو تمام مضمون کا نچوڑ ہوں آخر میں کہنے کے لئے یہ سوچ لو کہ تم ابتدا میں کیا کہہ چکے ہو اور کسی ایسے جملے پر ختم کرو جو کسی طرح مضمون کے پورے اثر کو کسی دوسرے نقطہ پہ جمع کر دے اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ مخاطب کسی نئے واقعہ یا حقیقت سے واقف ہو جائے تو اپنے بیان کا مختصر خلاصہ آخر میں بیان کر دو۔

تمنائے دید

اخلاق معاشرت تمدن کے مسایل قصہ کے پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔ قصہ نہایت دلچسپ اور درد انگیز ہے زندگی کے مد و جزر اور طبایع انسانی کی تصویریں اس کے مطالعہ سے نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ بہت سی نئی معلومات حاصل ہوتی اور بیش بہا سبق ملتے ہیں۔ لطف زبان کے لحاظ سے بے نظیر ہے حجم ۵۰ اصفحہ ۔۔۔ قیمت ۱ر

تسہیل البلاغت

علم معانی بیان و بدیع کا ذکر ایسی شرح و بسط سے کیا ہے کہ مبتدی بھی اسکو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ طرز بیان نہایت دلچسپ ہے۔ فصاحت و بلاغت کی تعریف۔ زبان میں غلطیوں سے بچنے کے قاعدے۔ مطلب کو صحیح الفاظ دل آویز شستہ اور سلیس زبان میں بیان کرنے کے طریقے۔ الفاظ محاورہ روزمرہ کا صحیح استعمال حسن بیان اور انشاء پردازی کے بہت سے نکات بیان کئے ہیں دہلی اور لکھنو کی زبان کا فرق بھی بتایا ہے اردو زبان میں اس سے بہتر کوئی کتاب اصول انشاء پردازی سکھانے والی موجود نہیں ہے قیمت ۱۲ر

الفہرست

اردو زبان میں ہر علم و فن میں جس قدر کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں سب کی مکمل فہرست معہ نام مصنف و تعداد صفحات و قیمت و نام مطبع وغیرہ یہ کتاب نہ صرف تاجران کتب و شائقین علم و فن ہی کے لئے مفید ہے بلکہ مصنفوں اور علمی انجمنوں کے لئے بھی کہ ہر فن فن میں جس درجہ تک کتابیں موجود ہیں اونسے اعلیٰ درجہ کی کتابیں تصنیف فرما کر زبان کا پایہ بلند کریں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زیر طبع

فہرست تصنیفات پروفیسر سجاد مرزا بیگ دہلوی

حکمت عملی فلسفہ عملی میں جامع اور مبسوط کتاب ۔ ۲ روپے

الانسان انسان کے خصائص طبعی کا مفصل بیان ۔ ۸ آنے

تمناشے دید ۔ اخلاق و معاشرت و تمدن کے مسائل قصہ کے پیرایہ میں ۔ ۱۰ آنے

تسہیل البلاغت ۔ علم معانی ۔ بیان و بدیع کے مسائل سلیس و دلچسپ طریقہ سے ۔ ۲ روپے

الفہرست ہر علم و فن کی اردو کتابوں کے متعلق مفید معلومات ۔ زیر طبع

الاستدلال ۔ علم منطق کے اصول سلیس زبان میں سہل طریقہ سے بیان کئے ہیں ۔

سوداگروں یا زیادہ تعداد میں خریدنے والوں کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا ۔

کتابوں کے ملنے کا پتہ

پروفیسر سجاد مرزا بیگ دہلوی ملازاعلی میاں حیدرآباد دکن

Abdul Hayee Abid. G. C. Ban Hafiz Jee. Mianwali